سلسلة المطبوعات: اللجنة العلمية: 1

واٹس ایپ کی دنیا میں مجموعہ اللجنة العلمية: من علماء الدعوة السلفية
میں مختلف علمائے کرام کے مابین ہونے والے علمی مباحثہ کا خلاصہ بنام:

یک مشت سے زائد داڑھی کی شرعی حیثیت

(قائلین و مانعین کے دلائل کا باہم علمی و تحقیقی تجزیہ)

جمع و ترتیب زبیر بن خالد مرجالوی

نظر ثانی

شیخ الحدیث مولانا حافظ خالد بن بشیر مرجالوی
استاذ الحدیث: جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رفیق طاہر
استاذ الحدیث جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

دار السلف

0303-6604440 0308-6222418
www.kitabosunnat.com
یک مشت سے زائد داڑھی
کی شرعی حیثیت

واٹس ایپ کی دنیا میں مجموعہ اللجنة العلمية : من علماء الدعوة السلفية
میں مختلف علمائے کرام کے مابین ہونے والے علمی مباحثہ کا خلاصہ بنام:

کی شرعی حیثیت

(قائلین و مانعین کے دلائل کا باہم علمی وتحقیقی تجزیہ)

جمع وترتیب زبیر بن خالد مرجالوی

نظر ثانی

شیخ الحدیث مولانا حافظ خالد بن بشیر مرجالوی حفظہ اللہ
استاذ الحدیث جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ
استاذ الحدیث جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ

دار السلف

جمع وترتیب .... زبیر بن خالد مرجالوی

نظر ثانی .... شیخ الحدیث مولانا حافظ خالد بن بشیر مرجالوی حفظہ اللہ
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ

طبع اول .... مارچ ۲۰۱۷ء

طبع .... مکتبہ بیت السلام پرنٹنگ پریس لاہور
کتاب وسنت کی اشاعت کا معیاری ادارہ
042-37320422, 0321-9350001

فہرست مضامین

باب دوم:

یک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کو جائز کہنے والے علمائے کرام

باب سوم:

یک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کو ناجائز کہنے والے علمائے کرام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ اور نبی مکرم ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری میں اپنی رضا و محبت کو پنہاں فرمایا ہے۔ اور آپ ﷺ کے امر کی مخالفت کرنے والے کو فتنہ و عذابِ الیم کی وعید سنائی ہے۔ بلکہ امرِ نبوی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لینے کو ایمان کی کسوٹی قرار دیا ہے۔ اور امام الانبیاء جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ہر قول وعمل کو وحیِ الٰہی قرار دیا، اور اہلِ اسلام کو وحی کی اتباع کرنے اور غیر وحی کے پیچھے لگنے سے منع فرما دیا۔ جی ہاں رسول اللہ ﷺ کا ہر قول وعمل وحیِ الٰہی ہی ہے، الا کہ وحی خود صراحت کر دے کہ یہ قول یہ یا عمل وحی نہیں ہے، جیسا کہ تابیرِ نخل، قصہ تحریم شہد، اور اس جیسے دیگر معاملات میں صراحت موجود ہے۔ لہٰذا نبی مکرم ﷺ جملہ افعال وحی ہونے کے وجہ سے واجب الاتباع ہیں۔

سونے جاگنے، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، تعلقات استوار کرنے، رہنے سہنے کے آداب وغیرہ سبھی میں رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنا قول وعمل، صورت وشکل اور فکر وعقل اِسوۂ نبوی کے مطابق بنائے اور اپنے ظاہر وباطن کو عکسِ مصطفیٰ ﷺ کر لے، کیوں کہ یہی مطلوب ومقصودِ شریعت ہے۔ اسی اسوۂ حسنہ میں رسول اللہ ﷺ کی

ریش مبارک کا انداز بھی ہے۔ کہ جسے آپ ﷺ نے اس کی طبعی حالت پر چھوڑ دیا، اور کبھی اس میں تراش خراش یا کانٹ چھانٹ نہیں فرمائی، اور اسی بات کا امت کو بھی حکم دیا کہ اپنی داڑھیوں کو بڑھاؤ، وافر کرو، لٹکاؤ، انھیں معاف کر دو۔

دینِ اسلام کے اولین متبعین یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسوۂ نبوی اور حکمِ نبوی کی اسی طرح بجا آوری کی اور اپنے چہروں کو ایسی داڑھیوں سے سجایا جو اپنی طبعی وفطری حالت پہ تھیں۔ ان پاکباز ہستیوں میں سے دو چار سے اگر سہو ہو بھی گیا کہ انھوں نے داڑھی کی فطری ہیئت میں کسی قدر تبدیلی کی، تو یہ ان کا ایسا ذاتی عمل ہے کہ جس کی معافی کا اعلان اللہ تعالیٰ نے "رضي الله و رضوا عنه" فرما کر کر دیا ہے۔ اور ہمارے لیے واجب الاتباع نبی مکرم ﷺ کی ذات و بات ہے، نہ کہ کسی اور کی۔

اسی مسئلے کو سمجھانے کے لیے یہ مختصر کتابچہ ترتیب دیا گیا ہے، جس میں نامور اہلِ علم کی آراء اور فریقین کے دلائل کا بہترین محاکمہ موجود ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے جامع و مرتب، اور اس بحث میں شریک ہونے والے، اور اس کتابچے کی طبع ونشر کا اہتمام کرنے والے اور اسے پڑھنے وعمل کرنے والے سبھی لوگوں کے لیے اسے توشۂ آخرت بنا دے۔ آمین یا رب العالمین.

وکتبه:

ابو عبد الرحمٰن محمد رفیق طاہر

مدرس جامعہ محمدیہ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

۱۵/۰۶/۱۴۳۸ھ

عرضِ مرتب

دینِ اسلام میں ہر مسلمان کے لیے جن فرائض کا ذکر کیا گیا ہے، ان پر عمل کرنے سے انسان کی فطرت میں حسن وحیا کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ کوئی تعلیمِ انسانی ایسی نہیں جو فطرتِ انسان کے خلاف ہو، اس کے برعکس ہم بہت سارے ایسے کام سر انجام دیتے ہیں جو انسانی فطرت کے خلاف ہوتے ہیں، انھیں کاموں میں سے ایک داڑھی کٹوانا بھی ہے۔

یک مشت سے زائد داڑھی کا مسئلہ کوئی جدید وحدیث نہیں ہے، بلکہ بعض سادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر تابعین، پھر تبع وتابعین سے ائمہ دین، پھر ائمہ کرام سے لے کر فی زمانہ تک اس مسئلہ میں دونوں عمل دیکھنے کو مل رہے ہیں۔ اور یہ مسئلہ بعض علمائے کرام سے لے کر عامۃ الناس تک خلش کا شکار ہے، جس کی زد میں سادہ لوح مسلمان سے لے کر طلبہ کرام بھی ہیں۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ دوطرفہ دلائل کو یکجاں جمع کر دیا جائے، اسی احساس کو لے کر راقم نے قدیم وجدید مواصلات کے ذریعے کبار علمائے کرام سے رابطہ کیا اور 100 کے قریب علمائے کرام نے شفقت فرماتے ہوئے اپنی آراء سے مطلع فرمایا۔ جزاهم الله خيرا.

اس کتاب کے بارے میں چند قابلِ ذکر باتیں:

① یہ کتاب تین ابواب پر منقسم ہے:

① باب اول: راقم کا مضمون۔

② باب دوم: مجوزین علمائے کرام کی آراء۔

③ باب سوم: مانعین علمائے کرام کی آراء۔

◆ عامۃ الناس کے عدم الجھاؤ کے پیشِ نظر مبحث اول میں راقم نے اپنا مضمون درج کیا ہے، جس پر شیخ الحدیث مولانا حافظ خالد بن بشیر مرجالوی حفظہ اللہ اور فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ کی نظر ثانی ہے۔

◆ علمائے کرام کی آراء میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں، ان کی تحقیق و تخریج میں انہی پر اعتماد کیا گیا ہے۔

◆ مجلّہ ضیائے حدیث میں اس موضوع پر شائع ہونے والے مکمل مضامین بھی اس کتاب کی زینت بنا دیے گئے ہیں۔

قارئین کرام سے استدعا:

یہ کتاب پیش کرتے ہوئے ہم قارئین کرام سے بصد احترام استدعا کرتے ہیں کہ اقوال الرجال سے بالاتر ہو کر جو موقف اقرب الی السنۃ معلوم ہو اسے اختیار کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

اظہار تشکر:

سب سے قبل تو میں اپنے مالک کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کی توفیقِ خاص اور فضل و احسان سے یہ علمی خزینہ پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ اس کے بعد مجموعہ "اللجنة العلمية من علماء الدعوة السلفية" کے معزز علمائے کرام کا ممنون ہوں، جنھوں نے ہمیں اپنی آراء سے مطلع فرمایا۔

مزید براں میں اپنے والد گرامی شیخ الحدیث والتفسیر مولانا حافظ خالد بن بشیر

مرجالوی ﷿ اور فضیلۃ الشیخ مولانا محمد رفیق طاہر ﷿ کا بے حد مشکور ہوں، جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود انتہائی محنت و عرق ریزی سے اس کتاب کی نظر ثانی فرما کر مزید چار چاند لگا دیے۔ بارك الله في علمها وعملها.

علاوہ ازیں میں ان تمام قدیم و جدید مصنفین کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں جن کی کتب سے استفادہ کے بعد یہ کتاب پایۂ تکمیل تک پہنچی۔ اسی طرح مفتی ابو الحسن عبدالخالق اور حافظ عمران الٰہی ﷿ بھی ہمارے شکریے کے سزاوار ہیں، جنھوں نے شفقت فرماتے ہوئے اپنے مکمل مضامین ارسال کیے۔ جزاهم الله خيرا.

ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے فاضل بھائی مولانا حافظ عثمان بن خالد مرجالوی اور مولانا حافظ طلحہ بن افضل عارفی ﷿ کا شکریہ ادا نہ کروں، جنھوں نے اس کتاب کی تیاری میں میرا بھرپور ساتھ دیا۔ الله يتقبل جهودهما.

اللہ تعالیٰ کی ذات ہی لائق استعانت ہے اور توفیق و احسان نوازی اسی کے اختیار میں ہے۔ اسی ذاتِ حی و قیوم سے عاجزانہ التجاء ہے کہ اس کتاب کو ہمارے لیے نافع بنائے، گناہوں کی بخشش اور درجات کی رفعت و بلندی کا سبب بنائے۔ آمین ثم آمین یا رب العالمین.

وكتبه

زبیر بن خالد مرجالوی

١٦/ جمادي الثاني ١٤٣٨ھ

باب اول:

ایک مشت سے زائد داڑھی کی شرعی حیثیت

فصل 1

مکمل داڑھی رکھنا فرض ہے

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ داڑھی رکھنا فرض ہے اور یہ حقیقی مسلمان کی پہچان ہے۔ اس بارے میں روایات تو کافی زیادہ ہیں۔ اور امام نووی رحمہ اللہ نے پانچ مختلف الفاظ کا تذکرہ کیا ہے، مگر ہماری دانست میں صرف چار الفاظ والی مختلف روایات ہیں، ہم انھیں نقل کرتے ہیں:

پہلی حدیث:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ: وَفِّرُوا اللِّحَى»[1]

”مشرکین کی مخالفت کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔“

دوسری حدیث:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ، وَأَعْفُوا اللِّحَى»[2]

”مونچھوں کو خوب کاٹو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔“

تیسری حدیث:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب تقليم الأظفار (٥٨٩٢)

[2] صحيح البخاري، اللباس، باب إعفاء اللحى (٥٨٩٣)، صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة (٥٢٩)

«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفُوا اللِّحَى»[1]

''مونچھوں کو خوب اچھی طرح کاٹو اور داڑھیوں کو وافر کرو۔''

چوتھی حدیث:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحَى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»[2]

''مونچھوں کو خوب کاٹو اور داڑھیاں لٹکاؤ مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

الغرض! یہ تمام کے تمام الفاظ معنی میں قریب قریب ہیں، جن کا مفہوم امام نووی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"فَحَصَلَ خَمْسُ رِوَايَاتٍ أَعْفُوا وَأَوْفُوا وَأَرْخُوا وَأَرْجُوا وَوَفِّرُوا وَمَعْنَاهَا كُلُّهَا تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنَ الْحَدِيثِ الَّذِي تَقْتَضِيهِ أَلْفَاظُهُ وَهُوَ الَّذِي قَالَهُ جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْمُخْتَارُ تَرْكُ اللِّحْيَةِ عَلَى حَالِهَا"[3]

''تو اس طرح پانچ روایات ہوئیں: "أعفوا، أوفوا، أرخوا، أرجوا، وفروا" ان تمام الفاظ وروایات کے معنی یہ ہیں کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا ہے، حدیث کے ظاہری الفاظ کا یہی تقاضا ہے، ہمارے اصحاب (شوافع) میں سے ایک جماعت اور دیگر علماء کا بھی یہی قول ہے۔ اور پسندیدہ بات یہی ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔''

---

1. صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة (٦٠٢)
2. صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة (٢٦٠)
3. شرح النووي على مسلم، (٣/ ١٥١)

فصل 2

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم فرض ہوتا ہے

اس موضوع کو بیان کرنے کے لیے ہمیں قرآنِ مجید اور حدیثِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ محدثین اور اصولیوں کے وضع کردہ قواعد کو بھی دیکھنا ہوگا۔ ہم دونوں کو اختصار سے ذکر کرنے کی کوشش کرتے ہیں، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے اوامر کی اہمیت مزید واضح ہو سکے۔

حکم کی فرضیت؛ قرآن وحدیث کی روشنی میں:

اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دیں یا رسول اللہ ﷺ جس چیز کا حکم دیں وہ چیز فرض ہو جاتی ہے، اس پر عمل نہ کرنے کی گنجایش نہیں رہتی۔ ہاں اگر کوئی دلیل یا قرینہ صارفہ آجائے جس سے گنجایش نکل رہی ہو پھر اس میں گنجایش ہوگی اور اگر کوئی قرینہ صارفہ ایسا نہ ملے پھر حکم خواہ اللہ تعالیٰ کا ہو یا پیغمبر ﷺ کا، وہ فرض ہی ہوگا۔

ایک مثال سے بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ [البقرة: ٤٣]

”نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔“

یہ تینوں حکم ہیں ان تینوں میں سے گنجایش کسی میں بھی نہیں ہے کہ نماز قائم نہ کرو گے، یا زکاۃ ادا نہ کرو گے، رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع نہ کرو گے تو مجرم اور گناہ گار نہیں ٹھہرو گے، ایسی کوئی دلیل نہیں۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا حکم فرض ہوتا ہے اور جو اس فرض میں کوتاہی کرتا ہے، وہ سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔ اگر اس موضوع کو تفصیل سے بیان کریں تو مستقل کتاب کی ضرورت ہے مگر ہم چند ایک دلائل پیش کرتے ہیں:

پہلی دلیل:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ [سورة الأحزاب: ٣٦]

''اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ کا فیصلہ کردیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقیناً وہ گمراہ ہوگیا، واضح گمراہ ہونا۔''

دوسری دلیل:

رسول کریم ﷺ کے قول، بات، حدیث یا فیصلے سے اختلاف تو کجا دل میں تنگی و انقباض بھی محسوس کرنا ایمان کے سراسر منافی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾

[سورة النساء: ٦٥]

''پس نہیں، قسم ہے تیرے رب کی! یہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف و مشاجرات میں آپ کو حاکم نہ مان

لیں، پھر جو فیصلہ آپ ان کے درمیان کر دیں، ان سے وہ اپنے دلوں میں کسی طرح کی تنگی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کریں۔"

تیسری دلیل:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾

[سورة الأحزاب: ٣٦]

"اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ واضح گمراہ ہو گیا۔"

چوتھی دلیل:

فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴾ [سورة محمد: ٣٣]

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال برباد نہ کرو۔"

پانچویں دلیل:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴾ [المجادلة: ٢٠]

"بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں سے ہیں۔"

چھٹی دلیل:

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴾ [سورة النساء: ١٤]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے، اسے وہ آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

ساتویں دلیل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴾

[سورة النساء: ١١٥]

''اور جو شخص راہ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کی راہ چھوڑ کر کسی اور راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے پھیر دیتے ہیں، جدھر وہ پھرے اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ (جہنم) لوٹنے کی بُری جگہ ہے۔''

آٹھویں دلیل:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ [سورة النور: ٦٣]

''سو لازم ہے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کے حکم کو ماننے سے پیچھے رہتے ہیں کہ انھیں کوئی فتنہ آن پہنچے یا انھیں دردناک عذاب آن پہنچے۔''

نویں دلیل:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَمَنْ يَأْبَى؟ قَالَ: «مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى»[1]

''میری ساری کی ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جس نے (جنت میں خود جانے سے) انکار کر دیا۔ صحابہ کرام نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! انکار کس نے کیا؟ فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے (گویا خود جنت میں جانے سے) انکار کر دیا۔''

گیارھویں دلیل:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»[2]

''سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں۔''

بارھویں دلیل:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ»[1]

---

[1] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ (ح: ٧٢٨٠)

[2] صحيح البخاري، النكاح، باب الترغيب في النكاح (ح: ٥٠٦٣)، صحيح مسلم، النكاح، باب استحباب النكاح لمن تاقت نفسه إليك...... (ح: ١٤٠١)

[1] صحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة و رد محدثات الأمور (ح: ١٧١٨)

''جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا حکم نہیں تو وہ مردود ہے۔''

محدثین واصولیوں کی نظر میں حکم کی فرضیت:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کتاب وسنت جس چیز کا حکم دے وہ فرض ہو جاتا ہے، بشرطیکہ کوئی مانع اور قرینہ صارفہ آجائے، ایسی صورت میں وجوب کے لیے نہ ہوگا۔ قرآن وحدیث کے دلائل پیش کرنے کے بعد ہم بعض محدثین واصولیوں کے اقوال پیش کرتے ہیں:

١ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اَلْأَمْرُ لِلْوُجُوبِ''[1] ''امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔''

٢ خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صِيغَةُ الْأَمْرِ اقْتَضَتِ الْوُجُوبَ''[2]

''امر کا صیغہ وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔''

٣ ابو اسحاق ابراہیم بن علی شیرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''إِذَا تَجَرَّدَتْ صِيغَةُ الْأَمْرِ اقْتَضَتِ الْوُجُوبَ فِي قَوْلِ أَكْثَرِ أَصْحَابِنَا''[3]

''ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک جب امر کا صیغہ مجرد (قرینہ صارفہ کے بغیر) ہو تو وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔''

٤ علامہ شنقیطی رحمہ اللہ صیغہ امر کے بارے میں چار اقوال ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن

---

[1] إرشاد الفحول إلى تحقيق الحق من علم الأصول، ١/ ٢٤.

[2] الفقيه و المتفقه للخطيب البغدادي، ١/ ٢١٩.

[3] اللمع في أصول الفقه للشيرازي، ١/ ١٣.

﴿ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ کی بنا پر فرماتے ہیں:

"فَالتَّحْذِيرُ مِنَ الْفِتْنَةِ وَالْعَذَابِ الْأَلِيمِ فِي مَخَالَفَةِ الْأَمْرِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لِلْوُجُوبِ"[1]

"تو امر کی مخالفت میں فتنہ اور عذاب الیم سے ڈرانا دلالت کرتا ہے کہ یہ وجوب کے لیے ہے۔"

5 مرداوی فرماتے ہیں:

"(أَحْمَدُ وَأَصْحَابُهُ، وَالْأَكْثَرُ: أَمْرُ الْمُجَرَّدِ عَنْ قَرِينَةٍ حَقِيقَةٌ فِي الْوُجُوبِ). هَذَا مَذْهَبُ إِمَامِنَا وَأَصْحَابِهِ وَجَمْهُورِ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَرْبَابِ الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ وَغَيْرِهِمْ"[2]

"امام احمد رحمہ اللہ، ان کے اصحاب اور اکثر کے نزدیک قرینہ (صارفہ) سے خالی اَمر حقیقت میں وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ یہ ہمارے امام اور ان کے اصحاب اور چاروں مذاہب کے جمہور ارباب علم کا مذہب ہے۔"

6 ابوالمنذر میناوی فرماتے ہیں:

"وَقَوْلُهُ: ﴿ أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴾ [طه: ٩٣] فَهُوَ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ مَخَالَفَةَ الْأَمْرِ مَعْصِيَةٌ. وَذَلِكَ دَلِيلُ الْوُجُوبِ. وَقَوْلُهُ: ﴿ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ ﴾ [التحريم: ٦]"[3]

"اللہ تعالیٰ کا فرمان: "کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی" یہ اس

---

[1] المذكرة، ص: ١٨٩.

[2] التحبير (٥/ ٢٢٠٢)

[3] المتعصر من شرح مختصر الأصول من علم الأصول، ١/ ٧٧.

بات کی دلیل ہے کہ اُمر کی مخالفت معصیت ہے اور یہ وجوب کی دلیل ہے۔ اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ''جو اللہ انھیں حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے''۔

اس کے علاوہ بھی بہت سارے محدثین و اصولیوں نے اپنے وضع کردہ قواعد میں ذکر کیا ہے کہ صیغہ امر وجوب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ طوالت کے خدشہ سے تفصیل ذکر نہیں کر رہا۔[1]

اب آتے ہیں اصل بات کی طرف۔ قرآنِ مجید، احادیثِ رسول نیز محدثین و اصولیوں کے وضع کردہ قواعد سے یہ بات واضح ہوئی کہ امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ انکار کرنے والے کے لیے عذاب وعتاب ہے۔

اب دیکھتے ہیں داڑھی والی احادیث کے صیغوں کی طرف:

''أوفوا، وأرخوا، ووفروا، وأعفوا''

یہ تمام کے تمام امر کے صیغے ہیں، جن میں داڑھی کو پورا کرنے کا حکم، داڑھی لٹکانے کا حکم، داڑھی لمبا کرنے کا حکم، داڑھی وافر کرنے کا حکم اور داڑھی بڑھانے کا حکم ہے۔ تمام الفاظ کو دیکھ کر ان کا مجموعی معنی داڑھی کو بالکل چھوڑ دینا، نہ کاٹنا، نہ کٹوانا، معاف کرنا اور حال پر چھوڑ دینا ہے۔

اب بتائیے! جو بندہ ان تمام الفاظ کے صحیح معنی جان لینے کے بعد بھی

[1] مزید تفصیل کے لیے درج ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں: المنار مع شرحه نور الأنوار (ص: ٢٣٠)، التوضيح مع شرحه التلويح (١/ ١٥٣)، أصول السرخسي (ص: ١٥٨)، أصول البزدوي (ص: ٢١)، شرح المنار لابن مالك مع حواشي للهاوي وعزمي وابن الحطبي (ص: ١٢٠)، الحسامي (ص: ٤٠)، التحرير لابن الهمام (ص: ١٢٩)، التحبير شرح التحرير (ص: ٢٤١) وغيرهم

ایک مشت کے بعد داڑھی کٹا دیتا ہے تو کیا وہ رسول اللہ ﷺ کے صریح قول کی خلاف ورزی کرنے والا نہیں......؟؟؟ اور کیا اس سے اس بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا......؟؟؟ اور پھر کیا یہ داڑھی کٹانا مجوسیوں کے ساتھ مشابہت نہیں......؟؟؟ یہ اور ان جیسے ملتے جلتے سوالات کے جوابات جان لیں، پھر بات سمجھ میں آجائے گی......!!!

سوال 3

کامل ترکِ لحیہ پر دلالت کرنے والے الفاظ کی لغوی تشریح

داڑھی کے بارے میں جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں، سب کا معنی قریب قریب ہے اور وہ چار الفاظ ہیں:

"أوفوا، وأرخوا، ووفروا، و أعفوا"

ان سب الفاظ کا لغوی معنی، داڑھیوں کو ان کے حال پر چھوڑنا، مکمل طور پر بڑھانا اور ان کی طبعی حالت پر باقی رکھنا کے ہیں، اور یہ چاروں الفاظ روایات میں اسی طرح وارد ہوئے ہیں۔

ان سب الفاظ کا معنی قریب قریب ہے، اگر ہم لغت کی کتابوں پر غور وفکر کرتے ہیں تو یہ سب الفاظ داڑھیوں کو ان کے حال پر چھوڑنے کا معنی رکھتے ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلا لفظ:

"أوفوا" ایفاء کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں "پورا کرنا"، اور مجرد سے یہ "پورا ہونا" کے معنی میں آتا ہے:

"أَوْفَيْتُهُ أَنَا أَيْ أَتْمَمْتُهُ ......وَفَى الشَّيْءُ أَيْ تَمَّ وَكَثُرَ"

"أوفيته أنا یعنی میں نے اُسے پورا کیا...... وفي الشيئ یعنی وہ پوری ہوئی اور زیادہ ہوئی۔" [1]

[1] تاج العروس، ٤٠/ ٢١٩.

① امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا أَوْفُوا فَهُوَ بِمَعْنَى أَعْفُوا أَيِ اتْرُكُوهَا وَافِيَةً كَامِلَةً لَا تَقُصُّوهَا“[1]

”أوفوا بمعنی ”أعفوا“ ہے۔ یعنی اسے وافر، کامل چھوڑ دو، اس سے کچھ بھی نہ کاٹو۔“

② حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے اس کے معنی اس طرح بیان کیے ہیں:

”أَوْفُوا أَيِ اتْرُكُوهَا وَافِيَةً“[2] ”داڑھی کو چھوڑ دو کہ وہ پوری ہو۔“

③ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ أَوْفُوا الْكَيْلَ ﴾ [سورة الشعراء:١٨١] ”ماپ پورا کرو۔“

④ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ ﴾ [هود: ٨٤]

”اور تم ماپ تول میں کمی نہ کرو۔“

”أَوْفُوْا“ بمعنی ”أَتِمُوْهُ“ (ماپ پورا کرو)، یہ نقص اور کمی کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔

معلوم ہوا کہ ”أَوْفُوْا“ کے معنی اتمام کے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ لفظ وحکم اس چیز میں نقص اور کمی کو بھی قبول نہیں کرتا، جیسا کہ قرآن مجید کی واضح نصوص سے ثابت ہوگیا ہے۔ اس لیے داڑھی کو ایک حد تک بڑھانا ہی مقصود نہیں، بلکہ اس کے پورا ہونے، بڑھانے اور توفیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی یا نقص بھی نہ ہو۔

---

[1] شرح النووي على مسلم، ٣/ ١٥١.

[2] فتح الباري، ١٠/ ٣٥٠.

دوسرا لفظ:

"أَرْخُوا" جس کے معنی لٹکانا کے ہیں۔ صاحب تاج العروس رقم طراز ہیں:

"وَأَرْخَى السِّتْرَ أَسْدَلَهُ"[1] "اس نے پردہ لٹکایا۔"

① جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أَرْخُوا اللُّحَى، فِي رِوَايَةِ الْأَكْثَرِ: أَيِ اتْرُكُوهَا وَلَا تَتَعَرَّضُوا لَهَا"[2]

"أرخوا اللحى: اکثر کے نزدیک (اس کا معنی یہ ہے کہ) اسے چھوڑ دو اور کانٹ چھانٹ نہ کرو۔"

② امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"(وَأَرْخُوا اللُّحَى): مَعْنَاهُ اُتْرُكُوا وَلَا تَتَعَرَّضُوا لَهَا بِتَغْيِيرٍ"[3]

"ارخوا اللحى: اس کا معنی یہ ہے کہ اسے ترک کردو اور کوئی کمی بیشی نہ کرو۔"

نیز اس لفظ کا یہ بھی تقاضا ہے کہ داڑھی کو لپیٹا نہ جائے۔ جب داڑھی کو لپیٹنا جائز نہیں تو کٹوانا کیسے جائز ہوگا......؟

تیسرا لفظ:

"وَفِّرُوا" بولا گیا ہے جس کے معنی ہیں: داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑنا۔

① ابن فارس فرماتے ہیں:

"(وَفِّرُوا): كَلِمَةٌ تَدُلُّ عَلَى كَثْرَةٍ وَتَمَامٍ"[4]

---

[1] تاج العروس، ١٢/ ٤٣٥.

[2] شرح السيوطي على مسلم، ٢/ ٣٨.

[3] نيل الأوطار، ١/ ١٤٩.

[4] مقاييس اللغة، ٦/ ١٢٩.

''یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو کثرت اور تمام (بغیر کانٹ چھانٹ کیے مکمل) پر دلالت کرتا ہے۔''

② صاحب قاموس فرماتے ہیں:

''وَفَّرَهُ تَوْفِيراً: كَثَّرَهُ''[1]

''وفره توفیراً: یعنی اس نے اسے بہت زیادہ کیا۔''

③ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَفِّرُوا فَهُوَ بِتَشْدِيدِ الْفَاءِ مِنَ التَّوْفِيرِ وَهُوَ الْإِبْقَاءُ أَيِ اتْرُكُوهَا وَافِرَةً''[2]

''وفروا: فاء کی تشدید کے ساتھ التوفیر سے ہے، اور وہ باقی رکھنا ہے یعنی انھیں چھوڑ دو کہ وہ بڑھیں۔''

④ صاحب عمدۃ القاری فرماتے ہیں:

''(وَفِّرُوا): بِتَشْدِيدِ الْفَاءِ، أَمْرٌ مِنَ التَّوْفِيرِ وَهُوَ الْإِبْقَاءُ أَيْ: اُتْرُكُوهَا مُوَفَّرَةً''[3]

''وفروا: فاء کی تشدید کے ساتھ۔ وافر کرنے کا حکم ہے اور وہ باقی رکھنا ہے یعنی انھیں بڑھائی ہوئی چھوڑ دو۔''

⑤ علامہ زین الدین محمد مناوی فرماتے ہیں:

''وَفِّرُوا اللُّحَى: أَيْ لَا تَأْخُذُوا مِنْهَا شَيْئاً''[4]

---

① القاموس المحيط، ١/ ٤٩٣.

② فتح الباري، ١٠/ ٣٥٠.

③ عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ٢٢/ ٤٦.

④ فيض القدير، ٦/ ٣٦٣ (رقم: ٩٦٢٥)

"وفروا اللحی: یعنی ان (داڑھیوں) سے کچھ بھی نہ کاٹو۔"

⑥ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَفِّرُوا اللُّحى وَفِي رِوَايَةٍ أُخْرَى لِمُسْلِمٍ: أَوْفُوا اللُّحى وَهُوَ بِمَعْنَاهُ وَكَانَ مِنْ عَادَةِ الْفُرْسِ قَصُّ اللِّحْيَةِ فَنَهَى الشَّارِعُ عَنْ ذٰلِكَ وَأَمَرَ بِإِعْفَائِهَا" [1]

"وفروا اللحی: اور مسلم کی دوسری روایت میں أوفوا اللحی ہے، اور یہ اسی معنی میں ہے۔ اور داڑھی کاٹنا مجوسیوں کی عادت تھی تو شارع نے اس کام سے منع کر دیا اور بڑھانے کا حکم دیا۔"

⑦ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَفِّرُوا اللُّحى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ يَعْنِي أَرْخُوا اللُّحى لَا تَقُصُّوهَا وَلَا تَحْلِقُوهَا" [2]

"وفروا اللحی وأحفوا الشوارب: یعنی داڑھیوں کو لٹکاؤ، نہ ان کو کاٹو اور نہ مونڈھو۔"

⑧ محمد علی بن محمد الشافعی اپنی شرح میں لکھتے ہیں:

"(وَفِّرُوا اللُّحى): حَصَلَ مِنْ مَجْمُوعِ رِوَايَاتِ هٰذَا اللَّفْظِ فِي الصَّحِيحَيْنِ خَمْسُ رِوَايَاتٍ: أَعْفُوا وَأَوْفُوا وَأَرْخُوا وَأَرْجُوا وَوَفِّرُوا وَمَعْنَاهَا كُلُّهَا تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا هٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنَ الْحَدِيثِ الَّذِي تَقْتَضِيهِ أَلْفَاظُهُ وَهُوَ الَّذِي قَالَهُ جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ" [3]

---

① نیل الأوطار، ۱/ ۱۴۳.

② شرح ریاض الصالحین، ۵/ ۲۸۴.

③ دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، ۶/ ۶۶۶.

”وفروا اللحی: تو اس طرح پانچ روایات ہوئیں: أعفوا وأوفوا وأرخوا وأرجوا ووفروا، ان تمام الفاظ وروایات کے معنی یہ ہیں کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، حدیث کے ظاہری الفاظ کا یہی تقاضا ہے، ہمارے اصحاب (شوافع) میں سے ایک جماعت اور دیگر علماء کا بھی یہی قول ہے۔“

⑨ عیاض بن موسیٰ بن عیاض فرماتے ہیں:

”وَفِّرُوا اللُّحٰی أَيْ لَا تَنْقُصُوْهَا وَتَقُصُّوْهَا كَمَا سَنَّ لَكُمْ فِي الشَّوَارِبِ“[1]

”وفروا اللحی: یعنی نہ ان میں کمی کرو اور نہ انھیں کاٹو جیسے اس نے مونچھوں کے بارے میں (کاٹنے کا) طریقہ بتایا ہے۔“

محدثین اور اہلِ لغت کی زبانی معلوم ہوا کہ ”وفروا“ کے معنی زیادہ کرنے کے ہیں۔ اگر ایک مشت کے بعد داڑھی کو کٹاتے رہیں تو داڑھی زیادہ کیسے ہوگی......؟؟

اس لیے ہمیں وہی معنی ومفہوم لینا چاہیے جو کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور کبار محدثین وغیرہ نے لیا ہے۔

چوتھا لفظ:

”إِعْفَاء“ اس کے معنی بھی کثرت اور توفیر کے ہیں۔

① ابن دقیق العید اعفاء کے معنی یوں لکھتے ہیں:

”تَفْسِيرُ الْإِعْفَاءِ بِالتَّكْثِيرِ مِنْ إِقَامَةِ السَّبَبِ مَقَامَ الْمُسَبَّبِ لِأَنَّ

[1] مشارق الأنوار علی صحاح الآثار، ۲/ ۲۹۲.

حَقِيقَةَ الْإِعْفَاءِ التَّرْكُ وَتَرْكُ التَّعَرُّضِ لِلِّحْيَةِ يَسْتَلْزِمُ تَكْثِيرَهَا"[1]

"بہت اور زیادہ کرنے کی اعفاء سے تفسیر سبب کو مسبب کے مقام پر رکھنے کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ اعفاء کی (اصل) حقیقت ترک کرنا ہے، جبکہ داڑھی سے تعرض (اس کی کانٹ چھانٹ) نہ کرنا اس کی تکثیر اور کثرت و بہتات کو مستلزم ہے۔"

2. امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"يُقَالُ عَفَا الشَّيْئُ إِذَا كَثُرَ وَزَادَ"[2]

"عفاء الشيئ تب کہتے ہیں جب وہ بڑھ جائے اور زیادہ ہو جائے۔"

3. شارح بخاری امام ابن بطال فرماتے ہیں:

"اس کا معنی تکثیر اللحیۃ ہے۔"[3]

اور تکثیر تب ہی ممکن ہے جب داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑا جائے اگر کاٹتے ہی جائیں تو تقصیر ہو گی، بصورت دیگر تکثیر۔

4. شارح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَفِّرُوا: وَهُوَ الْإِبْقَاءُ أَيِ اتْرُكُوهَا وَافِرَةً"[4]

"وفروا: توفیر کا معنی باقی رکھنا ہے، یعنی داڑھی کو وافر مقدار میں باقی رکھو۔"

5. شارح مشکوۃ شرف الدین الطیبی فرماتے ہیں:

---

[1] فتح الباري، ١٠/ ٣٥١.

[2] المفهم، ٥١٢/١.

[2] شرح ابن بطال، ٩/ ١٤٦.

[4] فتح الباري، ١٠/ ٣٥٠.

"فَالْمُرَادُ بِالإعْفَاءِ التَّوفِيرُ مِنْهُ، كَمَا فِي الرِّوَايَةِ الأُخْرَى وَفِّرُوا اللِّحَى"[1]

"یہاں اعفاء کے معنی توفیر یعنی کثرت (نہ کاٹنا) کے ہیں، جیسا کہ دوسری روایت "وَفِّرُوا اللِّحَى" میں یہ وضاحت موجود ہے۔"

6 احمد بن محمد بن علی الحموی فرماتے ہیں:

"عَفَوْتُ الشَّعْرَ أَعْفُوهُ عَفْوًا وَعَفَيْتُهُ أَعْفِيهِ عَفْيًا تَرَكْتُهُ حَتَّى يَكْثُرَ وَيَطُولَ وَمِنْهُ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَ أَعْفُوا اللِّحَى يَجُوزُ اسْتِعْمَالُهُ ثُلَاثِيًّا وَرُبَاعِيًّا"[2]

"یعنی مذکورہ الفاظ اس وقت بولے جاتے ہیں جب بالوں کو چھوڑ دیا جائے (یعنی ان کی حالت پر ترک کردیا جائے) یہاں تک کہ زیادہ اور لمبے ہو جائیں (یا زیادہ لمبے ہوتے جائیں) حدیث میں مذکور لفظ "أَعْفُوْ اللُّحى" کے یہی معنی ہیں۔ "أَعْفُوا" کو ثلاثی اور رباعی دونوں ابواب سے پڑھنا جائز ہے۔"

7 امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أَوْفُوا فَهُوَ بِمَعْنَى أَعْفُوا أَيِ اتْرُكُوهَا وَافِيَةً كَامِلَةً لَا تَقُصُّوهَا"[3]

"أوفوا: یہ أعفوا کے معنی میں ہے، یعنی انھیں وافر و کامل طور پر ترک کردو، اسے نہ کاٹو۔"

8 ابو ہلال حسن بن عبداللہ عسکری فرماتے ہیں:

---

1. الكاشف عن حقائق السنن، ٩/ ٢٩٣٠.
2. المصباح المنير، ١/ ٣٤١.
3. شرح النووي على مسلم، ٣/ ١٥١.

”أَعْفُوا اللُّحى أَيِ اتْرُكُوهَا حَتَّى تَطُولَ وَمِنه الْعَفْوُ عَنِ الذَّنْبِ وَهُوَ تَرْكُ الْمُعَاقَبَةِ عَلَيْهِ“ [1]

”أعفوا اللحى: یعنی انھیں چھوڑ دو حتی کہ لمبی ہو جائیں، اور اسی سے ”العفو عن الذنب“ ہے اور وہ اس پر سزا کو ترک کرنا ہے۔“

9 زین الدین محمد المناوی فرماتے ہیں:

”اَلْإِعْفَاءُ بِمَعْنَى التَّرْكِ“ [2] ”اعفاء: ترک کے معنی میں ہے۔“

محمد علی بن محمد الشافعی فرماتے ہیں:

”وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ مَعْنَاهُ: تَوْفِيرُهَا أَيْ: لَا يَقُصُّ مِنْهَا شَيْئًا“ [3]

”إعفاء اللحية: اس کا معنی وافر کرنا ہے، یعنی اس سے کچھ بھی نہ کاٹے۔“

مادۂ ”عفو“ کی مزید وضاحت:

1 علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مادہ عفو دو معنوں پر دلالت کرتا ہے:

1 ”ترك الشيئ“ یعنی کسی چیز کو ترک کر دینا۔

”عفوا الله عن خلقه“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا بندوں کو ترک کر دینا، اور ان کا مؤاخذہ نہ کرنا ہے۔

”عفا ظهر البعير“ اس وقت بولتے ہیں، جب اونٹ ترک کر دیا جائے اور اس پر سواری نہ کی جائے۔

---

1 الفروق اللغوية للعسكري، ١/ ١٠٩.

2 فيض القدير شرح الجامع الصحيح، ١/ ١٩٨ (رقم: ٢٦٨).

3 دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ٦/ ٦٦٦.

"عفو المال" یعنی مال کا زائد یا زائد مال، اسے عفو اس لیے کہا ہے، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہوتی، لہٰذا ترک کر دیا جاتا ہے۔

بہر حال "أعفوا" کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی کو ترک کر دو اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو، نتیجہ یہ ہوگا کہ زیادہ ہوگی اور لمبی بھی ہوتی جائے گی۔

② "طالب الشیئ": جو پرندے رزق کی تلاش میں نکلتے ہیں۔

ہمارا محل استشہاد پہلا معنی ہے۔

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

"هُوَ أَنْ يُوفِّرَ شَعْرَهَا وَلَا يَقُصَّ كَالشَّوارِبِ، مِنْ عَفَا الشيءُ إِذَا كَثُرَ وَزَادَ. يُقَالُ: أَعْفَيْتُهُ وعَفَّيْتُهُ"[1]

"داڑھی کے بالوں کو بڑھائے اور مونچھوں کی طرح نہ کاٹے، یہ "عفاء الشیئ" سے ماخوذ ہے، جب کوئی چیز بکثرت اور زیادہ ہو، "أعْفَيْتُهُ" اور "عَفَّيْتُ"، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔"

یعنی لغوی تقاضے کی روشنی میں بالوں کی کثرت و بہتات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قص، یعنی داڑھی کی تراش خراش بھی نہ ہو۔

② ابن فارس "عَفَوْتُ الشَّعَرَ وَعَفَيْتُهُ" کے معنی میں لکھتے ہیں:

"وَذَلِكَ إِذَا تَرَكْتَهُ حَتَّى يَكْثُرَ وَيَطُولَ"

"یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو اسے چھوڑ دے، یہاں تک کہ وہ زیادہ اور لمبا ہو جائے۔"

③ علامہ شمس الدین عظیم آبادی فرماتے ہیں:

[1] نهاية في غريب الحديث، ٣/ ٢٦٥ـ ٢٦٦.

"إِعْفَاءُ اللُّحَى: هُوَ إِرْسَالُهَا وَتَوْفِيرُهَا"[1]

"إعفاء اللحى: اس کا معنی ارسال وتوفیر ہے۔"

④ علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"أَعْفُوا اللُّحَى... وَالْمُرَادُ تَوْفِيرُ اللِّحْيَةِ خِلَافَ عَادَةِ الْفُرْسِ مِنْ قَصِّهَا أَوْفُوا اللُّحَى هُوَ بِمَعْنٰى أَعْفُوا أَيِ اتْرُكُوهَا وَافِيَةً كَامِلَةً لَا تَنْقُصُوهَا"[2]

"أَعْفُوْا اللُّحَى سے مراد داڑھی کو بڑھانا ہے، پارسیوں کی عادت کے خلاف، کیونکہ وہ اسے کاٹتے تھے، اور "أَوْفُوا اللُّحَى" بھی أعفوا کے معنی میں ہے، یعنی اسے اس کی پوری اور کامل حالت پر چھوڑ دو، اسے کم نہ کرو۔"

⑤ علامہ زمخشری فرماتے ہیں:

"اَلْعَافِي: الطَّوِيلُ الشَّعْرِ مِنْ عَفَا وبر الْبَعِير إِذا طَالَ وَوَفَرَ. وَمِنْه: وَأَنْ تُعْفَى اللِّحَى"[3]

"العافی کے معنی ہیں طویل اور لمبے بالوں والا، عفا وبر البعیر سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہتے ہیں جب اونٹ کے بال لمبے اور وافر ہو جائیں اور اعفاء اللحی بھی اسی سے ماخوذ ہے۔"

⑥ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا موقف:

"إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ: وَهُوَ بِمَعْنَى التَّرْكِ"[4]

---

① عون المعبود، تحت رقم الحديث: ٥٣.
② الديباج شرح مسلم، ٢/ ٣٨.
③ الفائق في غريب الحديث، ٢/ ٢٧١.
④ فتح الباري، تحت رقم الحديث: ٥٨٩٢.

''اعفاء اللحیہ کے معنی ترک کرنا ہے۔''

⑦ علامہ عینی کا موقف:

''اعفاء'' بمعنی ترک ہی ہے۔ یعنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑنا۔[1]

⑧ علامہ شہاب الدین ابن ارسلان کا رجحان: ابو داود کی شرح میں لکھتے ہیں:

''وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ (بِالْمَدِّ) وَهُوَ تَوْفِيرُهَا وَتَرْكُهَا بِحَالِهَا وَلَا يَقُصُّ مِنْهَا وَلَا يَأْخُذُ شَيْئاً كَعَادَةِ الْكُفَّارِ الْقَلَنْدَرِيَّةِ''[2]

''اعفاء اللحیہ (مدّ کے ساتھ) سے مراد داڑھی کو بڑھانا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہے، اس طرح کہ اس میں سے نہ کچھ کاٹے اور نہ کچھ لے، جیسا کہ کفار اور قلندریہ (گروہ) کی عادت ہے۔''

⑨ امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق:

''وَأَمَّا أَوْفُوا أَيِ اتْرُكُوهَا وَافِيَةً كَامِلَةً لَا تَقُصُّوهَا''

''أوفوا، أعفوا کے معنی میں ہی ہے، معنی یہ ہے کہ اسے پوری اور کامل حالت میں چھوڑ دو، اسے کاٹو نہیں (کترا ؤ نہیں)۔''

مزید لکھتے ہیں:

''فَحَصَلَ خَمْسُ رِوَايَاتٍ أَعْفُوا وَأَوْفُوا وَأَرْخُوا وَأَرْجُوا وَوَفِّرُوا وَمَعْنَاهَا كُلُّهَا تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنَ الْحَدِيثِ الَّذِي تَقْتَضِيهِ أَلْفَاظُهُ وَهُوَ الَّذِي قَالَهُ جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْمُخْتَارُ تَرْكُ اللِّحْيَةِ عَلَى حَالِهَا''[3]

---

① عمدة القاري، تحت رقم الحديث: ٥٨٩٢.

② إعفاء اللحى، بحوالہ: اسلام میں داڑھی کا مقام، (ص: ١٣)

③ شرح النووي على مسلم، ٣/ ١٥١.

"تو اس طرح پانچ روایات ہوئیں: أعفوا، أوفوا، أرخوا، أرجوا و وفروا، ان تمام الفاظ و روایات کے معنی یہ ہیں کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا ہے، حدیث کے ظاہری الفاظ کا یہی تقاضا ہے، ہمارے اصحاب (شوافع) میں سے ایک جماعت اور دیگر علماء کا بھی یہی قول ہے۔ اور پسندیدہ بات یہی ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔"

⑩ امام نووی رحمہ اللہ قاضی عیاض (جو ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے قائل تھے) کے موقف کے تعاقب میں لکھتے ہیں:

"بِأَنَّهُ خِلَافُ ظَاهِرِ الْخَبَرِ فِي الْأَمْرِ بِتَوْفِيرِهَا، قَالَ: وَالْمُخْتَارُ تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا وَأَنْ لَا يُتَعَرَّضَ لَهَا بِتَغْيِيرٍ وَلَا غَيْرِهِ"[1]

"یہ موقف حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ اس میں داڑھی کی توفیر کا حکم ہے، پھر نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: مختار اور پسندیدہ بات اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور تراش خراش نہ کی جائے۔"

⑪ علامہ مناوی رحمہ اللہ کا رجحان:

"اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ أَيْ إِكْثَارُهَا بِلَا نَقْصٍ وَالْمُرَادُ عَدَمُ التَّعَرُّضِ لَهَا بِشَيْئٍ"[2]

"إعفاء اللحية کا مطلب ہے داڑھی کا زیادہ کرنا بغیر کسی نقص اور گھٹانے کے، مراد یہ ہے کہ اس میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔"

---

① شرح النووي على مسلم، ٣/١٥١، تحفة الأحوذي، تحت رقم الحديث: ٢٧٦٣.
② فيض القدير، ٤/ ٣١٦.

⑫ ابن منظور محمد بن مکرم کا نظریہ:

"عَفَا النَّبتُ والشَّعرُ وَغَيرُهُ يَعْفُو فَهُوَ عَافٍ. كثُرَ وَطَالَ. وَفِي الْحَدِيثِ: أَنَّهُ ﷺ أَمَرَ بِإِعْفَاءِ اللِّحَى؛ هُوَ أَن يُوَفَّرَ شَعْرُهَا ويُكَثَّرَ وَلَا يُقَصَّ كَالشَّوارِبِ، مِنْ عَفَا الشَّيْءُ إِذَا كَثُرَ وَزَادَ" [1]

"لغت عرب میں عفا النبت یا عفا الشعر وغیرہ استعمال ہیں، یعفو اس کا مضارع ہے، اور "عاف" اسم فاعل ہے، معنی جڑی بوٹی اور بالوں کا بکثرت اور طویل ہونا یا ہوتے چلے جانا ہے۔ حدیث پاک میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے اعفاء اللحیة کا حکم دیا ہے۔ اس کا معنی ہے کہ داڑھی کے بال بڑھائے جائیں اور زیادہ کیے جائیں، اور انھیں مونچھوں کی طرح کاٹا نہ جائے، یہ اعفاء الشئی سے ماخوذ ہے، بمعنی کسی چیز کا کثیر اور زیادہ ہونا ہیں۔"

⑬ علامہ عبدالمحسن العباد ﷾ کا رجحان:

ابوداود کی شرح میں لکھتے ہیں:

"إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ: تَرْكُهَا مُوَفَّرَةً لَا يَتَعَرَّضُ لَهَا بِحَلْقٍ وَلَا بِتَقْصِيرٍ، لَا بِقَلِيلٍ وَلَا بِكَثِيرٍ، لِأَنَّ الْإِعْفَاءَ مَأْخُوذٌ مِنَ الْكَثْرَةِ أَوِ التَّوْفِيرِ، فَأَعْفُوهَا وَكَثِّرُوهَا"

"إعفاء اللحية سے مراد یہ ہے کہ اسے زیادہ اور وافر حالت میں ترک کر دینا کہ اسے نہ مونڈا جائے اور نہ ہی کاٹا جائے، نہ تھوڑی سی اور نہ ہی بہت زیادہ، اس لیے کہ اعفاء کے معنی کثرت یا بڑھانے کے ہیں، لہٰذا اسے بڑھاؤ اور زیادہ کرو۔"

[1] لسان العرب، ۱۵/ ۷۵.

آگے لکھتے ہیں کہ داڑھی بڑھانے کا حکم مختلف الفاظ کے ساتھ آیا ہے، جیسے بلفظ:

«وَفِّرُوا، أَرْخُوا، أَعْفُوا، وَكُلُّهَا تَدُلُّ عَلَى الْأَمْرِ بِإِبْقَاءِ وَتَوفِيرِهَا وَعَدَمِ التَّعَرُّضِ لَهَا»

''یہ تمام الفاظ داڑھی کو باقی رکھنے، اسے وافر کرنے اور اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کے حکم پر دلالت کرتے ہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:

''وَهِيَ أَلْفَاظٌ مُخْتَلِفَةٌ مُتَنَوِّعَةٌ كُلُّهَا تَدُلُّ عَلَى إِبْقَائِهَا وَتَرْكِهَا''[1]

''یہ مختلف اور متنوع الفاظ ہیں، جو سب داڑھی کو باقی رکھنے اور اسے چھوڑ دینے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔''

⑭ محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''أَلْإِعْفَاءُ: وَهُوَ التَّرْكُ، وَقَدْ حَصَلَ مِنْ مَجْمُوعِ الْأَحَادِيثِ خَمْسُ رِوَايَاتٍ: (أَعْفُوا، أَوْفُوا، أَرْخُوا، أَرْجُوا، وَفِّرُوا) وَمَعْنَاهَا كُلُّهَا تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا''[2]

''الاعفاء: اس کا معنی (داڑھی کو اس کے حال پر) چھوڑنا ہے۔ تمام احادیث سے پانچ روایتیں حاصل ہوئی ہیں: أعفوا، أوفوا، أرخوا، أرجوا اور وفروا۔ اور ان سب کا معنی ان کے حال پر چھوڑنا ہے۔''

⑮ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''إِعْفَاءُ اللُّحَى: وَهُوَ التَّوفِيرُ وَالتَّكْثِيرُ...... أَيْ اتْرُكُوهَا وَافِرَةً

---

① شرح سنن أبي داود، تحت رقم الحديث: ٥٣.

② تحفة الأحوذي، تحت رقم الحديث: ٢٧٦٣.

كَثِيرَةً وَذَلِكَ بِأَنْ لَا تَقُصُّوهَا"[1]

"إعفاء اللحية کا معنی توفیر و تکثیر کے ہیں، یعنی اسے ترک کر دو اس حال میں کہ یہ وافر اور کثیر ہو جائے، اور اس طرح کہ تم اس میں قص نہ کرو، یعنی کٹاؤ نہیں۔"

(۱۶) امام ابو عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ أَنْ تُوَفَّرَ حَتَّى تَكْبُرَ، يُقَالُ عَفَا الشَّعْرُ إِذَا كَبُرَ وَزَادَ"[2]

"إعفاء اللحية یہ ہے کہ اسے بڑھایا جائے، یہاں تک کہ وہ بڑی ہو جائے، کہا جاتا ہے: "عفا الشعر" جب بال لمبے اور زیادہ ہو جائیں۔"

(۱۷) الشیخ ابو محمد بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"فَالْحَلْقُ أَوِ الْقَصُّ أَوِ الْأَخْذُ مِنْ شَعْرِهَا مِنَ الْأَسْفَلِ أَوِ الْأَعْلَى خِلَافَ الْأَمْرِ الْوَارِدِ فِي الْحَدِيثِ بِإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ وَتَوْفِيرِهَا"[3]

"لہٰذا مونڈنا یا کاٹنا یا نیچے یا اوپر سے اُس کے بال لینا حدیث شریف کے اس حکم کے خلاف ہے جس میں داڑھی چھوڑنے اور بڑھانے کا حکم آیا ہے۔"

(۱۸) حافظ عبد المنان نور پوری رحمہ اللہ وجوب ترکِ لحیہ پر دلالت کرنے والے پانچ الفاظ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"داڑھی جس طرح آتی ہے اسی طرح بڑھنے دو۔ چھیڑ چھاڑ ان سے

---

(1) منة المنعم، ١/ ٢٠٢.

(2) نهاية غريب الحديث، ١/ ١٤٨.

(3) مقالات راشديه، ٨/ ٢٢٢.

نہیں کرنی۔ دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ نہ داڑھی کے بال کاٹنے ہیں نہ داڑھی کے بال مونڈنے اور منڈوانے ہیں اور نہ اکھیڑنے ہیں۔ اپنی حالت پر ان کو رہنے دو۔ رسول اللہ ﷺ نے پانچوں الفاظ استعمال کیے ہیں یہ اس چیز پر دلالت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم ہے کہ مونچھیں کٹاؤ، داڑھیاں بڑھاؤ، ان کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔"[1]

(۱۹) مولانا داود راز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"صحیح بات یہ ہے کہ داڑھی کے بال بالکل نہ کاٹے جائیں۔"[2]

(۲۰) شارح سنن النسائی حافظ محمد امین حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"داڑھی رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے مونچھوں کی طرح کاٹا نہ جائے، کیوں کہ داڑھی مرد کی خصوصیت ہے۔ اور اسے مونڈنا یا کاٹنا عورتوں کی مشابہت ہے اور یہ حرام ہے۔"[3]

(۲۱) صاحبِ "کشف المشکل" فرماتے ہیں:

"وَأَمَّا إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ فَهُوَ تَوْفِيرُهَا وَتَكْبِيرُهَا"[4]

"إعفاء اللحية: وافر کرنا اور بڑا کرنا ہے۔"

(۲۲) علامہ خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَأَمَّا إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ فَهُوَ إِرْسَالُهَا وَتَوْفِيرُهَا كَرِهَ لَنَا أَنْ نَقُصَّهَا كَفِعْلِ بَعْضِ الْأَعَاجِمِ"[5]

---

1. مقالاتِ نورپوری، ۱/ ۲۵۲.
2. صحيح البخاري مترجم، ۱/ ۴۰۰.
3. سنن النسائي مترجم، ۱/ ۹۷.
4. كشف المشكل، ۲/ ۵۱۹ (ح: ۱۰۸۹)
5. معالم السنن، ۱/ ۳۱.

''اور رہا ''اعفاء اللحیة'': تو وہ اسے چھوڑ دینا اور اسے بڑھانا ہے، بعض عجمیوں کے فعل کی طرح ہمارے لیے اسے کاٹنا ناپسند کیا گیا ہے۔''

(۲۳) حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَهُوَ تَوْفِيرُ شَعْرِهَا وَتَكْثِيرُهُ وَأَنَّهُ لَا يَأْخُذُ مِنْهُ كَالشَّارِبِ''

''إعفاء اللحية: اور وہ اس کے بالوں کو وافر کرنا اور بڑھانا ہے، اور مونچھوں کی طرح اس سے کچھ نہ کاٹے۔''

(۲۴) علامہ فیصل مبارک رحمہ اللہ کی توضیح:

''إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ مَعْنَاهُ: لَا يَقُصُّ مِنْهَا شَيْئاً''[2]

''إعفاء اللحية کا معنی یہ ہے کہ اس (داڑھی) سے کچھ بھی نہ کاٹے۔''

(۲۵) علامہ ابن ابی نصر حمیدی رحمہ اللہ کی وضاحت:

''إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ: تَوْفِيرُهَا وَتَكْثِيرُهَا يُقَالُ عَفَا الشَّعْرُ إِذَا كَثُرَ وَزَادَ وَأَعْفَيْتُهُ أَيْ تَرَكْتُهُ''[3]

''إعفاء اللحية: داڑھی کو وافر کرنا اور زیادہ کرنا ہے۔ اور عفا الشعر اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ (بال) بڑھ جائیں اور زیادہ ہو جائیں اور ''أعفیته''، یعنی میں نے اسے (کاٹنا) چھوڑ دیا۔''

(۲۶) ناصر بن عبدالسید المطرزی کی عبارت:

---

(1) طرح التثريب في شرح التقريب، ۲/ ۸۳.

(2) تطريز رياض الصالحين، ۱/ ۶۷۶ (رقم: ۱۲۰۵) .

(3) تفسير غريب ما في الصحيحين البخاري و مسلم، ۱/ ۱۹۰.

"إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَهُوَ تَرْكُ قَطْعِهَا"[1]

"إعفاء اللحية کا مطلب داڑھی کو نہ کاٹنا ہے۔"

مندرجہ بالا دلائل، ماہرین لغت اور شارحین حدیث کے اقوال وتوضیحات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اعفاء کا معنی داڑھی کو معاف کرنا، اس کے حال پر چھوڑنا، بالکل کانٹ چھانٹ نہ کرنا ہے۔ اگر ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹی جائے تو یہ فعل "بڑھانے" کے خلاف ہے، جب ہم داڑھی کو کاٹتے ہی رہیں گے تو داڑھی کیسے بڑھے گی......؟ اس لیے اس کے وہی معنی معتبر مانے جائیں گے جن کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعینِ عظام، تبع تابعینِ عظام، محدثینِ کرام، ائمہ دین اور شارحینِ حدیث رحمہم اللہ نے درست قرار دیا ہے۔

[1] المغرب في ترتيب المعرب، ١/ ٣٢١.

فصل 4

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک

اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی تھی ، اور اس بات میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کی داڑھی نہ زیادہ لمبی تھی اور نہ ہی زیادہ چھوٹی، رسول اللہ ﷺ نے داڑھی کو معاف کرنے کیا حکم دیا، خود رسول اللہ ﷺ اس بات پر زیادہ عمل کرنے والے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں داڑھی کا ایک بال بھی نہیں کٹوایا۔

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کے حوالے سے چند گزارشات پیش خدمت ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی موجود تھی:

چونکہ رسول اللہ ﷺ خود داڑھی رکھنے کا حکم دینے والے تھے، اس لیے آپ اس بات پر پہلے عمل کرنے والے تھے، ہم اس کے چند دلائل ذکر کرتے ہیں:

پہلی دلیل:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"كَانَ إِذَا تَوَضَّأَ، أَخَذَ كَفًّا مِنْ مَاءٍ فَأَدْخَلَهُ تَحْتَ حَنَكِهِ فَخَلَّلَ بِهِ لِحْيَتَهُ"[1]

"جب رسول اللہ ﷺ وضو کرتے، تو پانی سے ایک چلو لیتے اور اسے

[1] سنن أبي داود، الطهارة، باب تخليل اللحية (ح: ١٤٥) صحيح.

اپنی ٹھوڑی کے نیچے داخل کرتے، پھر اس سے اپنی داڑھی کا خلال کرتے۔"

دوسری دلیل:

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُخَلِّلُ لِحْيَتَه" [1]

"اور البتہ تحقیق میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی داڑھی کا خلال کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

تیسری دلیل:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَيْسَ بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَيْسَ بِالْآدَمِ، وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبْطِ، بَعَثَهُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعَرَةً بَيْضَاءَ" [2]

"رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ لمبے نہیں تھے اور نہ آپ چھوٹے قد کے ہی تھے (بلکہ آپ کا درمیانہ قد تھا) نہ آپ بالکل سفید رنگ کے تھے اور نہ گندم گوں ہی تھے آپ کے بال گھونگھریالے الجھے ہوئے نہیں

[1] جامع الترمذي، الطهارة، باب ما جاء في تخليل اللحية (ح: ٢٩)، صحيح.

[2] صحيح البخاري، اللباس، باب الجعد (ح: ٥٩٠٠)، صحيح مسلم (ح: ٢٣٤٨)، الترمذي (ح: ٣٦٣٥)

تھے، اور نہ بالکل سیدھے لٹکے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چالیس سال کی عمر میں رسول بنایا، دس سال آپ نے (نبوت کے بعد) مکہ مکرمہ میں قیام کیا اور دس سال مدینہ منورہ میں اور (تقریباً) ساٹھ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی۔ وفات کے وقت آپ کے سر اور داڑھی میں بیس بھی سفید بال نہیں تھے۔"

چوتھی دلیل:

سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"سُئِلَ أَنَسٌ، عَنْ خِضَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ مَا يَخْضِبُ، لَوْ شِئْتُ أَنْ أَعُدَّ شَمَطَاتِهِ فِي لِحْيَتِهِ"[1]

"انس رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: آپ کے بال اتنے زیادہ سفید نہیں ہوئے تھے کہ آپ خضاب لگاتے، اگر میں چاہتا تو آپ کی داڑھی کے سفید بال شمار کرتا (تو کرسکتا تھا)۔"

پانچویں دلیل:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يُكْثِرُ دُهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيحَ لِحْيَتِهِ"[2]

"رسول اللہ ﷺ بکثرت اپنے سر پر تیل اور داڑھی کو کنگھی کیا کرتے تھے۔"

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب ما يكره في الشيب (ح: ٥٨٩٥) ویسے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا بالوں کو رنگنا بھی ثابت ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کا نہ دیکھنا اس کے منافی نہیں۔ دیکھیں: صحيح البخاري، (ح: ٥٨٩٧)

[2] الشمائل في الترمذي، (ح: ٣٣)

چھٹی دلیل:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ شَمِطَ مُقَدَّمُ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ، وَكَانَ إِذَا ادَّهَنَ لَمْ يَتَبَيَّنْ، وَإِذَا شَعِثَ رَأْسُهُ تَبَيَّنَ، وَكَانَ كَثِيرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ، فَقَالَ: رَجُلٌ وَجْهُهُ مِثْلُ السَّيْفِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ، وَكَانَ مُسْتَدِيرًا وَرَأَيْتُ الْخَاتَمَ عِنْدَ كَتِفِهِ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ يُشْبِهُ جَسَدَهُ"[1]

"رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی کے اگلے حصے میں ہلکی سی سفیدی آگئی تھی، جب آپ تیل لگاتے تو وہ نمایاں نہ ہوتے اور جب سر کے بال بکھرے ہوتے تو نمایاں ہوجاتے اور آپ کی داڑھی کے بال گھنے تھے۔ ایک شخص کہنے لگا: کیا آپ کا چہرہ تلوار کی مانند (چمکتا ہوا) تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں، بلکہ سورج اور چاند کی طرح تھا اور گولائی لیے ہوئے تھا اور میں نے آپ کے کندھے کے قریب کبوتری کے انڈے کی مانند مہر (نبوت) دیکھی تھی، وہ (رنگ میں) آپ کے جسم مبارک سے مشابہ تھی۔"

اس کے علاوہ بھی متعدد احادیث کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی داڑھی ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی گھنی تھی:

نبی مکرم ﷺ کی داڑھی عام داڑھیوں سے قدرے گھنی تھی، بال زیادہ

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب شيبة رسول الله ﷺ (ح: ٢٣٤٤)

تھے، جیسے کہ درج ذیل دلائل سے واضح ہو رہا ہے:

پہلی دلیل:

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ كَثَّ اللِّحْيَةِ"[1]

"رسول اللہ ﷺ کی داڑھی گھنی تھی۔"

دوسری دلیل:

ام معبد کہتی ہیں:

"وَفِي لِحْيَتِهِ كِثَاثَةٌ"[2] "نبی کریم ﷺ کی داڑھی گھنی تھی۔"

تیسری دلیل:

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ شَمِطَ مُقَدَّمُ رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ، وَكَانَ إِذَا ادَّهَنَ لَمْ يَتَبَيَّنْ، وَإِذَا شَعِثَ رَأْسُهُ تَبَيَّنَ، وَكَانَ كَثِيرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ، فَقَالَ رَجُلٌ: وَجْهُهُ مِثْلُ السَّيْفِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ، وَكَانَ مُسْتَدِيرًا وَرَأَيْتُ الْخَاتَمَ عِنْدَ كَتِفِهِ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ يُشْبِهُ جَسَدَهُ"[3]

"رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی کے اگلے حصے میں ہلکی سی سفیدی آ گئی تھی، جب آپ تیل لگاتے تو وہ نمایاں نہ ہوتے اور

[1] جامع الترمذي في الشمائل: ٨.

[2] المستدرك للحاكم، ٣/ ١٠ (ح: ٤٢٧٤)، اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح الاسناد اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ سنده حسن.

[3] صحيح مسلم، الفضائل، باب شيبة رسول الله ﷺ (ح: ٢٣٤٤)

جب سر کے بال بکھرے ہوتے تو نمایاں ہو جاتے اور آپ کی داڑھی کے بال گھنے تھے۔ ایک شخص کہنے لگا: کیا آپ کا چہرہ تلوار کی مانند (چمکتا ہوا) تھا؟ انھوں نے کہا: نہیں، بلکہ سورج اور چاند کی طرح تھا اور گولائی لیے ہوئے تھا اور میں نے آپ کے کندھے کے قریب کبوتری کے انڈے کے مانند مہر (نبوت) دیکھی تھی، وہ (رنگ میں) آپ کے جسم مبارک سے مشابہ تھی۔"

چوتھی دلیل:

ابو معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم نے سیدنا خباب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

"أَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ" [1]

"کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں قرآن مجید پڑھتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! ہم نے پوچھا کہ آپ کو معلوم کس طرح ہوتا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کی داڑھی کے ہلنے سے۔"

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کی لمبائی:

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی نہ زیادہ لمبی تھی اور نہ ہی زیادہ چھوٹی۔ مگر یہ بات کسی بھی لحاظ سے سچ نہیں کہ آپ ﷺ کی داڑھی ایک مشت سے چھوٹی تھی یا ایک مشت تھی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی ایک مشت سے زیادہ تھی، جس کے ہم چند دلائل پیش کرتے ہیں:

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب من خافت القراءة في الظهر والعصر (ح: ٧٧٧)

پہلی دلیل:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ بِالْقَصِيرِ وَلَا بِالطَّوِيلِ، ضَخْمَ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ، شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، ضَخْمَ الْكَرَادِيسِ مُشْرَبًا وَجْهُهُ حُمْرَةً، طَوِيلَ الْمَسْرُبَةِ، إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا يَتَقَلَّعُ مِنْ صَخْرٍ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ، وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ ﷺ" [1]

"رسول اللہ ﷺ کا قد مبارک نہ (زیادہ) چھوٹا تھا اور نہ (زیادہ) بڑا، آپ کا سر مبارک بڑا اور داڑھی مبارک بھی بڑی تھی، ہتھیلی اور قدم مبارک (گوشت سے) پُر تھے، موٹے جوڑوں والے، آپ کا چہرہ سرخی سے پُر تھا، سینے سے ناف تک باریک بال تھے، جب چلتے تو آگے جھکتے ہوئے گویا کہ آپ چٹان (اونچائی) سے اتر رہے ہیں، آپ جیسا نہ میں نے آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد ﷺ۔"

دوسری دلیل:

یزید فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي النَّوْمِ زَمَنَ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: وَكَانَ يَزِيدُ يَكْتُبُ الْمَصَاحِفَ، قَالَ: فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي النَّوْمِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَتَشَبَّهَ بِي، فَمَنْ رَآنِي فِي النَّوْمِ، فَقَدْ رَآنِي: فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَنْعَتَ لَنَا

[1] مسند أحمد، ٢/ ٣٢١ (ح: ١٠٥٢)، قال شعيب الأرناؤوط: إسناده حسن.

هَذَا الرَّجُلَ الَّذِي رَأَيْتَ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ، رَأَيْتُ رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، جِسْمُهُ وَلَحْمُهُ، أَسْمَرُ إِلَى الْبَيَاضِ، حَسَنُ الْمَضْحَكِ، أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ، جَمِيلُ دَوَائِرِ الْوَجْهِ، قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ، مِنْ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ، حَتَّى كَادَتْ تَمْلَأُ نَحْرَه قَالَ عَوْفٌ: لَا أَدْرِي مَا كَانَ مَعَ هَذَا مِنَ النَّعْتِ قَالَ: فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَوْ رَأَيْتَهُ فِي الْيَقَظَةِ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَنْعَتَهُ فَوْقَ هَذَا،"[1]

''ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانے میں مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں: یزید (ان دنوں) مصحف لکھا کرتے تھے، فرمایا: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: بے شک شیطان طاقت نہیں رکھتا کہ وہ میری شکل اختیار کر سکے، سو جس نے خواب میں مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔ کیا آپ اس بندے کی صورت بیان کر سکتے ہیں جس کی شکل آپ نے دیکھی ہے؟ فرماتے ہیں: میں نے کہا: جی ہاں۔ میں نے دو آدمیوں کے درمیان ایک (درمیانے قد و کاٹھ کا) آدمی دیکھا، اس کا جسم و گوشت سرخی مائل سفید (رنگ) تھا، خوبصورت دانتوں والا، سرگیں آنکھوں والا، گول خوبصورت چہرے والا، اس کی داڑھی نے یہاں سے یہاں تک (جگہ) کو بھر دیا تھا، حتی کہ قریب تھی کہ آپ کے نحر (سینہ) کو بھر دے۔ عوف نے کہا: میں نہیں جانتا کہ

---

[1] رواه أحمد في مسنده، ٥/ ٣٨٩ (ح: ٣٤١٠)، والحاكم في المستدرك (٤/ ٣٩٣)، وصححه و وافقه الذهبي. وقال الحافظ في الفتح، ١/ ٣٨٤ (ح: ٦٩٩٣) و سنده جيد، قال الهيثمي: رجاله ثقات (٨/ ٢٧٢) وقال الألباني: صحيح، وعلقه البخاري.

اس وصف کے ساتھ کیا تھا، کہتے ہیں: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بیداری میں دیکھتا تو اس سے بڑھ کر بیان نہیں کر سکتا تھا۔"

ملحوظہ:

درج بالا حدیث سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی ایک مشت سے زیادہ تھی۔ اگر داڑھی سینے کو بھی بھرے ہوئے ہو تو کم از کم دو مشت داڑھی ہوتی ہے ایک نہیں......!

یزید فارسی فرما رہے ہیں کہ میں نے آپ کی داڑھی کو دیکھا وہ سینے کو بھرے ہوئے تھی اگر ایک مشت ہوتی تو کبھی بھی سینے کو بھر نہیں سکتی تھی۔ اور مزید یہ کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سیدنا یزید فارسی کی بات کی تصدیق کرتے ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی واقعی ایک مشت ہوتی تو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ضرور رد فرماتے کہ سینے تک نہیں تھی بلکہ ایک مشت تھی، مگر ایسی کوئی بات بھی نہیں ہے۔

قارئین کرام! اگر ایک مشت سے زائد داڑھی کٹوانی ہوتی تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور کٹواتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی روایت میں ایسا ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ہی مانا جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہمارے لیے نمونہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [سورة الأحزاب: ٢١]

"البتہ تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔"

تیسری دلیل:

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"كَانَ عَظِيمَ الْهَامَةِ، أَبْيَضَ، مُشْرَبًا حُمْرَةً، عَظِيمَ اللِّحْيَةِ، ضَخْمَ الْكَرَادِيسِ، شَثْنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، طَوِيلَ الْمَسْرُبَةِ، كَثِيرَ شَعَرِ الرَّأْسِ" [1]

"(آپ ﷺ) بڑے سر والے تھے، سفید رنگ والے، چہرہ سرخی مائل، داڑھی بڑھی تھی، جوڑ موٹے تھے، ہتھیلیاں اور قدم (گوشت سے) پُر تھے، سینے سے ناف تک باریک بال تھے، سر کے بال زیادہ تھے۔"

چوتھی دلیل:

ابو معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں ہم نے سیدنا خباب رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا:

"أَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ" [2]

"کیا رسول اللہ ﷺ ظہر اور عصر میں قرآن مجید پڑھتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں! ہم نے پوچھا کہ آپ کو معلوم کس طرح ہوتا تھا۔ انھوں نے بتایا کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک کے ہلنے سے۔"

ملحوظہ:

درج بالا حدیث بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آنحضرت محمد عربی ﷺ کی داڑھی زیادہ چھوٹی نہیں تھی بلکہ ایک مشت سے زیادہ تھی، کیونکہ صحابی رسول داڑھی کے ہلنے کا بیان فرما رہے ہیں۔ محض قرات کرنے سے چھوٹی داڑھی حرکت نہیں کرتی، دورانِ قراءت لمبی داڑھی ہی حرکت کرتی ہے۔

---

[1] مسند أحمد، ٢/ ٢٥٧ (ح: ٢٤٥)، مسند أبي يعلى الموصلي، ١/٣٠٣ (ح: ٣٦٩)، قال شعيب الأرنؤوط: إسناده حسن لغيره.

[2] صحيح البخاري، الأذان، باب من خافت القراءة في الظهر.

فصل 5

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی داڑھیاں

مکمل داڑھی رکھنا چونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے مکمل داڑھیاں رکھیں۔ ہر ایک کے بارے میں تفصیل ذکر کرنا بہت مشکل امر ہے، چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی داڑھیوں کا ذکر کرتے ہیں:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی داڑھی:

ابو طالب مکی رسول اللہ ﷺ کے وصف کے بارے میں بیان فرماتے ہیں:

"أَنَّهُ كَانَ كَثَّ اللِّحْيَةِ، وَكَذَالِكَ كَانَ أَبُوبَكْرٍ"[1]

"آپ ﷺ کی داڑھی گھنی تھی اور اسی طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بھی۔"

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی داڑھی:

ابو رجاء العطاردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَانَ عُمَرُ طَوِيْلًا جَسِيْماً، أَصْلَعَ أَشْعَرَ شَدِيْدَ الْحُمْرَةِ، كَثِيْرَ السَّبْلَةِ"[2]

"عمر رضی اللہ عنہ لمبے جسم والے تھے، سر پر بال بہت زیادہ تھے؛ جبکہ سامنے

---

[1] قوت القلوب، ۲/ ۲٤۰.

[2] الاصابة في تمييز الصحابة، ٤/ ٤٨٤، (وقال ابن حجرعن هذه الرواية: وأخرج ابن أبي الدنيا بسند صحيح)، تاريخ الخلفاء للسيوطي، ١/ ١٠٥.

سے بال جھڑے ہوئے تھے، بہت سرخ رنگ والے، زیادہ داڑھی والے تھے۔"

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی:

سیدنا عبداللہ بن شداد فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رضی اللہ عنہ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ، عَلَيْهِ إِزَارٌ عَدَنِيٌّ غَلِيظٌ، ثَمَنُهُ أَرْبَعَةُ دَرَاهِمَ أَوْ خَمْسَةٌ، وَرَيْطَةٌ كُوفِيَّةٌ مُمَشَّقَةٌ، ضَرْبُ اللَّحْمِ، طَوِيلُ اللِّحْيَةِ، حَسَنُ الْوَجْهِ"[1]

"میں نے جمعہ کے دن منبر پر عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا، انھوں نے موٹا عدنی ازار باندھ رکھا تھا جو چار یا پانچ درہم قیمت کا تھا، اور کوفی کنگھی دار چادر زیب تن کر رکھی تھی، پر گوشت، لمبی داڑھی والے خوب رو تھے۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی:

امام سیوطی لکھتے ہیں:

"وَكَانَ عَلِيٌّ شَيْخًا سَمِينًا، أَصْلَعَ، كَثِيرَ الشَّعْرِ، رِبْعَةً إِلَى الْقَصْرِ عَظِيمَ الْبَطْنِ، عَظِيمَ اللِّحْيَةِ جِدًّا، قَدْ مَلَأَتْ مَا بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ بَيْضَاءَ كَأَنَّهَا قُطْنٌ، آدَمَ شَدِيدَ الْأُدْمَةِ"[2]

"علی رضی اللہ عنہ موٹے تازے، کشادہ پیشانی، گھنے بالوں، چھوٹے قد، بھرے پیٹ، بہت بڑی داڑھی والے تھے، کندھوں کے درمیان (بالوں کی) سفیدی بھری ہوئی تھی گویا کہ روئی ہو، گہرے گندمی رنگ والے تھے۔"

---

[1] المعجم الكبير للطبراني، ١/ ٨٥ (ح: ٩٢)

[2] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ١/ ١٣٠

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کی داڑھی:

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَانَ آدَمَ، ضَخْماً، جَسِيماً، كَثَّ اللِّحْيَةِ"[1]

"گندمی رنگ کے تھے، جسم زیادہ بھاری تھا، گھنی داڑھی والے تھے۔"

شریح بن عامر رضی اللہ عنہ کی داڑھی:

ابن الکلبی رحمہ اللہ نے کہا:

"ذُو اللِّحْيَةِ شُرَيْحُ بْنُ عَامِرِ بْنِ عَوْفِ بْنِ كَعْبِ بْنِ أَبِيْ بَكْرِ بْنِ كِلَابٍ، وَلَمْ يَصِفْهُ بِغَيْرِ ذٰلِكَ"[1]

"شریح بن عامر بن عوف بن کعب بن اَبی بکر بن کلاب داڑھی والے تھے، اس کے علاوہ انھوں نے ان کا کوئی اور وصف ذکر نہیں کیا۔"

اس سے بالکل واضح ہے کہ شریح بن عامر رضی اللہ عنہ کی داڑھی بہت زیادہ لمبی تھی، اسی لیے تو انھیں داڑھی والا کہا جاتا تھا۔

پانچ صحابہ کرام کی داڑھیاں:

شرحبیل بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"رَأَيْتُ خَمْسَةً مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَقُمُّونَ شَوَارِبَهُمْ وَيُعْفُونَ لِحَاهُمْ وَيُصَرُّونَهَا: أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ، وَالْحَجَّاجَ بْنَ عَامِرٍ الثُّمَالِيَّ، وَالْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِيكَرِبَ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ بُسْرٍ الْمَازِنِيَّ، وَعُتْبَةَ بْنَ عَبْدٍ السُّلَمِيَّ"[3]

---

1. سير أعلام النبلاء، ٢/٤٧.
2. الإصابة في تمييز الصحابة، ٢/ ٣٤٧.
3. المعجم الكبير للطبراني، ٣/ ٢٢٥ (ح: ٣٢٠٩)، مجمع الزوائد، ٥/ ١٦٧ (ح: ٨٨٤٩)، سنده حسن.

”میں نے رسول اللہ ﷺ کے پانچ صحابہ کرام کو دیکھا، وہ مونچھوں کو کاٹتے اور داڑھیاں بڑھاتے اور ان کو رنگ کرتے تھے: ابو امامہ باہلی، حجاج بن عامر ثمالی، مقدام بن معدیکرب، عبداللہ بن بسر مازنی اور عتبہ بن عبدالسلمی رضی اللہ عنہم۔“

سات صحابہ کرام کی داڑھیاں:

عثمان بن عبداللہ بن ابی رافع رحمہ اللہ سے روایت ہے:

”أَنَّهُ رَأَى أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، وَجَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو، وَسَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ، وَأَبَا أُسَيْدٍ الْبَدْرِيَّ، وَرَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ، وَأَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَأْخُذُونَ مِنَ الشَّوَارِبِ كَأَخْذِ الْحَلْقِ، وَيُعْفُونَ اللِّحَى“[1]

”بلا شبہ انھوں نے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا: ابو سعید خدری، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمرو، سلمہ بن اکوع، ابو اسید بدری، رافع بن خدیج اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم۔ یہ مونچھیں کاٹتے تھے۔ گویا کہ مونڈنے کے مشابہ ہیں اور داڑھیوں کو بڑھاتے تھے۔“

درج بالا روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں ۱۷ صحابہ کرام ملتے ہیں جن کے بالترتیب نام یہ ہیں:

① سیدنا ابو بکر صدیق ② سیدنا عمر بن خطاب
③ سیدنا عثمان بن عفان ④ سیدنا علی بن طالب
⑤ سیدنا ابوذر غفاری ⑥ سیدنا شریح بن عامر

[1] المعجم الکبیر للطبرانی، ۱/ ۲۴۱ (ح: ٦٦٨)، مجمع الزوائد، ٥/ ١٦٦ (ح: ٨٨٤٠)

⑦ سیدنا ابوامامہ باہلی
⑧ سیدنا حجاج بن عامر ثمالی
⑨ سیدنا مقدام بن معدیکرب
⑩ سیدنا عبداللہ بن بسر
⑪ سیدنا عتبہ بن عبدالسلمی
⑫ سیدنا جابر بن عبداللہ
⑬ سیدنا عبداللہ بن عمرو
⑭ سیدنا سلمہ بن اکوع
⑮ سیدنا ابواسید بدری
⑯ سیدنا رافع بن خدیج
⑰ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم

ایک اعتراض:

کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست میں تو جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا نام بھی ہے، جب کہ وہ تو داڑھی کٹواتے تھے۔

ازالہ:

اس کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم صرف حج وعمرہ کے موقع پر ہی داڑھی کٹواتے تھے، باقی ایام میں ان سے داڑھی کٹوانا کہیں منقول نہیں۔ اور ہوسکتا ہے دیکھنے والے تابعی نے انھیں حج وعمرہ کے علاوہ دنوں میں دیکھا ہو۔ کیونکہ وہ حج وعمرہ کے علاوہ باقی ایام میں داڑھیاں نہیں کٹواتے تھے؛ جیسا کہ عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں:

"كَانُوا يُحِبُّونَ أَنْ يُعْفُوا اللِّحْيَةَ إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ"

"وہ (یعنی جن کے بارے میں داڑھی کٹوانے کا ذکر ہے) داڑھی کو معاف کرنا پسند کرتے تھے مگر حج وعمرہ میں (نہیں)۔"[1]

[1] مصنف ابن أبي شيبة، (ح: ٢٥٤٨٢) سنده صحيح.

ایک وضاحت:

درج بالا بعض روایات سنداً اگرچہ ضعیف ہیں مگر معناً بالکل صحیح ہیں، خلفائے راشدین سے کسی بھی روایت میں داڑھی کٹانا بالکل ثابت نہیں، اگرچہ ان کے بارے میں جو روایات نقل کی ہیں ان میں بعض صحت کے درجہ تک نہیں پہنچتی مگر "الصحابة كلهم عدول" کے تحت یہ روایات معنی کے لحاظ سے صحیح ہیں۔

اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ خلفائے راشدین نبی ﷺ کے بعد معزز ترین اور عقلمند و دانا لوگ تھے، اور حدیث کہتی ہے:

"عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ" [1]

"میرے طریقے کو لازم پکڑو اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو۔"

خلفائے راشدین کے ساتھ ساتھ مزید چودہ (۱۴) کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے داڑھی کو بڑھاتے، زیادہ کرتے، وافر کرتے، لمبا کرتے، اصل حالت پر چھوڑتے اور معاف کرتے تھے۔

اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ ایک طرف امت کے عظیم ترین خلفائے راشدین اور دیگر کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو دوسری طرف دو تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اور وہ بھی حج وعمرہ میں کٹواتے تھے۔ بتائیں «عليكم بسنتي...» والی حدیث کو دیکھتے ہوئے ہم کن کے طریقے کو اپنائیں گے......؟!

[1] سنن ابن ماجه، السنة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين (ح: ٤٢)، قال الألباني: صحيح.

فصل 6

داڑھی کٹوانا کیوں جائز نہیں؟

اس باب میں ہم اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ داڑھی کٹوانا کیوں جائز نہیں۔ آخر وہ کونسے دلائل ہیں، جن کی بنا پر داڑھی کٹوانا درست نہیں، ہم اختصار سے کچھ معروضات پیش کرتے ہیں:

پہلی بات:

قرآنِ مجید کی کسی بھی آیت میں حکم نہیں ہے کہ مطلقاً داڑھی، ایک مشت کے بعد، طول فحش داڑھی، طول وعرض سے داڑھی کٹائی جائے اور نہ ہی کسی پیغمبر، نبی و رسول کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ داڑھیاں کٹاتے تھے۔ بلکہ یہ ضرور موجود ہے کہ ہارون علیہ السلام کی داڑھی موجود تھی، کٹانے کا پھر بھی کہیں ذکر نہیں۔

دوسری بات:

دوسری بات یہ ہے کہ داڑھی مرد کی زینت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ﴾ [سورة البقرة: ١٣٨]

''اللہ کا رنگ اپناؤ اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے؟''

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ [سورة التين: ٤]

''البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بہترین خلقت میں پیدا کیا۔''

درج بالا آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین خلقت

میں پیدا کیا ہے اور بہترین تخلیق میں داڑھی شامل ہے اور اب جو بندہ داڑھی کٹائے گا، گویا وہ اپنی خوبصورتی کو خراب کر رہا ہے۔ اور دوسرا معنی یوں لے لیں کہ یہ داڑھی کٹوانے والا، گویا اللہ سے مقابلہ کرتا ہے کہ جس طرح تو نے داڑھی بنائی، اس طرح خوبصورت نہیں، جس طرح کاٹنے کے بعد میں بنا رہا ہوں، وہ زیادہ خوبصورت ہے... إنا لله وإنا إليه راجعون.

تیسری بات:

داڑھی رکھنا رسول اللہ ﷺ کی سنت بھی ہے اور حکم بھی، نیز رسول اللہ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں داڑھی نہیں کٹائی اور نہ ہی اپنی حیات مبارکہ میں کسی صحابی کو داڑھی کٹانے کا حکم دیا۔ آسان الفاظ میں یوں سمجھیں کہ نہ کبھی رسول اللہ ﷺ نے داڑھی کٹائی اور نہ ہی کٹوانے کا حکم دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کسی بھی صحابی نے اپنی داڑھی کا ایک بال بھی نہیں کٹوایا۔ اگر آپ ﷺ کی موجودگی میں کسی صحابی نے داڑھی کاٹی ہوتی اور رسول اللہ ﷺ کا انکار نہ ہوتا تو ہم تقریری حدیث کہہ کر داڑھی کٹوانے کا فتوی بھی دیتے اور عمل بھی کرتے، مگر آپ ﷺ کی موجودگی میں کسی بھی صحابی نے اپنی داڑھی نہیں کٹوائی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی کٹانا درست نہیں۔

چوتھی بات:

داڑھی فطرت سے ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ

الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ، قَالَ زَكَرِيَّا: قَالَ مُصْعَبٌ: وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةَ."[1]

"دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: مونچھیں کاٹنا، داڑھی کو چھوڑ دینا، مسواک کرنا، وضو کرتے وقت ناک میں پانی چڑھانا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، بغل کے بال نوچنا، زیرِ ناف بال مونڈنا، استنجاء کرنا۔ زکریا کا کہنا ہے کہ مصعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دسویں چیز مجھے بھول گئی ہے، شاید کہ کلی کرنا ہو۔"

داڑھی عین فطرت ہے اور فطرت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [سورة الروم: ۳۰]

"اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی تخلیق کے لیے کوئی تبدیلی (جائز) نہیں ۔ یہ سیدھا دین ہے اور لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔"

یعنی کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی کرنے کی گنجایش و اجازت نہیں، ہاں جن میں تبدیلی کرنے کا شریعت نے حکم دے دیا وہاں جائز ہے۔ داڑھی عین فطرت (سنت) ہے اور جو داڑھی کو کٹائے گا وہ فطرت کو تبدیل کر رہا ہے، جو کہ سراسر گناہ ہے، اور شیطان نے تو کہا تھا:

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة: (ح: ۲٦۱)

خَلْقَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا﴾ [سورة النساء: ١١٩]

"اور میں ضرور بہ ضرور انہیں حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی تخلیق کو بدل ڈالیں اور (یادرکھو) جس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا تو یقیناً اس نے خسارہ اٹھایا، واضح خسارہ اٹھانا۔"

عزیز قارئین! فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے اگر تو آپ داڑھی کو فطرت سمجھ کر پوری رکھیں گے تو رحمٰن خوش ہوگا اور اگر شیطان کی پیروی کرتے ہوئے داڑھی کو کٹائیں گے تو یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی فطرت کو کھلا چیلنج ہے......!!

پانچویں بات:

داڑھی کاٹنا اس لیے بھی جائز نہیں ہے کہ اس سے اہل کتاب سے مشابہت لازم آتی ہے، جیسا کہ سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَقُصُّونَ عَثَانِينَهُمْ وَيُوَفِّرُونَ سِبَالَهُمْ: قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: قُصُّوا سِبَالَكُمْ وَوَفِّرُوا عَثَانِينَكُمْ وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ (1)

"ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اہلِ کتاب داڑھی کٹاتے ہیں اور مونچھیں بڑھاتے ہیں، آپ نے فرمایا: تم مونچھیں کٹا دو اور داڑھیاں بڑھا دو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا جو داڑھی منڈوانے والا، کاٹنے والا، کٹوانے والا، ایک مشت کے بعد نہ رکھنے والا، طول وعرض سے کاٹنے والا، طول وعرض

(1) مسند أحمد، ٣٦/ ٦١٣ (ح: ٢٢٢٨٢)، قال شعيب الأرناؤوط: إسناده صحيح.

سے کٹوانے والا، طول فحش داڑھی نہ رکھنے والا اہل کتاب کی مشابہت کرنے والا ہے۔

ایک اعتراض:

بعض لوگ یہ اعتراض جھڑ دیتے ہیں کہ جو بندہ داڑھی منڈواتا ہے، وہی اہلِ کتاب کی مشابہت اختیار کرتا ہے، ایک مشت کٹوانے والا نہیں، کیوں کہ اہلِ کتاب داڑھی مونڈتے تھے۔

ازالہ:

ایسا اعتراض کرنے والوں نے صحیح طرح حدیث کے معنی کو نہیں سمجھا۔ حدیث میں "یقصون" کے الفاظ ہیں اور قص حلق کے منافی ہے۔ قص کا مطلب یہ ہوتا ہے:

"قینچی کے ساتھ بالوں کو کترنا۔"[1]

اب قینچی کے ساتھ طول وعرض سے بھی بال کترے جاسکتے ہیں اور مشت کے بعد بھی بال کترے جاسکتے ہیں۔ لہٰذا حدیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ داڑھی کو کسی بھی طریقہ سے کٹوانے والا اہل کتاب کی مشابہت اختیار کرنے والا ہے۔ جبکہ اہل کتاب کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے اور حکم یہ ہے کہ اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ اور یاد رکھیں! جو بندہ کسی بھی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہی میں سے ہوتا ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا:

((مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ))[2]

"کسی قوم کی مشابہت اختیار کرنے والا انہی میں سے ہوگا۔"

---

[1] المنجد، ١/ ٦٩٤.

[2] سنن أبي داود، اللباس، باب في لبس الشهرة (ح: ٤٠٣١)، قال الألباني: حسن صحيح.

چھٹی بات:

داڑھی کٹوانا، مونڈنا وغیرہ اس لیے بھی جائز نہیں ہے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت لازم آتی ہے اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

«أَنَّهُ لَعَنَ الْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ، وَالْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ»[1]

''اللہ تعالیٰ نے مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں اور عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں پر لعنت کی ہے۔''

ساتویں بات:

داڑھی کو کسی بھی طرح کٹانا اس لیے بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ مثلہ ہے۔ بنیادی طور پر اس کا مطلب عیب دار کرنا ہے۔ مفہومی انداز سے اس طرح سمجھ لیں جسم کے کسی بھی عضو کو کسی بھی مقدار میں کاٹنا مثلہ ہے۔ ہاں جن اعضاء وغیرہ کا کاٹنے کا حکم آگیا ہے وہ الگ شے ہے، مگر وہ اعضاء جن کے کاٹنے کا حکم نہیں، انھیں کاٹنا مثلہ ہے۔ داڑھی بھی انسان کے اعضاء میں شامل ہے اسے پوری تعداد میں کٹوانا، زیادہ تعداد میں کٹوانا یا تھوڑی تعداد میں کٹوانا، بہرحال مثلہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے:

«نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النُّهْبَى وَالْمُثْلَةِ»[2]

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ مار کرنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔''

---

[1] سنن أبي داود، اللباس، باب في لباس النساء (ح: ٤٠٩٧)، قال الألباني: صحيح.

[2] صحيح البخاري، المظالم والغصب، باب النهي بغير إذن صاحبه (ح: ٢٤٧٤)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: مَنْ مَثَّلَ بِالشَّعْرِ، فَلَيْسَ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ خَلَاقٌ"[1]

"بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے بالوں کے ساتھ مثلہ کیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حصہ نہیں۔"

شیخ بدیع الدین راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اس روایت میں اگرچہ کچھ کلام ہے، لیکن اصل مسئلہ چونکہ بے شمار دلائل سے ثابت ہے۔ لہٰذا شواہد میں ترغیب وترہیب کے لیے ایسی روایتیں کارآمد ہوا کرتی ہیں۔ اور کتاب "نہایہ" اور "مجمع البحار" میں اس روایت کے الفاظ اس طرح سے ہیں: "مُثْلَةُ شَعْرٍ حَلْقُهُ مِنَ الْخُدُودِ" یعنی بالوں کا مثلہ یہ ہے کہ ان کو گالوں پر سے مونڈا جائے۔"[2]

---

[1] المعجم الكبير للطبراني، ١١/ ٤١ (ح: ١٠٩٧٧) .وضعفه الألباني في الضعيفة، (ح: ٤٢١).

[2] اسلام میں داڑھی کا مقام، ص: ١٠.

فصل 7

عملِ صحابہ کے متعلق سلف کا منہج

اس دنیائے کائنات میں انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد سب سے عظیم ہستیاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ انھیں یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ ان کے دور میں وحی نازل ہوتی رہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست علم سیکھتے رہے اور ان کی تربیت خود پیارے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے رہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی تعلیمات کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی بھرپور کوشش کی۔ اور اگر کوئی مسئلہ استنباط بھی کرتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات وفرمودات کی روشنی میں کرتے اور اگر انھیں کسی مسئلے کا علم نہ ہوتا تو کسی دوسرے صحابی سے پوچھ لیتے، کتب احادیث میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انسان تھے، امتی تھے، انبیاء نہیں تھے جس کی بدولت آپ رضی اللہ عنہم سے بحیثیت انسان کچھ غلطیاں بھی سرزد ہوگئیں، ان میں کچھ صریح ہیں تو کچھ اجتہادی، مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان بعض غلطیوں کی آڑ میں آکر ان کی شان میں کسی قسم کی تنقیص کرنا ہرگز بھی جائز اور درست نہیں ہے، ہم میں سے کوئی انسان جتنا بھی عالم و عامل ہوجائے مگر کسی ایک صحابی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی ان کی غلطیوں اور لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے۔ لہٰذا اب ہمارے لیے کسی بھی صورت میں روا نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں

اپنی زبانوں کو بے لگام کرتے ہوئے ان کی گستاخی کریں یا ان کے لیے ایسے الفاظ استعمال کریں جس کے وہ اہل نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

① «دَعُوا لِيْ أَصْحَابِيْ، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِيْ »[1]

''میری خاطر میرے صحابہ کرام سے درگزر کرو، میرے صحابہ کرام کو بُرا نہ کہو۔''

② ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''لَا تَسُبُّوا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَمَرَنَا بِالْاِسْتِغْفَارِ لَهُمْ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُمْ سَيَقْتَتِلُوْنَ''[2]

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بُرا مت کہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یہ جانتے ہوئے کہ عن قریب وہ قتل و قتال میں مبتلا ہوں گے، ہمیں ان کے بارے میں استغفار کا حکم دیا ہے۔''

③ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وَمِنْ أُصُوْلِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ سَلَامَةُ قُلُوْبِهِمْ وَأَلْسِنَتِهِمْ لِأَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ''[3]

''اہل السنۃ والجماعت کا اصول ہے کہ وہ اپنے دلوں اور اپنی زبانوں کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں محفوظ رکھتے ہیں۔''

---

[1] مسند البزار، ٣/ ٢٩٤ (ح: ٢٧٧٩)

[2] زوائد فضائل الصحابة لابن أحمد، ١/ ٧٩، ٢/ ١١٥٢، أصول اعتقاد أهل السنة، ٧/ ١٢٤٥- ١٢٥٠، الشريعة، ٥/ ٢٤٩٢، منهاج السنة، ١/١٥٤، الصارم المسلول، ٣/ ٢٠٧٢- بحوالہ دفاع صحابہ از ارشاد الحق اثری۔

[3] العقيدة الواسطية، ص: ١١١، منهاج السنة، ٢/ ٢١٩-٢٢٠۔

④ امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"نُحِبُّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا نُفْرِطُ فِي حُبِّ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَلَا نَتَبَرَّأُ مِنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ، وَنُبْغِضُ مَنْ يُبْغِضُهُمْ وَبِغَيْرِ الْخَيْرِ يَذْكُرُهُمْ، وَلَا نَذْكُرُهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ، وَحُبُّهُمْ دِينٌ وَإِيمَانٌ وَإِحْسَانٌ، وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَنِفَاقٌ وَطُغْيَانٌ"[1]

"ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتے ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کی محبت میں نہ افراط کا شکار ہیں اور نہ ہی کسی سے براءت کا اظہار کرتے ہیں اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اور خیر کے علاوہ ان کا ذکر کرتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور ہم ان کا ذکر صرف بھلائی سے کرتے ہیں، ان سے محبت دین، ایمان اور احسان ہے اور ان سے بغض کفر و نفاق اور سرکشی ہے۔"

⑤ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَمِنْ تَوْقِيرِهِ وَبِرِّهِ ﷺ تَوْقِيرُ أَصْحَابِهِ وَبِرُّهُمْ وَمَعْرِفَةُ حَقِّهِمْ وَالْاِقْتِدَاءُ بِهِمْ وَحُسْنُ الثَّنَاءِ عَلَيْهِمْ وَالْاِسْتِغْفَارُ لَهُمْ"[2]

"رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور آپ سے حسن سلوک کا تقاضا ہے کہ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھی توقیر کی جائے اور ان سے حسن سلوک کا اظہار کیا جائے، ان کے حق کو سمجھا جائے، ان کی اقتدا کی جائے اور ان کی اچھی تعریف کی جائے اور ان کے لیے بخشش کی دعا کی جائے۔"

[1] شرح العقيدة الطحاوية، ص: ٤٦٧.

[2] الشفاء، ٢/ ٤١.

⑥ قاضی عیاض رحمہ اللہ سہل بن عبداللہ تستری رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں:

"لَمْ يُؤْمِنْ بِالرَّسُوْلِ مَنْ لَمْ يُوَقِّرْ أَصْحَابَهُ"[1]

"جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توقیر نہیں کرتا، اس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں۔"

⑦ امام ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ امام فضیل بن عیاض رحمہ اللہ سے نقل فرماتے ہیں:

إِنِّي أُحِبُّ مَنْ أَحَبَّهُمُ اللّٰهُ، وَهُمُ الَّذِيْنَ يَسْلَمُ مِنْهُمْ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَأَبْغَضُ مَنْ أَبْغَضَهُ اللّٰهُ وَهُمْ أَصْحَابُ الْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ"[2]

"میں ان سے محبت کرتا ہوں جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور وہ وہی ہیں جن کی زبان درازیوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محفوظ ہیں اور میں ان سے بغض رکھتا ہوں جن سے اللہ بغض رکھتا ہے اور وہ خواہشات کی پیروی کرنے والے اور بدعتی ہیں۔"

⑧ امام بشر بن الحارث الحافی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"نَظَرْتُ فِيْ هٰذَا الْأَمْرِ فَوَجَدْتُ لِجَمِيْعِ النَّاسِ تَوْبَةً إِلَّا مَنْ تَنَاوَلَ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَجَزَ عَنْهُمُ التَّوْبَةَ"[3]

"میں نے دین کے بارے بہت غور کیا تو یہ بات معلوم ہوئی کہ تمام لوگوں کے لیے توبہ ہے مگر جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حرف گیری کرے، ان

---

① الشفاء، ٢/ ٥٢.

② حلية الأولياء، ٨/ ١٠٣.

③ المجالسة للدينوري، ٦/ ٣٩٧.

کی توبہ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے توبہ کی توفیق سلب کر لی۔"

⑨ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تزکیہ تسلیم کیا جائے، سب کی تعریف کی جائے، جیسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی ہے، سیدنا معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے درمیان جو کچھ رونما ہوا وہ اجتہاد پر مبنی تھا۔"[1]

⑩ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

"وَلَوْ فُرِضَ أَنَّهُ صَدَرَ مِنْ وَاحِدٍ مِنْهُمْ ذَنْبٌ مُحَقَّقٌ فَإِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لَهُ بِحَسَنَاتِهِ الْعَظِيمَةِ، أَوْ بِتَوْبَةٍ تَصْدُرُ مِنْهُ، أَوْ يَبْتَلِيهِ بِبَلَاءٍ يُكَفِّرُ بِهِ سَيِّئَاتِهِ، أَوْ يَقْبَلُ فِيهِ شَفَاعَةَ نَبِيِّهِ وَإِخْوَانِهِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ يَدْعُوا اللّٰهَ بِدُعَاءٍ يَسْتَجِيبُهُ لَهُ"[2]

"بالفرض اگر ان میں سے کسی سے گناہ ثابت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے عظیم حسنات کی بدولت یا اس کی توبہ کی بنا پر اسے معاف فرما دے گا، یا اسے کسی ایسی مصیبت و آزمائش میں مبتلا کر دے گا جو اس کے گناہ کا کفارہ بن جائے گی، یا اس کے بارے میں اپنے نبی کی شفاعت یا اس کے مومن بھائیوں کی سفارش قبول فرما لے گا یا وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا جو وہ قبول کر لے گا (اور اس کے لیے بخشش کا سبب بن جائے گا)۔"

---

[1] إحياء العلوم، ١/ ١٢٠.

[2] جامع المسائل، المجموعة الثالثة، ص: ٧٨-٧٩.

(11) علامہ آلوسی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

"اگر کسی صحابی سے امورِ فسق میں سے کوئی عمل ثابت ہوتا ہے تو اس کے یہ معنی تو قطعاً نہیں کہ وہ اسی فسق پر فوت ہوئے ہیں، ہم توبہ سے پہلے تو اسے فاسق کہیں گے لیکن یہ نہیں کہ وہ اس فسق پر قائم رہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت اور ان کے اوصاف کے سبب جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بیان فرمائے ہیں وہ اس پر قائم نہیں رہتے اور اللہ تعالیٰ انھیں توبہ کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔"[1]

حاصل کلام:

صحابہ کرام وہ نفوسِ قدسیہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کی گواہیاں دیں ہیں، بے شمار مواقع پر جنت کی بشارت وضمانت دی ہے، دین اسلام کا سب سے زیادہ فہم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا جس کی وجہ یہ ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے استاذ و معلم تھے۔ بحیثیت انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور بعد میں بھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صریح وغیر صریح غلطیاں سرزد ہوئیں اور بسا اوقات تو بہت بہت بڑی غلطیاں ہوئیں مگر اس کے باوجود بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحسین فرمائی بلکہ بسا اوقات ان کی ایسی غلطیوں میں بھی ان کے ایمان کی پختگی کی دلیل اور ہمارے لیے عبرت کا سامان ہے، جیسا کہ ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ کی غلطی وغیرہ......

درج بالا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین کے احکامات کی روشنی میں ہمارے لیے پیغام یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں

[1] روح المعاني، ٢٦/ ١٣٣.

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فیصلہ ان کی بخشش کا اور ان سے درگزر کرنے کا ہے، بلکہ ان سے درگزر کا حکم رسول اللہ ﷺ کو دیا ہے تو امت کے کسی فرد کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ان کے خلاف زبان درازی کرے، ان کی حسنات کے بجائے ان کی سیئات وزلات کی جستجو میں رہے اور برسرمنبرومحراب یا بذریعہ قلم وقرطاس انھیں رسوا کرنے کی ناپاک جسارت کرے......!

فصل 8

موقوف حدیث پر عمل کی حیثیت

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلا واسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ شاگرد تھے۔ ان کی تمام تر راہنمائی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے رہے۔ انھیں کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر حل کرواتے۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ سادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کوئی بھی مسئلہ اپنی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا کہ جسے شریعت سمجھا جائے، انھوں نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول احکامات ہی ہم تک پہنچائے ہیں اور اگر بتقاضائے بشریت کسی صحابی سے کوئی غلط کام ہوا ہے تو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دلائل کی رو سے انھیں رد کیا اور بسا اوقات خاموشی اختیار کی۔

اقوالِ صحابہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

1. اقوالِ صحابہ مطلقاً حجت ہیں۔

یہ قول امام مالک اور بعض احناف کا ہے۔[1]

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: البحر المحيط، ٨/ ٥٧، الحاوي، ١٦/ ١١٢، شرح اللمع، للشيرازي، ٢/ ٧٥٠، شرح الكوكب المنير، ٣/ ٣٧٥- ٣٥٦، شرح مختصر ابن الحاجب، ٢/ ٢٨٧، المستصفى، ١/ ٢٦١، التوضيح على التنقيح، ٢/ ١٧، شرح مختصر الروضة، ٣/ ١٨٥، الفكر السامي، ١/ ٣٩٢، المغنى في أصول الفقه للخبازي، ١/ ٢٦٦- ٢٦٧، مقاييس نقد متون السنة، ١/ ٣٩٦، أثر الأدلة المختلف فيها، ١/ ٣٤٠، الوسيط في أصول الفقه، ١/ ٤٠٠، محاضرات في اختلاف الفقهاء، ١/ ٢٧١- ٢٧٨.

② مطلقاً اقوالِ صحابہ حجت نہیں۔

یہ قول امام شافعی (جدید)، امام احمد، معتزلہ، اشاعرہ، کرخی اور بعض متاخرین مالکیوں اور حنبلیوں کا ہے۔[1]

③ قولِ صحابی کو جب قیاس کی وجہ سے تقویت مل جائے تو حجت ہے۔

یہ قول امام شافعی، زرکشی اور قطان وغیرہ کا ہے۔[2]

۴۔ قولِ صحابی جب قیاس کے خلاف ہو تو حجت ہوگا۔[3]

ویسے تو اقوالِ صحابہ کی مختلف صورتیں ہیں، مگر ہم اختصار و جامعیت کے ساتھ صرف دو پر روشنی ڈالتے ہیں:

① کسی مختلف فیہ مسئلہ میں صحابی کا اجتہاد:

اس صورت میں جمہور علما یہی کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور آپ کے قریب ترین لوگ تھے، جنھوں نے آپ کا مشاہدہ کیا، آپ سے رسالت سے متعلق تمام تر چیزیں اخذ کیں اور آپ کی زبان مبارک سے شریعت کا بیان سنا۔ ان کی آراء میں اس چیز کا احتمال تھا کہ وہ سنت ہوں یا کم از کم سنت

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: البحر المحيط، ٨/ ٦٤، عمدة الحواشي: ٣٠٥، شرح مختصر ابن الحاجب، ٢/ ٢٨٧، تأسيس النظر، ص: ١١٣، شرح مختصر الروضة، ٣/ ١٨٥، التوضيح على التنقيح، ٢/ ١٧، حصول المأمول من علم الأصول لصديق حسن خان، ص: ١٠٨، شرح الكوكب المنير، ٣/ ٣٧٥- ٣٧٦، مفتاح الوصول، ص: ١٦٦، محاضرات في اختلاف الفقهاء، ص: ٢٧٢، الوسيط في أصول الفقه، ١/ ٤٠٠، أثر الأدلة المختلف فيها، ص: ٣٤١.

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: البحر المحيط، ٨/ ٦٠، الرسالة، ص: ٥٩١، الحاوي، ص: ١١٢.

[3] تفصیل کے لیے دیکھیں: بداية المجتهد، ٢/ ٣١٣.

سے ماخوذ ہوں، اس لیے احتیاط کا تقاضا ہے کہ ہم ان کی آراء کو اپنی آراء پر مقدم کریں۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ وہ اجتہادی مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی طرف رجوع کرتے، اور انھیں تسلیم کرتے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا عمل:

① چنانچہ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں:

"إِنِّی آخِذٌ بِكِتَابِ اللّٰهِ إِذَا وَجَدْتُهُ ، فَمَا لَمْ أَجِدْهُ فِيهِ أَخَذْتُ بِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ وَالْآثَارِ الصِّحَاحِ عَنْهُ الَّتِی فَشَتْ فِی أَيْدِی الثِّقَاتِ عَنِ الثِّقَاتِ ، فَإِذَا لَمْ أَجِدْهُ فِی كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا فِی سُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ أَخَذْتُ بِقَوْلِ أَصْحَابِهِ مَنْ شِئْتُ وَأَدَعُ قَوْلَ مَنْ شِئْتُ ثُمَّ لَا أُخْرِجُ عَنْ قَوْلِهِمْ إِلَی قَوْلِ غَيْرِهِمْ ، فَإِذَا انْتَهَی الْأَمْرُ إِلَی إِبْرَاهِيمَ وَالشَّعْبِیِّ وَالْحَسَنِ وَابْنِ سِيرِيْنَ وَسَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ فَلِیَ أَنْ أَجْتَهِدَ كَمَا اجْتَهَدُوا"[1]

"بلاشبہ جب میں کتاب اللہ کو پاتا ہوں تو اسے لے لیتا ہوں، پھر جب کوئی چیز اس میں نہ پاؤں تو اللہ تعالیٰ کے رسول کی سنت کو لیتا ہوں اور ان کے آثار کو لیتا ہوں جو آپ سے صحیح ثابت ہیں اور ثقات سے مروی ہیں اور جب کسی چیز کو کتاب و سنت میں نہ پاؤں تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جس کا چاہوں قول اپنا لیتا ہوں اور جس کا چاہوں چھوڑ دیتا ہوں، پھر ان کے قول سے کسی دوسرے کے قول کی طرف نہیں نکلتا۔

[1] ذکرہ الصیمري في کتاب الأخبار أبي حنیفة و أصحابه (ح: ١٠).

سو جب معاملہ ابراہیم، شعبی، حسن، ابن سیرین اور سعید بن میسّب ﷭ کی طرف پہنچتا ہے تو میں انہی کی طرح اجتہاد کرتا ہوں۔"

امام شافعی ﷫ کا عمل:

◈ ۲ امام شافعی ﷫ فرماتے ہیں:

"اگر وہ (کسی مسئلے کا شرعی حکم) کتاب وسنت میں نہ ہو تو ہم صحابہ کرام ﷢ کے اقوال یا ان میں سے کسی ایک کے قول کی طرف جاتے ہیں۔"[1]

امام احمد بن حنبل ﷫ کا عمل:

◈ ۳ امام احمد بن حنبل ﷫ فرماتے ہیں:

"مَا أَجَبْتُ فِي مَسْأَلَةٍ إِلَّا بِحَدِيْثٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِذَا وَجَدْتُ فِي ذٰلِكَ السَّبِيْلَ إِلَيْهِ، أَوْ عَنِ الصَّحَابَةِ أَوْ عَنِ التَّابِعِيْنَ فَإِذَا وَجَدْتُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ أَعْدِلْ إِلَى غَيْرِهِ، فَإِذَا لَمْ أَجِدْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَعَنِ الْخُلَفَاءِ الْأَرْبَعَةِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ فَإِذَا لَمْ أَجِدْ عَنِ الْخُلَفَاءِ فَعَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ الْأَكَابِرِ فَالْأَكَابِرِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَإِذَا لَمْ أَجِدْ فَعَنِ التَّابِعِيْنَ وَعَنْ تَابِعِي التَّابِعِيْنَ."[2]

"میں نے ہر مسئلے میں جواب دیا تو رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث سے دیا ہے جہاں تک اسے حاصل کرنا میرے بس میں تھا، یا صحابہ کرام ﷢

---

[1] أصول الفقه لأبي زهرة، ص: ۲۱۵.

[2] المستدرك على مجموع الفتاوى، ۲/ ۱۲٦.

یا تابعین کے کسی قول سے۔ اگر مجھے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مل گئی تو میں ہرگز اس سے ہٹ کر کسی اور چیز کی طرف نہیں گیا اور جب رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث نہیں مل سکی تو خلفائے اربعہ راشدین کی طرف آیا ہوں۔ اگر ان سے کوئی قول نہیں مل سکا تو دوسرے بڑے سے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف آیا ہوں اور جب ان سے بھی کوئی قول نہیں مل سکا تو تابعین اور تبع تابعین کی طرف آیا ہوں۔"

④ عبدالقدوس بن مالک العطار فرماتے ہیں، میں نے ابوعبداللہ احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سنا وہ فرما رہے تھے:

"أُصُولُ السُّنَّةِ عِنْدَنَا: التَّمَسُّكُ بِمَا كَانَ عَلَيْهِ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَالْاِقْتِدَاءُ بِهِمْ، وَتَرْكُ الْبِدَعِ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ فَهِيَ ضَلَالَةٌ، وَتَرْكُ الْخُصُومَاتِ، وَتَرْكُ الْجُلُوسِ مَعَ أَصْحَابِ الْأَهْوَاءِ، وَتَرْكُ الْمِرَاءِ وَالْجِدَالِ وَالْخُصُومَاتِ فِي الدِّيْنِ" [1]

"ہمارے نزدیک سنت کے اصول یہ ہیں کہ اسے مضبوطی سے پکڑنا، جس پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں اور ان کی اقتدا کرنا، بدعت کو ترک کرنا -(کیونکہ) ہر بدعت گمراہی ہے-، جھگڑوں کو چھوڑنا، اہل اہواء (خواہش پرستوں) کے ساتھ نہ بیٹھنا اور فضول بحث و جدال اور جھگڑوں کو دین میں چھوڑ دینا۔"

⑤ الشیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ صحابی کے قول کو لینے کے بارے میں دو شرائط ذکر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

[1] طبقات الحنابلة لأبي يعلى، ١/ ٢٤١.

"اَلشَّرْطُ الْأَوَّلُ: أَلَّا يُخَالِفَ قَوْلَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ؛ فَإِنْ خَالَفَ قَوْلَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَجَبَ طَرْحُهُ وَالْأَخْذُ بِمَا قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما: يُوْشِكُ أَنْ تَنَزَّلَ عَلَيْكُمْ حِجَارَةٌ مِنَ السَّمَاءِ، أَقُوْلُ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَتَقُوْلُوْنَ: قَالَ أَبُوْ بَكْرٍ وَ عُمَر، وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى: ﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ ﴾ [النور: ٦٤] أَيْ: عَنْ أَمْرِ الرَّسُوْلِ ﷺ: أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ. قَالَ الْإِمَامُ أَحْمَدُ: أَتَدْرِيْ مَا الْفِتْنَةُ؟ اَلْفِتْنَةُ الشِّرْكُ؛ لَعَلَّهُ إِذَا رَدَّ بَعْضَ قَوْلِ الرَّسُوْلِ أَنْ يَقَعَ فِيْ قَلْبِهِ شَيْءٌ مِنَ الزَّيْغِ فَيُهْلِكُ، نَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ.

"اَلشَّرْطُ الثَّانِي: أَلَّا يُخَالِفَ قَوْلَ صَحَابِيٍّ آخَرَ؛ فَإِنْ خَالَفَ قَوْلَ صَحَابِيٍ آخَرَ وَجَبَ النَّظَرُ فِي الرَّاجِحِ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ قَوْلُ أَحَدِهِمَا أَوْلَى بِالْقَبُوْلِ مِنَ الْآخَرِ، وَلٰكِنْ نَنْظُرُ فِي الرَّاجِحِ، فَإِذَا كَانَ أَحَدُ الْمُخْتَلِفَيْنِ أَدْنٰى مِنَ الْآخَرِ فِي الْفِقْهِ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ قُدِّمَ الْأَعْلَمُ، وَهُوَ مُقْتَضٰى قَوْلِ الرَّسُوْلِ ﷺ: «عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ» فَقُدِّمَ أَوَّلًا سُنَّتَهُ؛ لِأَنَّ سُنَّتَهُ ﷺ مُقَدَّمَةٌ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ. مِثَالُ ذٰلِكَ: وَرَدَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عنهما أَنَّهُ إِذَا كَانَ فِيْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ وَقَصَّ مَا زَادَ عَنِ الْقُبْضَةِ، فَهٰذَا فِيْ ظَاهِرِهِ مُخَالِفٌ لِقَوْلِ الرَّسُوْلِ ﷺ «وَفِّرُوا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»، فَفِعْلُ ابْنِ عُمَرَ هُنَا لَا يُحْتَجُّ بِهِ عَلَى عُمُوْمِ قَوْلِ الرَّسُوْلِ ﷺ؛ لِأَنَّ قَوْلَ الرَّسُوْلِ مُقَدَّمٌ عَلَى فِعْلِ ابْنِ عُمَرَ." (1)

(1) سلسلة لقاءات الباب المفتوح لابن عثيمين، ص: ٥٩.

''پہلی شرط یہ ہے کہ وہ (قول صحابی) اللہ اور رسول کے قول کے مخالف نہ ہو۔ سو اگر اللہ اور رسول کے قول کے مخالف ہو تو اس کی بات کو چھوڑنا اور اللہ اور رسول کی بات کو لینا واجب ہوگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو، میں کہہ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تم کہہ رہے ہو: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''پس ڈر جائیں وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی مخالفت کرتے ہیں کہ ان کو فتنہ پہنچے یا انھیں دردناک عذاب پہنچے۔'' امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کیا تم جانتے ہو فتنہ کیا ہے؟ فتنہ سے مراد شرک ہے ۔ شاید جب کوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قول ٹھکرائے تو اس کے دل میں کوئی ٹیڑھ پیدا ہو جائے تو وہ ہلاک ہو جائے، ہم اللہ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

''دوسری شرط یہ ہے کہ اس صحابی کا قول دوسرے صحابی کے قول کے مخالف نہ ہو۔ پس اگر اس کا قول دوسرے (صحابی) کے قول کے خلاف ہوگا تو غور و فکر کر کے راجح کو لیا جائے گا، کیونکہ دونوں میں سے ایک کا قول قبولیت کے اعتبار سے دوسرے کے قول سے اولیٰ نہیں ہے۔ لیکن ہم غور و فکر کر کے راجح تلاش کریں گے۔ سو اگر دو اختلاف کرنے والوں میں ایک فقہ الدین میں ادنیٰ ہو اور دوسرا أعلم، تو أعلم کو مقدم کیا جائے۔ اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا تقاضا ہے (میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کو) پس آپ نے اولاً سنت کو مقدم کیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہر چیز پر مقدم

ہونے کی اہل ہے۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے وارد ہے کہ وہ حج و عمرہ میں اپنی داڑھی کو پکڑتے اور جو ایک مشت سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے۔ سو اس کا ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: «وفروا اللحی وأحفوا الشوارب» "داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹنے میں مبالغہ کرو" کے خلاف ہے۔ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل ہے، یہاں اس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی عمومیت کے خلاف حجت نہیں پکڑی جائے گی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول پر مقدم ہے۔"

۲ صحابی کا وہ قول جو نص شرعی کے مخالف ہو:

اس صورت میں ہم اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے، کیونکہ اس صورت میں صحابیِ رسول کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مخالف بات کو رد کر دیتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو تسلیم کرتے۔

ہماری رائے میں ایسی صورت میں درج ذیل دو وجوہات میں سے کوئی ایک ہو سکتی ہے:

1. اس مسئلے میں صحابی کے لیے خاص اجازت ہو۔
2. اس مسئلے کا صحابی کو علم نہ ہو۔

شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے نہ کہ کسی صحابی پر۔ جب صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم معصوم عن الخطاء نہیں، غلطی کا امکان موجود ہے تو پھر احوط اور پختہ بات یہی ہے کہ ایسی صوت میں صحابیِ رسول کا قول مردود ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بات قابلِ عمل ہوگی۔

1 چنانچہ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَالْحَقُّ: أَنَّهُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ فَإِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ لَمْ يَبْعَثْ إِلَى هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا نَبِيَّنَا مُحَمَّداً ﷺ، وَلَيْسَ لَنَا إِلَّا رَسُولٌ وَاحِدٌ، وَكِتَابٌ وَاحِدٌ، وَجَمِيعُ الْأُمَّةِ مَأْمُورَةٌ بِاتِّبَاعِ كِتَابِهِ، وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ، وَبَيْنَ مَنْ بَعْدَهُمْ فِي ذَلِكَ، فَكُلُّهُمْ مُكَلَّفُونَ بِالتَّكَالِيفِ الشَّرْعِيَّةِ، وَبِاتِّبَاعِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، فَمَنْ قَالَ: إِنَّهَا تَقُومُ الْحُجَّةُ فِي دِينِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِغَيْرِ كِتَابِ اللَّهِ، وَسُنَّةِ رَسُولِهِ، وَمَا يُرْجَعُ إِلَيْهِمَا، فَقَدْ قَالَ فِي دِينِ اللَّهِ بِمَا لَمْ يَثْبُتْ، وَأَثْبَتَ فِي هَذِهِ الشَّرِيعَةِ الْإِسْلَامِيَّةِ شَرْعًا لَمْ يَأْمُرِ اللَّهُ بِهِ“[1]

”صحیح بات یہ ہے کہ (مطلقاً) قول صحابی حجت نہیں ہے کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس امت میں صرف محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا ہے اور ہمارے لیے صرف ایک رسول اور ایک کتاب ہے اور پوری امت اُس کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت کی پیروی کی مامور ہے۔ اس معاملے میں صحابی اور ان کے بعد والوں (تابعین) کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ وہ سارے شریعت یعنی کتاب وسنت کی اتباع کے مکلّف ہیں۔ سو جس نے کہا کہ اللہ عزوجل کے دین میں کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت اوران کی طرف لوٹنے والی چیز کے علاوہ کسی اور چیز سے حجت قائم ہوسکتی ہے تو اس نے اللہ کے دین میں ایسی

[1] إرشاد الفحول، ٢/ ١٨٧ - ١٨٨.

بات کہی جو ثابت نہیں اور اس نے اِس شریعت اسلامیہ میں ایسی شرع ثابت کی جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔“

۲ سید عبدالکریم زیدان رقم طراز ہیں:

”وَالَّذِیْ نُرَجِّحُهُ: أَنَّ قَوْلَ الصَّحَابِیِّ لَیْسَ حُجَّةً مُلْزِمَةً، وَلٰکِنْ نَمِیْلُ اِلَی الْأَخْذِ بِهِ حَیْثُ لَا نَصَّ فِی الْکِتَابِ وَلَا فِي السُّنَّةِ وَلَا فِی الْإِجْمَاعِ، وَلَا یُوْجَدُ فِی الْمَسْأَلَةِ دَلِیْلٌ آخَرُ مُعْتَبَرٌ. فَفِیْ هٰذِهِ الْحَالَةِ نَرٰی أَنَّ الْأَخْذَ بِقَوْلِ الصَّحَابِیِّ أَوْلٰی“[1]

”اور ہم اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ صحابی کا قول ایسی حجت نہیں کہ جس پر عمل کرنا ضروری ہو لیکن ہم صحابی کے قول پر عمل کرنے کی طرف مائل ہیں مگر اس وقت جب قرآن، سنت اور اجماع میں کوئی شرعی حکم نہ ملے اور نہ اس مسئلہ میں کوئی معتبر دلیل ملے۔ سو اس صورت میں ہماری رائے یہ ہوگی کہ صحابی کے قول پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔“

۳ محمد عاصم الحداد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اگر کسی صحابی کا قول کتاب وسنت کی کسی نص کے خلاف پڑتا ہو تو نص کو مقدم کرنا ناگزیر ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس صحابی کو وہ نص نہ ملی ہو یا مسئلہ بیان کرتے وقت وہ اس کے ذہن میں نہ آئی ہو۔“[2]

ڈاکٹر محمود الطحان رقمطراز ہیں:

”اَلْمَوْقُوْفُ -کَمَا عَرَفْتَ- قَدْ یَکُوْنُ صَحِیْحاً، أَوْ حَسَناً، أَوْ ضَعِیْفاً، لٰکِنْ حَتّٰی لَوْ ثَبَتَ صِحَّتُهُ فَهَلْ یَجِبُ الْعَمَلُ بِهِ؟

---

[1] الوجیز في أصول الفقه، ص: ۲۶۲.

[2] اصول فقہ پر ایک نظر، ص: ۱۲۹.

وَالْجَوَابُ عَنْ ذٰلِكَ أَنَّ الْأَصْلَ فِي الْمَوْقُوفِ عَدَمُ وُجُوبِ الْعَمَلِ بِهِ؛ لِأَنَّهُ أَقْوَالٌ وَأَفْعَالٌ لِصَحَابَةٍ، لٰكِنَّهَا إِنْ ثَبَتَ فَإِنَّهَا تَقْوِي بَعْضَ الْأَحَادِيثِ الضَّعِيفَةِ؛ كَمَا مَرَّ فِي الْمُرْسَلِ؛ لِأَنَّ حَالَ الصَّحَابَةِ كَانَ هُوَ الْعَمَلُ بِالسُّنَّةِ، وَهٰذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لَهُ حُكْمُ الْمَرْفُوعِ، أَمَّا إِذَا كَانَ مِنَ الَّذِي لَهُ حُكْمُ الْمَرْفُوعِ فَهُوَ حُجَّةٌ يَجِبُ الْعَمَلُ بِهِ كَالْمَرْفُوعِ" [1]

"موقوف حدیث جیسا کہ آپ نے جانا صحیح، حسن یا ضعیف ہر طرح کی ہوسکتی ہیں۔ لیکن بالفرض اگر ان کا صحیح ہونا ثابت ہو بھی تو کیا یہ قابل حجت ہوتی ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرفوع حکمی کے علاوہ موقوف احادیث کے بارے میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ یہ حجت نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ اصحاب کرام کے اقوال و افعال ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ ثابت ہوجائیں تو بعض ضعیف احادیث کو تقویت دیتے ہیں، جیسا کہ مرسل کی بحث میں گزر چکا ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت پر ہی عمل کیا کرتے تھے، یہ اس وقت ہے جب اس (قول صحابی) کے لیے مرفوع کا حکم نہ ہو، اور جب وہ مرفوع حکمی ہو تو مرفوع کی طرح اس پر عمل واجب ہے۔"

حاصلِ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تمام تر اقوال ہمارے لیے حجت نہیں ہیں۔ اگر وہ کوئی ایسا مسئلہ بیان کرتے ہیں جو کتاب وسنت کے عین مخالف

[1] تیسیر مصطلح الحدیث، ص: ١٦٦.

ہے تو ہم اسے رسول اللہ ﷺ کے قول پر ہرگز ترجیح نہیں دے سکتے، اس صورت میں صحابی رسول ﷺ کے قول کو چھوڑنا اور رسول اللہ ﷺ کے قول کو پکڑنا واجب ہے۔

مذکورہ مسئلے میں بھی ایسا ہی معاملہ ہے ایک طرف رسول اللہ ﷺ کا داڑھی کو مکمل طور پر معاف کرنے، بڑھانے اور لٹکانے کا حکم ہے اور دوسری طرف بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا داڑھی کٹانے کا عمل ہے۔تو شریعتِ اسلامیہ کے حکم، ائمہ کرام و محدثینِ عظام رحمہم اللہ کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے داڑھی کو مکمل طور پر معاف کیا جائے گا۔

فصل 9

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل میں بعض احتمالات اور ان کی حقیقت

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک مشت سے زائد داڑھی کٹواتے تھے، اس میں کئی ایک احتمالات ہوسکتے ہیں۔ اور احباب قارئین کرام جانتے ہیں کہ احتمالات میں صدق وکذب اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ذیل کی سطور میں ہم ان احتمالات کو ذکر کرتے ہیں:

پہلا احتمال:

پہلا احتمال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی زیادہ طویل نہ تھی تو آپ رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے مشت سے زائد داڑھی کٹوا دیتے ہوں گے۔

ازالہ:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بہت زیادہ متبع سنت تھے۔ اور ان کی اتباع کی مثالیں قابلِ رشک ہیں۔ صرف تین مثالیں ذکر کرتے ہیں:

پہلی مثال:

انس بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ بِعَرَفَاتٍ، فَلَمَّا كَانَ حِينَ رَاحَ رُحْتُ مَعَهُ حَتَّى أَتَى الْإِمَامَ فَصَلَّى مَعَهُ الْأُولَى وَالْعَصْرَ، ثُمَّ وَقَفَ مَعَهُ وَأَنَا وَأَصْحَابٌ لِي حَتَّى أَفَاضَ الْإِمَامُ فَأَفَضْنَا مَعَهُ، حَتَّى

انْتَهَيْنَا إِلَى الْمَضِيقِ دُونَ الْمَأْزِمَيْنِ، فَأَنَاخَ وَأَنَخْنَا، وَنَحْنُ نَحْسَبُ أَنَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُصَلِّيَ، فَقَالَ غُلَامُهُ الَّذِي يُمْسِكُ رَاحِلَتَهُ، إِنَّهُ لَيْسَ يُرِيدُ الصَّلَاةَ، وَلَكِنَّهُ ذَكَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا انْتَهَى إِلَى هَذَا الْمَكَانِ قَضَى حَاجَتَهُ، فَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَقْضِيَ حَاجَتَهُ.[1]"

''میں مقام عرفات میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھا، جب زوال کے بعد کا وقت ہوا تو وہ چلے اور میں بھی ان کے ساتھ چلا۔ حتی کہ امام کے پاس پہنچے اور اس کے ساتھ نمازِ ظہر وعصر (جمع کر کے) ادا کیں۔ پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وقوف فرمایا تو میں اور میرے ساتھیوں نے بھی وقوف کیا۔ حتی کہ امام (عرفات سے) واپس لوٹا تو ہم بھی ان کے ساتھ واپس لوٹے یہاں تک کہ اس تنگ راستے پر پہنچے جو مقام مازمین سے پہلے ہے۔ اس مقام پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی سواری بٹھا دی، تو ہم نے بھی اپنی سواریاں بٹھا دیں۔ ہم نے سوچا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما یہاں نماز پڑھیں گے۔ لیکن ان کی سواری پر متعین غلام نے بتایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہاں نماز ادا کرنے کا ارادہ نہیں؛ بلکہ انھیں یاد آیا کہ نبی کریم ﷺ جب یہاں پہنچتے تھے تو حاجتِ ضروریہ سے فارغ ہوئے تھے، اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس مقام پر حاجت ضروریہ سے فارغ ہونا پسند فرماتے ہیں۔''

دوسری مثال:

امام مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

[1] مسند أحمد (ح: ٦١٥١)، صحيح الترغيب (ح: ٤٨)، قال شعيب الأرناؤط: إسناده صحيح على شرط مسلم.

"كُنَّا مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي سَفَرٍ، فَمَرَّ بِمَكَانٍ فَحَادَ عَنْهُ، فَسُئِلَ لِمَ فَعَلْتَ؟ فَقَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَعَلَ هٰذَا فَفَعَلْتُ" ①

"ہم ایک سفر میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ تھے۔ ایک جگہ سے گزرتے ہوئے وہ راستے سے ذرا ہٹ گئے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی کرتے دیکھا تھا اس لیے میں نے بھی ایسا کیا ہے۔"

تیسری مثال:

نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"سَمِعَ ابْنُ عُمَرَ، مِزْمَارًا قَالَ: فَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ عَلَى أُذُنَيْهِ، وَنَأَى عَنِ الطَّرِيقِ، وَقَالَ لِي: يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا؟ قَالَ: فَقُلْتُ: لَا، قَالَ: فَرَفَعَ إِصْبَعَيْهِ مِنْ أُذُنَيْهِ، وَقَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَسَمِعَ مِثْلَ هٰذَا فَصَنَعَ مِثْلَ هٰذَا" ②

"ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بانسری کی آواز سنی تو اپنی دونوں انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں اور اس راستے سے دور نکل گئے اور مجھ سے پوچھا کہ اے نافع! کیا کچھ سنائی دے رہا ہے؟ میں نے عرض کیا، نہیں۔ تب انھوں نے اپنی انگلیاں کانوں سے باہر نکالیں اور پھر فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، آپ نے اس جیسی (آواز) سنی تو ایسے ہی کیا (جیسے میں نے کیا ہے)۔"

① صحيح الترغيب والترهيب للألباني، السنة، باب الترغيب في اتباع الكتاب والسنة (ح: ٤٦). مسند أحمد (ح: ٤٨٧٠)، قال شعيب الأرنؤط: إسناده صحيح.

② سنن أبي داود، الأدب، باب كراهية الغناء والزمر (ح: ٤٩٢٤)، قال الألباني: صحيح.

درج بالا امثلہ کی رو سے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما انتہائی زیادہ متبع سنت تھے، لیکن یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی کی طرف دیکھتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہما نے بھی اپنی داڑھی چھوٹی کر لی ہو۔

یاد رکھیں! اتباع اعمال میں ہوتی ہے نہ کہ ساخت میں۔ یہ کوئی اتباع نہیں کہ انسان کسی کی طرف دیکھ کر اپنی داڑھی چھوٹی کر لے۔ اگر مد مقابل کا قد بڑا ہے تو اس کی اتباع میں اپنا قد بڑا کرنے کی کوشش کرے۔ وعلی هذا القياس.

یہ بعید از قیاس باتیں ہیں۔ لہٰذا دلائل و قرائن کی صورت میں یہ احتمال درست معلوم نہیں ہوتا۔

دوسرا احتمال:

دوسرا احتمال یہ ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی مجبوری کی وجہ سے داڑھی کٹواتے ہوں۔

گمان کیا جاسکتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی مجبوری کے باعث داڑھی کٹاتے ہوں۔ بسا اوقات انسان دین اسلام پر مکمل عمل کرنا چاہتا ہے مگر بعض مجبوریوں کے باعث وہ صحیح معنوں میں عمل پیرا نہیں ہوسکتا۔

دورِ حاضر کی ایک مثال لی جاسکتی ہے کہ بعض ممالک میں خواتین کے لیے حجاب کی پابندی اور مرد حضرات کے لیے مکمل داڑھی رکھنے کی پابندی عائد ہے، اب اس سے یہ قطعاً فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ لوگ دین پر صحیح انداز سے عامل نہیں ہیں۔ یہ کہا جائے گا کہ وہ کسی مجبوری کی وجہ سے پردہ نہیں کرتی اور مرد حضرات داڑھی نہیں رکھتے۔

ازالہ:

یہ احتمال چند وجوہات کی بنا پر درست معلوم نہیں ہوتا:

① اگر کوئی واقعی مجبوری ہوتی تو اس کا ذکر کیا جاتا، مگر کہیں بھی اس مجبوری کا ذکر نہیں۔

② اگر کوئی مجبوری ہوتی تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ دیگر تمام سادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی داڑھیاں کٹاتے، جب کہ ایسا بھی نہیں۔

③ اور یہ کیسی مجبوری ہے کہ صرف ایک مشت ہی رکھ سکتے ہیں، اس سے زیادہ نہیں...... اگر مجبوری ہوتی تو پھر ساری کٹواتے، لیکن ایسا بھی نہیں ہے۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں یہ احتمال بھی درست نہیں۔

تیسرا احتمال:

تیسرا احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ جس وقت وہ داڑھی کٹواتے ہوں، اس وقت وہ اپنی بیان کردہ اعفاء والی اور دیگر روایات بھول چکے ہوں۔

ازالہ:

یہ احتمال اس لیے درست معلوم نہیں ہوتا کہ ہر بار حج وعمرہ کے موقع پر ہی بھول جانا محل نظر ہے۔ لہٰذا یہ احتمال بھی درست نہیں لگتا۔

چوتھا احتمال:

چوتھا احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حج وعمرہ میں حلق الرأس میں داڑھی کو بھی شامل کر لیتے ہوں، اس وجہ سے وہ سر کے بالوں کے ساتھ داڑھی کو بھی کٹوا دیتے ہوں گے۔

ازالہ:

یہ احتمال اس لیے درست معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لیے رحمت کی دعا کی ہے جو حج وعمرہ میں اپنے سر کے سارے بال مونڈتا

ہے تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بہت زیادہ متبع سنت تھے۔ عجیب بات ہے کہ آپ رضی اللہ عنہما نے سر کا حلق تو کروا لیا، مگر داڑھی کا نہیں۔ اگر وہ داڑھی کو حلق الرأس میں ہی شمار کرتے تھے تو پھر داڑھی کا حلق کیوں نہ کرواتے، جب کہ وہ متبع سنت بھی ہیں......؟ لہٰذا یہ احتمال بھی بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔

پانچواں احتمال:

پانچواں احتمال یہ ہوسکتا ہے کہ داڑھی کٹوانے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما غلطی پر ہوں، لیکن ان کے گناہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں رہ کر دینِ اسلام کو حاصل کیا.....صرف حاصل ہی نہیں ، بلکہ اسے محفوظ بھی کیا......اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے توسط سے ہم تک دینِ اسلام پہنچا...... یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہیں......اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی انھیں معاف فرمادیا ہے......لیکن انسان آخر انسان ہوتا ہے...... غلطی کا امکان صرف انبیاء سے نہیں باقی سب میں موجود ہے......لیکن ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بعض اجتہادی غلطیوں کی آڑ میں آ کر انھیں طعن کرنا کفر سمجھتے ہیں، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغفور ہیں معصوم نہیں۔

صریح مسائل میں غلطی:

بتقاضائے بشریت ان سے صریح غلطیاں بھی ہوئی ہیں اور اجتہادی غلطیاں بھی (جو کہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی ہیں)۔ ہم اختصار کے ساتھ چند ایک کا تذکرہ کرتے ہیں:

پہلی مثال:

سیدنا سلمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

جَاءَ مَاعِزُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، طَهِّرْنِي، فَقَالَ: وَيْحَكَ، ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ، قَالَ: فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، طَهِّرْنِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَيْحَكَ، ارْجِعْ فَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ وَتُبْ إِلَيْهِ، قَالَ: فَرَجَعَ غَيْرَ بَعِيدٍ، ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، طَهِّرْنِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: مِثْلَ ذٰلِكَ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الرَّابِعَةُ، قَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ فِيمَ أُطَهِّرُكَ؟ فَقَالَ: مِنَ الزِّنٰى، فَسَأَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَبِهِ جُنُونٌ؟ فَأُخْبِرَ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَجْنُونٍ، فَقَالَ: أَشَرِبَ خَمْرًا؟ فَقَامَ رَجُلٌ فَاسْتَنْكَهَهُ، فَلَمْ يَجِدْ مِنْهُ رِيحَ خَمْرٍ، قَالَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَزَنَيْتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ، فَكَانَ النَّاسُ فِيهِ فِرْقَتَيْنِ، قَائِلٌ يَقُولُ: لَقَدْ هَلَكَ، لَقَدْ أَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ، وَقَائِلٌ يَقُولُ: مَا تَوْبَةٌ أَفْضَلَ مِنْ تَوْبَةِ مَاعِزٍ، أَنَّهُ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي يَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: أُقْتُلْنِي بِالْحِجَارَةِ، قَالَ: فَلَبِثُوا بِذٰلِكَ يَوْمَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةً، ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُمْ جُلُوسٌ، فَسَلَّمَ ثُمَّ جَلَسَ، فَقَالَ: إِسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: فَقَالُوا: غَفَرَ اللّٰهُ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ"[1]

[1] صحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى (ح: ١٦٩٥)

''ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس! جاؤ اللہ سے استغفار کرو اور اس کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ کہا: وہ لوٹ کر تھوڑی دور تک گئے، پھر واپس آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجیے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر افسوس! جاؤ اللہ سے استغفار کرو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ کہا: وہ لوٹ کر تھوڑی دور تک گئے، پھر آئے اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجیے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح فرمایا حتی کہ جب چوتھی بار (یہی بات) ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: میں تمھیں کس چیز سے پاک کروں؟ انھوں نے کہا: زنا سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اسے جنون ہے؟ تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ مجنون نہیں ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا اس نے شراب پی ہے؟ اس پر ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کا منہ سونگھا تو اس سے شراب کی بو نہ آئی۔ کہا: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم نے زنا کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں (میں نے زنا کیا ہے)۔ پھر آپ نے ان کو (رجم کرنے) کے بارے میں حکم دے دیا، چنانچہ انھیں رجم کر دیا گیا۔ بعد ازاں ان کے بارے میں لوگوں میں دو گروہ بن گئے، کچھ کہنے والے یہ کہتے: وہ تباہ و برباد ہوگیا، اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا۔ اور کچھ کہنے والے یہ کہتے: ماعز کی توبہ سے افضل کوئی توبہ نہیں (ہوسکتی) کہ وہ (خود) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے

ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا، پھر کہا: مجھے پتھروں سے مار ڈالیں۔ کہا: دو تین دن وہ (اختلاف کی) اسی کیفیت میں رہے، وہ سب بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے سلام کہا، پھر بیٹھ گئے اور فرمایا: ماعز بن مالک (رضی اللہ عنہ) کے لیے بخشش کی دعا مانگو۔ کہا: تو لوگوں نے کہا: اللہ ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو معاف فرمائے! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ انھوں نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک امت میں بانٹ دی جائے تو اُن سب کو کافی ہو جائے۔"

دوسری مثال:

سیدنا سلمان بن بریدہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

"جَاءَ تْهُ امْرَأَةٌ مِنْ غَامِدٍ مِنَ الْأَزْدِ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، طَهِّرْنِي، فَقَالَ: وَيْحَكِ ارْجِعِي فَاسْتَغْفِرِي اللّٰهَ وَتُوبِي إِلَيْهِ فَقَالَتْ: أَرَاكَ تُرِيدُ أَنْ تُرَدِّدَنِي كَمَا رَدَّدْتَ مَاعِزَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: وَمَا ذَاكِ؟ قَالَتْ: إِنَّهَا حُبْلَى مِنَ الزِّنَى، فَقَالَ: آنْتِ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، فَقَالَ لَهَا: حَتَّى تَضَعِي مَا فِي بَطْنِكِ، قَالَ: فَكَفَلَهَا رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ حَتَّى وَضَعَتْ، قَالَ: فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ، فَقَالَ: قَدْ وَضَعَتِ الْغَامِدِيَّةُ، فَقَالَ: إِذًا لَا نَرْجُمُهَا وَنَدَعُ وَلَدَهَا صَغِيرًا لَيْسَ لَهُ مَنْ يُرْضِعُهُ، فَقَامَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ: إِلَيَّ رَضَاعُهُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ، قَالَ: فَرَجَمَهَا" [1]

"آپ کے پاس ازد قبیلے کی شاخ غامد کی ایک عورت آئی اور کہنے

[1] صحیح مسلم، الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنی (ح: ١٦٩٥)

لگی: اے اللہ کے رسول! مجھے پاک کیجیے۔ تو آپ نے فرمایا: تم پر افسوس! لوٹ جاؤ، اللہ سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ اس نے کہا: میرا خیال ہے آپ مجھے بھی بار بار لوٹانا چاہتے ہیں جیسے ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو لوٹایا تھا۔ آپ نے پوچھا: وہ کیا بات ہے (جس پر تم تطہیر چاہتی ہو؟)۔ اس نے کہا: وہ زنا کی وجہ سے حاملہ ہے۔ تو آپ نے (تاکیداً) پوچھا: کیا تم خود؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، تو آپ نے اسے فرمایا: جاؤ یہاں تک کہ جو تمھارے پیٹ میں ہے اسے جنم دے دو۔ کہا: تو انصار کے ایک آدمی نے اس کی کفالت کی یہاں تک کہ اس نے بچے کو جنم دیا۔ کہا: تو وہ آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: غامدی عورت نے بچے کو جنم دے دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: تب ہم اسے (ابھی) رجم نہیں کریں گے اور اس کے بچے کو کم سنی میں نہیں چھوڑیں گے کہ کوئی اسے دودھ پلانے والا ہی نہ ہو۔ پھر انصار کا ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا: اے اللہ کے نبی! اس کی رضاعت میرے ذمے ہے۔ کہا: تو آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دے دیا۔"

تیسری مثال:

ابو عثمان نہدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"شَهِدَ أَبُو بَكْرَةَ، وَنَافِعٌ، وَشِبْلُ بْنُ مَعْبَدٍ عَلَى الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُمْ نَظَرُوا إِلَيْهِ كَمَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْمِرْوَدِ فِي الْمُكْحُلَةِ قَالَ: فَجَاءَ زِيَادٌ، فَقَالَ عُمَرُ: جَاءَ رَجُلٌ لَا يَشْهَدُ

إِلَّا بِالْحَقِّ قَالَ: رَأَيْتُ مَجْلِسًا قَبِيحًا وَانْبِهَارًا. قَالَ: فَجَلَدَهُمْ عُمَرُ الْحَدَّ"[1]

''ابو بکرہ، نافع اور شبل بن معبد رضی اللہ عنہم نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں گواہی دی کہ انھوں نے اسے ایسے دیکھا ہے جیسے سرمچو سرمہ دانی میں دیکھتے ہیں۔ کہتے ہیں زیاد آئے تو عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا شخص آیا ہے جو حق کی گواہی دیتا ہے تو اس نے کہا میں نے بری مجلس پریشان کن منظر دیکھا ہے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر حد لگائی۔''

چوتھی مثال:

واقعۂ افک میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں سیدنا حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل ہونے کے بعد ان کو شریعت کے حق کے مطابق کوڑے لگے۔

ملحوظہ:

قرآن و حدیث کی روشنی میں کسی دوسرے مسلمان بھائی پر تہمت لگانا بالکل جائز نہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگی تو جہاں منافقین نے بہت شور مچایا، جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف ہوئی خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رو رو کر نڈھال ہوتی رہیں۔ جب یہ افواہ عام ہوگئی تھی تو بحیثیت انسان سیدنا حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم بھی تہمت لگانے والوں کی لپیٹ میں آ گئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم عن الخطاء نہیں مغفور ہیں۔ ان سے جتنی بھی غلطیاں

[1] مصنف عبدالرزاق، الطلاق، باب قوله ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا (ح: ١٣٥٦٦)، المعجم الكبير للطبراني، ٣١١/٧ (ح: ٧٢٢٧)

ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا ہے۔ اب ہمارے لیے روا نہیں کہ ان کی بعض بشری لغزشوں کو بنیاد بنا کر انھیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں اور ان کے خلاف زبان درازی کر کے اپنے اعمال کو برباد کریں۔

اجتہادی مسائل میں غلطی:

پہلے گزارش کر دی گئی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغفور ہیں، معصوم نہیں۔ بتقاضائے بشریت ان سے بھی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ اجتہادی مسائل میں چند لغزشوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں:

پہلی مثال:

سیدنا سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ اکٹھا کرنے کے بارے میں پوچھا۔ تو انھوں نے کہا: ''جائز ہے۔''

شامی کہنے لگے: ''کہ آپ کے باپ اس سے منع کیا کرتے تھے۔''

تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَبِي نَهَى عَنْهَا وَصَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، أَأَمْرَ أَبِي نَتَّبِعُ؟ أَمْ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟''[1]

''کیا خیال ہے تمھارا اگر میرے باپ اس کام سے منع کریں اور اسے رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو؟ کیا ہم اپنے باپ کی بات کو مانیں یا رسول اللہ ﷺ کی بات کو؟''

ملحوظہ:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ واجب الاتباع صرف اور صرف جناب

[1] جامع الترمذي، التمتع، باب ما جاء في التمتع (ح: ٨٢٤)، قال الألباني: صحيح.

محمد ﷺ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہر وہ بات قابل عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مطابقت رکھنے والی ہو۔ اور اس سلسلے میں جو اُن سے کوتاہیاں ہوئی ہیں، اللہ نے انھیں معاف فرما دیا ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد گرامی امیر المومنین، خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بات کو اس وجہ سے رد کر دیا کہ ان کا فہم نبی مکرم ﷺ کے مخالف ہے..... پھر ہمارے لیے کیونکر جائز ہوگا کہ ہم ایک صحابی کی اس بات کو حجت بنا لیں جو رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل کے مخالف ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل سے روگردانی اختیار کر لیں......؟؟؟

دوسری مثال:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةٌ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ"[1]

"رسول اللہ ﷺ کے دور میں، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی ہوا کرتی تھیں۔ تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے ایسے کام میں جلد بازی شروع کر دی ہے، جس میں ان کے لیے تحمل اور سوچ و بچار (ضروری) تھا۔ اگر ہم اس (عجلت) کو ان پر نافذ کر دیں (تو شاید وہ تحمل سے کام لینا شروع کر دیں) اس کے بعد انھوں نے اسے ان پر نافذ کر دیا۔"

[1] صحيح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث (ح: ١٤٧٢)

ملحوظہ:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پہلے دو سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ بعد میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرنا شروع کر دیا۔ اب اگر کوئی کہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو چھوڑ کر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بات ماننا چاہتا ہوں تو یہ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خلاف ورزی ہے۔

صحیح بات یہی ہوگی کہ یہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی، جسے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔

تیسری مثال:

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

"كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما: إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يَتَكَلَّمْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ، فَأَخَذْتُ عَلَيْهِ يَوْمًا، فَقَرَأَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَكَانٍ، قَالَ: تَدْرِي فِيمَ أُنْزِلَتْ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: أُنْزِلَتْ فِي كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ مَضَى" [1]

"جب ابن عمر رضی اللہ عنہما قرآن پڑھتے تو اور کوئی لفظ زبان پر نہیں لاتے یہاں تک کہ تلاوت سے فارغ ہو جاتے۔ ایک دن میں (قرآن مجید لے کر) ان کے سامنے بیٹھ گیا اور انھوں نے سورۃ البقرۃ کی تلاوت شروع کی، جب اس آیت ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ پر پہنچے تو فرمایا: معلوم ہے یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی ہے؟ میں

[1] صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿نساءكم حرث لكم﴾ (ح: ٤٥٢٦)

نے عرض کیا: نہیں۔ فلاں فلاں چیز (یعنی عورت سے پیچھے کی طرف سے جماع کرنے) کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور پھر تلاوت کرنے لگے۔"

ملحوظہ:

قرآن و حدیث کی روشنی میں عورت کی دُبر (پاخانے والی جگہ) میں جماع کرنا جائز نہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے منقول متعدد روایات میں اس کی ممانعت موجود ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَلْعُونٌ مَنْ أَتَى امْرَأَتَهُ فِي دُبُرِهَا»

"جو شخص عورت سے اس کی پشت میں جماع کرے، وہ لعنتی ہے۔"

ہم کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ اجتہادی غلطی ہے، جسے اللہ تعالیٰ -ان شاء اللہ- معاف کر چکا ہے۔ لہٰذا اب ہمارے لیے روا نہیں ہے کہ ہم ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فتویٰ پر عمل کریں کیونکہ شریعت اللہ تعالیٰ کی بات اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ہیں۔

چوتھی مثال:

علقمہ اور اسود رحمہما اللہ سیدنا عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے تو انھوں نے (علقمہ و اسود سے) پوچھا:

"أَصَلَّى مَنْ خَلْفَكُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَامَ بَيْنَهُمَا، وَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ رَكَعْنَا...... فَلَمَّا صَلَّى، قَالَ:

(1) سنن أبي داود، النكاح، باب في جامع النكاح (ح: ٢١٦٢)، قال الألباني: حسن.

هَكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ"[1]

''جو تمھارے پیچھے ہیں انھوں نے نماز پڑھ لی؟ دونوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر وہ دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے، ان میں سے ایک کو اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو اپنی بائیں طرف (کھڑا) کیا، پھر ہم نے رکوع کیا...... جب نماز پڑھ چکے تو کہا: رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا۔''

ملحوظہ:

درج بالا روایت میں ذکر کردہ نماز پڑھنے کی کیفیت منسوخ ہو چکی تھی؛ لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس پر عامل تھے۔

پانچویں مثال:

علقمہ اور اسود رحمہما اللہ سیدنا عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے تو انھوں نے (علقمہ و اسود سے) پوچھا:

"أَصَلَّى مَنْ خَلْفَكُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَامَ بَيْنَهُمَا، وَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ رَكَعْنَا، فَوَضَعْنَا أَيْدِينَا عَلَى رُكَبِنَا فَضَرَبَ أَيْدِينَا، ثُمَّ طَبَّقَ بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ جَعَلَهُمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ، فَلَمَّا صَلَّى، قَالَ: هَكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ"[2]

''جو تمھارے پیچھے ہیں انھوں نے نماز پڑھ لی؟ دونوں نے کہا: جی

[1] صحيح مسلم، المساجد وموضع الصلاة، باب الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع ونسخ التطبيق (ح:٥٣٤)

[2] صحيح مسلم، المساجد وموضع الصلاة، باب الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع ونسخ التطبيق (ح:٥٣٤)

ہاں۔ پھر وہ دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے، ان میں سے ایک کو اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو اپنی بائیں طرف (کھڑا) کیا، پھر ہم نے رکوع کیا، تو ہم نے رکوع میں اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے، انھوں نے ہمارے ہاتھوں پر (ہلکا سا) مارا، پھر اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے اور ان کو اپنی رانوں کے درمیان رکھا، جب نماز پڑھ چکے تو کہا: رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا۔"

ملحوظہ:

درج بالا روایت میں ذکر کردہ نماز پڑھنے کی کیفیت منسوخ ہو چکی تھی، لیکن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس پر عامل تھے۔

ساتویں مثال:

عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

"كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ: يَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ، وَيَقُولُ: إِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ"[1]

"عبد اللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہما) مصحف سے معوذتین کو کھرچ دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے یہ اللہ کی کتاب میں سے نہیں ہیں۔"

ملحوظہ:

رسول اللہ ﷺ اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے معوذتین کو نماز میں پڑھنا ثابت ہے۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ذاتی فہم تھا کہ وہ اسے قرآنِ مجید

[1] مسند أحمد، ۳۵/ ۱۱۷ (ح: ۲۱۱۸۸)، المعجم الكبير للطبراني (ح: ۹۱۵۰)، مسند البزار (ح: ۱۵۸٦)، مسند أبي يعلى الموصلي (ح: ٤١٩٨)، إسناده صحيح.

میں شامل نہیں کرتے تھے بلکہ اسے جہاں لکھا ہوا پاتے تو کھرچ دیتے تھے اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ معوذتین بطور دم نازل ہوئیں تھیں۔

ہماری رائے میں یہ آخری احتمال درست ہے، کہ یک مشت سے زائد داڑھی کٹوانا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اجتہادی غلطی ہے۔ لیکن تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغفور ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی کوتاہیوں کو معاف کردیا ہے۔ لہٰذا اب ہمارے لیے بالکل جائز نہیں ہوگا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرمودات و ارشادات کو چھوڑ کر کسی صحابی کے عمل کو لے کر اسی پر عمل کرتے جائیں۔

سوال 10

مخالفین کے دلائل و اعتراضات اور ان کا تجزیہ

مخالفین اپنے عمل کو ثابت کرنے کے لیے بعض بے بنیاد اور بے حقیقت دلائل کا سہارا لیتے ہیں، اور بسا اوقات اپنے فہم کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ داڑھی ایک مشت سے زیادہ کٹوانا جائز بلکہ واجب ہے۔ ہم ایک ایک کرکے ان کے دلائل کا جائزہ لینے کی کوشش کرتے ہیں:

پہلا اعتراض:

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ روایت کرتے ہیں:

"أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا"

"نبی اکرم ﷺ اپنی داڑھی کے طول وعرض سے (کاٹ) لیا کرتے تھے۔"

ازالہ:

① اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ" "یہ حدیث غریب ہے۔"

پھر فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ سے سنا انھوں نے کہا:

"لَا أَعْرِفُ لَهُ حَدِيثًا، لَيْسَ لَهُ أَصْلٌ"

"میں اس کی کوئی حدیث نہیں جانتا، اور اس کی کوئی اصل نہیں۔"

② امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[1] جامع الترمذي، (ح: ٢٧٦٢) شعب الإيمان للبيهقي (ح: ٦٠١٩).

"أَمَّا حَدِيثُ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ... فَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ لَا يُحْتَجُّ بِهِ"[1]

"رہی عمرو بن شعیب کی روایت...تو اسے امام ترمذی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کے ساتھ دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔"

③ علامہ مبارکپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حَدِيثٌ ضَعِيفٌ لَا يُصْلَحُ لِلْاِحْتِجَاجِ"[2]

"یہ حدیث ضعیف ہے جو حجت کے لیے کارآمد نہیں ہوسکتی۔"

④ امام ابن جوزی رحمہ اللہ اس حدیث کے بعد لکھتے ہیں:

"هَذَا الْحَدِيثُ لَا يَثْبُتُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ"[3]

"یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔"

⑤ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ نے بھی یہی نقل فرمایا ہے:

"وَقَدْ ضَعَّفَ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ مُطْلَقًا جَمَاعَةٌ"[4]

"عمر بن ہارون کو ایک جماعت نے مطلقاً ضعیف کہا ہے۔"

اس روایت کے راوی عمر بن ہارون کے بارے حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ "متروک" ہے اور متروک کی روایت نہیں لی جاتی۔[5]

⑥ اسی طرح امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے متروک الحدیث کا لقب دیا۔[6]

⑦ امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا۔[7]

---

① شرح المهذب، ١/ ٣٢١.
② تحفة الأحوذي، ٨/ ٤٩.
③ العلل المتناهية، ٢/ ١٩٨.
④ فتح الباري، ١٠/ ٤٣٠.
⑤ تهذيب التهذيب، ٢، ١/ ٧٠.
⑥ الكامل لابن عدى، ٥/ ٣٠.
⑦ الجرح والتعديل، ٦/ ١٤١.

⑧ حافظ منذری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ"[1] "جمہور نے اسے ضعیف کہا ہے۔"

⑨ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ضَعَّفَهُ أَكْثَرُ النَّاسِ"[2] "اسے اکثر لوگوں نے ضعیف کہا ہے۔"

⑩ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

"اس سند کے راویوں کو ثقہ قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔"[3]

ساری بحث سے خلاصہ یہ نکلا کہ یہ روایت ضعیف جداً ہے، اور اس روایت پر عمل درست نہیں۔

دوسرا اعتراض:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

"رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا مُجَفَّلَ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ فَقَالَ: عَلَى مَا شَوَّهَ أَحَدُكُمْ أَمْسِ؟ قَالَ: وَأَشَارَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى لِحْيَتِهِ وَرَأْسِهِ يَقُولُ: خُذْ مِنْ لِحْيَتِكَ وَرَأْسِكَ"[4]

"نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا، اس کا سر اور داڑھی پراگندہ تھی، آپ نے فرمایا: کیوں تم میں سے کوئی ایک اپنے آپ کو بدنما بناتا ہے، آپ نے اس کی داڑھی اور سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، اپنی داڑھی اور سر کے بالوں سے کاٹ۔"

ازالہ:

اس کی سند سخت ترین ضعیف ہے، اس میں ابو مالک عبدالملک بن الحسین النخعی

---

① الترغيب والترهيب، ٣/ ٤٩٤.
② مجمع الزوائد، ١/ ٢٧٣.
③ فيض الباري، ٤/٣٨٠.
④ شعب الإيمان للبيهقي (ح: ٦٠٢٠)

متروک راوی ہے۔[1]

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

"رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ عَنْ شَيْخِهِ مُوسَى بْنِ زَكَرِيَّا التَّسْتُرِيّ وَهُوَ ضَعِيفٌ"[2]

"اسے طبرانی نے اپنے شیخ موسیٰ بن زکریا تستری سے بیان کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔"

تیسرا اعتراض:

صحیح بخاری میں ہے:

"وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ"[3]

"سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما جب حج کرتے یا عمرہ کرتے تو مٹھی سے زائد داڑھی کاٹ لیتے تھے۔"

امام ابوزرعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا فَضَلَ عَنِ الْقُبْضَةِ"[4]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے پھر مٹھی سے زائد

1. تقريب التهذيب (ح: ٨٣٣٧)
2. مجمع الزوائد، ٥/ ١٦٤.
3. صحيح البخاري، (ح: ٥٨٩٢)
4. أخرجه ابن أبي شيبة: (ح: ٢٥٤٨١) قال الألباني في الضعيفة: إسناده صحيح على شرط مسلم رحمہ اللہ (رقم الحديث: ٦٢٠٣)

داڑھی کو پکڑ کر کاٹ دیتے تھے۔“

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”كُنَّا نُعْفِي السِّبَالَ إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ“[1]

”سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ (ابن عمر، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما) داڑھی کے بالوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے، مگر حج یا عمرہ میں کٹوایا کرتے تھے۔“

درج بالا دلائل کی روشنی میں سیدنا ابن عمر، سیدنا ابو ہریرہ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی داڑھی کٹوانا ثابت ہوتا ہے، جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم داڑھیاں کٹوا لیتے تھے تو پھر ہمارے لیے بھی داڑھیاں کٹانا جائز و درست ہے۔

ازالہ:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو پیش کر کے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ یک مشت سے زائد داڑھی کاٹنا جائز ہے؛ ہم مختلف انداز میں اس کا جواب لکھتے ہیں:

پہلا جواب:

چونکہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ اللہ نے اسے پیدا کیا اور حق یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و فرمانبرداری کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن و حدیث میں وحی (جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے) اسی کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [الأعراف: ٣]

---

[1] سنن أبي داود، الترجل، باب في أخذ الشارب (ح: ٤٢٠١)

''جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کی اتباع کرو اور اس کے علاوہ دیگر اولیاء کی اتباع نہ کرو، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔''

اس معنی کی بہت ساری آیات واحادیث ہیں جو ہمیں یہ بتلاتی ہیں کہ ہمیں وحی کی پیروی کرنی ہے۔ اب اس امت میں وحی صرف رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی، اس کے علاوہ کسی اور صحابی وغیرہ کے پاس نہیں۔

اگر ہم اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے فرامین وارشادات سے روگردانی اختیار کرکے کسی اور (اگرچہ صحابی رضی اللہ عنہ) کی پیروی کریں گے تو یہ صریح قرآن و حدیث کی خلاف ورزی ہے۔

دوسرا جواب:

داڑھی کے کٹوانے اور نہ کٹوانے میں اب اختلاف بہرحال موجود ہے۔ اب اختلاف کو کیسے حل کرتے ہیں؟ آیئے شریعت اسلامیہ سے اس بارے میں راہنمائی لیتے ہیں۔ قرآن نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تمہارے درمیان اختلاف ہوجائے تو اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹادو۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ۖ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِى شَىْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾

[النساء: ۵۹]

''اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز

میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت اچھا ہے۔"

درج بالا آیت سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اختلاف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات وفرمودات کی روشنی میں حل کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جب بھی اختلاف ہو جاتا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹ جاتے تھے، اس کے بے شمار دلائل ہیں۔

ایک مثال دے کر بات سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها، زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ، مَاتَ وَأَبُو بَكْرٍ بِالسُّنْحِ، قَالَ: إِسْمَاعِيلُ يَعْنِي بِالْعَالِيَةِ. فَقَامَ عُمَرُ يَقُولُ: وَاللّٰهِ مَا مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، قَالَتْ: وَقَالَ عُمَرُ: وَاللّٰهِ مَا كَانَ يَقَعُ فِي نَفْسِي إِلَّا ذَاكَ، وَلَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ، فَلَيَقْطَعَنَّ أَيْدِيَ رِجَالٍ وَأَرْجُلَهُمْ، فَجَاءَ أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَّلَهُ، قَالَ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، طِبْتَ حَيًّا وَمَيِّتًا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يُذِيقُكَ اللّٰهُ الْمَوْتَتَيْنِ أَبَدًا، ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ: أَيُّهَا الْحَالِفُ عَلَى رِسْلِكَ، فَلَمَّا تَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ جَلَسَ عُمَرُ" [1]

"رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ (اپنی جاگیر) سنح یعنی مدینہ کے بالائی حصے میں تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے کھڑے ہوئے: اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے وفات نہیں پائی۔ مزید فرمایا:

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ (ح: ٣٦٦٧)

اللہ کی قسم! میرے دل میں یہی بات آئی ہے کہ آپ نے وفات نہیں پائی اور اللہ تعالیٰ آپ کو (صحت یابی کے بعد) اٹھائے گا تو آپ (موت کی باتیں کرنے والے) لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹیں گے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا، آپ کو بوسا دیا اور فرمایا: میرا باپ اور میری ماں آپ پر قربان ہوں! آپ حیات و ممات میں پاکیزہ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی دو موتوں کا مزہ نہیں چکھائے گا۔ پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور فرمایا: اے قسم اٹھانے والے! ذرا ٹھہر جا۔ جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تقریر شروع کی تو عمر رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے۔''

اس سے اگلی روایت بھی ملاحظہ فرمائیں:

''فَحَمِدَ اللّٰهَ أَبُو بَكْرٍ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَقَالَ: أَلا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا ﷺ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ، وَقَالَ: ﴿ إِنَّكَ مَيِّتٌ وَّإِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ [الزمر: ٣٠]، وَقَالَ: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ [آل عمران: ١٤٤] ، قَالَ: فَنَشَجَ النَّاسُ يَبْكُونَ''[1]

''سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا: توجہ سے

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ (ح: ٣٦٦٨)

سنو! جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کیا کرتا تھا، اسے معلوم ہونا چاہیے کہ بے شک سیدنا محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ زندہ و جاوید ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''بلاشبہ آپ مرنے والے ہیں۔'' نیز یہ آیت بھی تلاوت فرمائی: ''سیدنا محمد ﷺ صرف رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر آپ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔'' یہ سن کر لوگ بے اختیار رونے لگے۔''

دیکھیں مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی نبی کی وفات کے قائل نہ تھے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا آیات سنی اور اپنی بات سے رجوع کرلیا اور کہنے لگے یہ آیات میرے ذہن میں نہیں تھیں، لگتا ہے یہ ابھی ابھی نازل ہوئی ہیں۔

چونکہ اب ہمارے درمیان اختلاف کھڑا ہو چکا ہے کہ داڑھی قبضے سے زیادہ کٹوانی ہے کہ نہیں......؟ درج بالا قرآن مجید کی آیت کی رو سے ہم اس اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹاتے ہیں، تو ہمیں رسول اللہ ﷺ کے واضح فرمودات ملتے ہیں جس میں یہ بات ثابت ہے کہ داڑھی کو بالکل معاف کرنا چاہیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ داڑھی کو کاٹنا بالکل جائز نہیں، کیونکہ شریعت اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتی۔

تیسرا جواب:

محدثین اور علمائے کرام نے یہاں اصول حدیث کا قاعدہ ذکر کر کے ایک جواب دیا ہے۔

چنانچہ جامع ترمذی کے شارح عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وَأَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ: إِنَّهُ إِذَا زَادَ عَلَى الْقُبْضَةِ يُؤْخَذُ الزَّائِدُ، وَاسْتَدَلَّ بِآثَارِ ابْنِ عُمَرَ وَعُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہم فَهُوَ ضَعِيفٌ. لِأَنَّ أَحَادِيثَ الْإِعْفَاءِ الْمَرْفُوعَةُ الصَّحِيحَةُ تَنْفِي هَذِهِ الْآثَارَ. فَهٰذِهِ الْآثَارُ لَا تَصْلُحُ لِلْاِسْتِدْلَالِ بِهَا مَعَ وُجُودِ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ الْمَرْفُوعَةِ الصَّحِيحَةِ، فَأَسْلَمُ الْأَقْوَالِ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ بِظَاهِرِ أَحَادِيثِ الْإِعْفَاءِ وَكَرِهَ أَنْ يُؤْخَذَ شَيْئٌ مِنْ طُولِ اللِّحْيَةِ وَعَرْضِهَا، وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ“[1]

”رہا ان لوگوں کا قول جو قبضہ سے زائد داڑھی کاٹنے کا کہتے ہیں تو وہ ابن عمر، عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے استدلال کرتے ہیں۔ تو یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ مرفوع اور صحیح احادیث جو کہ داڑھی کو معاف کرنے پر دلالت کرتی ہیں ان موقوف آثار کی نفی کرتی ہیں۔ چنانچہ ان آثار کو مرفوع اور صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے حجت بنانا صحیح نہیں۔ پس سب سے درست قول اسی کا ہے جس نے ظاہر حدیث کو دیکھ کر داڑھی بڑھانے (معاف کرنے) کا کہا اور طول وعرض سے کچھ بھی کاٹنا مکروہ جانا۔“

---

[1] تحفة الأحوذي، ٨/ ٤٩.

گویا اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک طرف صریح صحیح مرفوع احادیث ہوں اور دوسری طرف بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اثار ہوں تو بات صحیح مرفوع احادیث کی ہوگی نہ کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کی۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بات کو نہ مانتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح احادیث کو مانا جائے گا اور انھیں پر عمل کیا جائے گا۔ اور ایک امتی کے لیے حکم بھی یہ ہے کہ جس کا کلمہ پڑھا ہے اسی کی بات تسلیم کرے۔

چوتھا جواب:

اصول حدیث کا ایک قاعدہ ہے:

"أَلْعِبْرَةُ بِمَا رَوَىٰ لَا بِمَا رَأَى"[1]

"اعتبار اس کا ہے جو اس (راوی) نے روایت کیا، نہ کہ جو اس کی اپنی رائے ہے۔"

راوی کی روایت کا اعتبار ہوتا ہے اس کے اجتہاد و عمل کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اسی بارے میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"جس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ حج میں مٹھی سے زیادہ داڑھی کاٹ دیا کرتے تھے، تو اس میں اس کے لیے کوئی حجت اور دلیل نہیں، کیونکہ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد تھا، جبکہ دلیل اور حجت تو ان کی روایت میں ہے نہ کہ اجتہاد میں۔ علمائے کرام نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے بعد میں سے راوی کی روایت جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو وہ ہی حجت ہے اور

---

[1] علم علل الحديث و دوره في حفظ السنة النبوية، ١ (ح: ٧٩).

جب رائے اس کی مخالف ہو تو روایت رائے پر مقدم ہوگی۔"[1]

امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَلَا يَضُرُّهُ عَمَلُ الرَّاوِي لَهُ بِخِلَافِهِ خِلَافًا لِجُمْهُورِ الْحَنَفِيَّةِ وَبَعْضِ الْمَالِكِيَّةِ لِأَنَّا مُتَعَبَّدُونَ بِمَا بَلَغَ إِلَيْنَا مِنَ الْخَبَرِ وَلَمْ نَتَعَبَّدْ بِمَا فَهِمَهُ الرَّاوِي وَلَمْ يَأْتِ مَنْ قَدَّمَ عَمَلَ الرَّاوِي عَلَى رِوَايَتِهِ بِحُجَّةٍ تَصْلُحُ لِلِاسْتِدْلَالِ بِهَا"[2]

"راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کوئی نقصان نہیں دیتا جمہور حنفیوں اور بعض مالکیوں کے (موقف کے) خلاف۔ اس لیے کہ ہم اس چیز کے مکلّف ہیں جو حدیث سے ہماری طرف پہنچا ہے اور ہم راوی کے فہم کے مکلّف نہیں، اور جس نے راوی کے عمل کو اس کی روایت پر مقدم کیا ہے وہ کوئی ایسی دلیل نہیں لایا جو قابل استدلال ہو۔"

ان دلائل اور ان جیسے مزید بے شمار دلائل کی رو سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ راوی کا ایسا فہم جو نص کے مخالف ہو، ہمارے لیے حجت نہیں ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغفور ہیں معصوم نہیں۔ بحیثیت انسان ان سے غلطی کا اِمکان ہے، اس کی مزید تفصیل آگے ذکر ہے۔

پانچواں جواب:

پانچواں جواب یہ ہے کہ یک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے میں بہرحال اختلاف ضرور موجود ہے۔ اور یہ شبہے والا معاملہ ہے اور شبہے والے کام سے

[1] فتاوی و مقالات شیخ ابن باز، ۸/ ۳۷۰.

[2] إرشاد الفحول، ۱/ ۱۵۳.

رسول اللہ ﷺ نے رُک جانے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ، وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ“[1]

”بلاشبہ حلال واضح ہے اور یقیناً حرام (بھی) واضح ہے اور ان کے درمیان (کچھ) شبہے والی چیزیں جنھیں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ سو جو شبہ والی چیزوں سے بچ گیا اس نے اپنے دین کو بھی بچا لیا اور عزت کو بھی۔ اور جو شبہے والی چیزوں میں واقع ہوگیا تو وہ حرام چیزوں میں واقع ہوگیا۔“

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے شک والی چیز سے رکنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ابوالحوراء السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سیکھا ہے تو وہ فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد کیا ہے:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ»[2]

”اس چیز کو چھوڑ دو جو تمھیں شک میں ڈالتی ہے اور اسے اختیار کرو جو تمھیں شک میں نہ ڈالے۔“

---

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب أخذ الحلال و ترك الشبهات (ح: ١٥٩٩)، صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه (ح: ٥٢)

[2] جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة و الرقائق و الورع (ح: ٢٥١٨)، قال الألباني: صحيح.

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یک مشت سے زائد داڑھی والا مسئلہ مختلف فیہ اور شک پر مبنی ہے۔ کچھ علمائے کرام مطلق اعفاء کے قائل ہیں، کچھ مشت کے بعد کاٹنے کی اجازت دیتے ہیں، کچھ عرض سے کاٹنے کو جائز کہتے ہیں تو کوئی طول فحش کو کاٹنا درست سمجھتے ہیں۔

اب دیکھتے ہیں کہ شریعتِ اسلامیہ اس بارے میں کیا کہتی ہے تو شریعت اسلامیہ کہتی ہے کہ شک والی چیز کو چھوڑ کر ایسی بات کی طرف آجائیں جو شک میں نہ ڈالتی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کے داڑھی معاف کرنے کے فرمودات بالکل واضح ہیں، لہٰذا شک والی بات ختم کرکے رسول اللہ ﷺ کے واضح اور بیّنہ ارشادات کی طرف رجوع کرتے ہوئے مکمل داڑھی رکھیں۔

چھٹا جواب:

چھٹا جواب یہ ہے کہ اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل لینا ہے تو پھر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دیگر تفردات بھی لیے جائیں۔

یاد رہے! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وہ اعمال جس میں وہ منفرد ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں، بلکہ ان کا اپنا اجتہاد ہے تو اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغفور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف کر دیا ہے۔

ہم بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غیر سنت سے متوارث اعمال پیش کرتے ہیں اور پیش کرنے کا مقصد نعوذ باللہ ان کی شان میں کسی قسم کی تنقیص ہرگز مقصود نہیں، صرف ان حضرات کو سمجھانا مقصود ہے جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل سے بطور دلیل احتجاج پکڑتے ہیں:

پہلی مثال:

سیدنا سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ایک آدمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ اکٹھا کرنے کے بارے میں پوچھا۔ تو انھوں نے کہا: ''جائز ہے۔''

شامی کہنے لگے: ''کہ آپ کے باپ اس سے منع کیا کرتے تھے۔''

تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ أَبِي نَهَى عَنْهَا وَصَنَعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، أَأَمْرَ أَبِي نَتَّبِعُ؟ أَمْ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟''[1]

''کیا خیال ہے تمھارا اگر میرے باپ اس کام سے منع کریں اور اسے رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو؟ کیا ہم اپنے باپ کی بات کو مانیں یا رسول اللہ ﷺ کی بات کو؟''

ملحوظہ:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک سفر میں اکٹھا حج وعمرہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔ اب یہ صحابی رسول کا عمل ہے...... عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی داڑھی والی بات پر عمل کرنے والوں کے لیے پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی یہ بات ماننا بھی ضروری ہوگی، کیونکہ اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابی ہیں تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، مقام ومرتبہ میں ان سے کہیں آگے ہیں، خلیفہ ثانی ہیں...... مگر افسوس کی بات ہے کہ اپنی مرضی کی بات مان لی جاتی ہے اور جو مرضی کے خلاف ہو اسے نظر انداز کر دیا جاتا ہے......!!

دوسری مثال:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

[1] جامع الترمذي، التمتع، باب ما جاء في التمتع (ح: ٨٢٤)، قال الألباني: صحيح.

"كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ"[1]

"رسول اللہ ﷺ کے دور میں، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور میں اور عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے پہلے دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی ہوا کرتی تھیں۔ تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: لوگوں نے ایسے کام میں جلد بازی شروع کر دی ہے جس میں ان کے لیے تحمل اور سوچ و بچار (ضروری) تھا۔ اگر ہم اس (عجلت) کو ان پر نافذ کر دیں (تو شاید وہ تحمل سے کام لینا شروع کر دیں) اس کے بعد انھوں نے اسے ان پر نافذ کر دیا۔"

ملحوظہ:

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پہلے دو سال تک رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ بعد میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اکٹھی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کر لیا۔ اور یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ذاتی موقف تھا...... اب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی داڑھی والی بات کو لینے والوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اس بات پر عمل کرتے ہوئے اکٹھی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کریں!!!

تیسری مثال:

نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم، الطلاق، باب طلاق الثلاث (ح: ١٤٧٢)

"كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما: إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ لَمْ يَتَكَلَّمْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ، فَأَخَذْتُ عَلَيْهِ يَوْمًا، فَقَرَأَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى مَكَانٍ، قَالَ: تَدْرِي فِيمَ أُنْزِلَتْ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: أُنْزِلَتْ فِي كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ مَضَى"[1]

"جب ابن عمر رضی اللہ عنہما قرآن پڑھتے تو اور کوئی لفظ زبان پر نہ لاتے، یہاں تک کہ تلاوت سے فارغ ہو جاتے۔ ایک دن میں (قرآنِ مجید لے کر) ان کے سامنے بیٹھ گیا اور انھوں نے سورۃ البقرۃ کی تلاوت شروع کی، جب اس آیت ﴿فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ﴾ پر پہنچے تو فرمایا: معلوم ہے یہ آیت کس بارے میں نازل ہوئی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ فلاں فلاں چیز (یعنی عورت سے پیچھے کی طرف سے جماع کرنے) کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور پھر تلاوت کرنے لگے۔"

ملحوظہ:

ایک مشت سے زائد داڑھی والے مسئلے میں اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی بات کو لینا ہے تو پھر درج بالا مسئلہ میں بھی ان کی بات کو لیجیے......لیکن افسوس اس مسئلے میں تو سارے ملعون ملعون کے فتوے صادر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ فتدبر......!!!

چوتھی مثال:

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے عروہ رحمہ اللہ سے سوال کیا:

"مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ فِي السَّفَرِ؟ قَالَ: إِنَّهَا تَأَوَّلَتْ كَمَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ"[2]

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿نساءكم حرث لكم﴾ (ح: ٤٥٢٦)

[2] صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين وقصرها (ح: ٦٨٥)

"سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا موقف ہے، وہ سفر میں پوری نماز کیوں پڑھتی تھیں؟ انھوں نے کہا: انھوں نے اس کا ایک مفہوم لے لیا ہے جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ نے لے لیا۔"

ملحوظہ:

ایک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے والے اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کو دیکھتے ہوئے داڑھی کٹواتے ہیں تو ان سے گزارش ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے عمل کو دیکھتے ہوئے سفر میں پوری نماز پڑھا کریں، کیونکہ وہ سفر میں پوری نماز پڑھتی تھیں۔ عجیب بات ہے ایک صحابی کی ایک بات کو تو مان لیا جاتا ہے اور دوسرے صحابی یا صحابیہ کی بات کو نہیں مانا جاتا۔ عجیب انصاف......!!!

پانچویں مثال:

علقمہ اور اسود رحمہما اللہ سیدنا عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے تو انھوں نے (علقمہ و اسود سے) پوچھا:

"أَصَلَّى مَنْ خَلْفَكُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَامَ بَيْنَهُمَا، وَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ رَكَعْنَا......فَلَمَّا صَلَّى، قَالَ: هَكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ"[1]

"جو تمھارے پیچھے ہیں انھوں نے نماز پڑھ لی؟ دونوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر وہ دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے، ان میں سے ایک کو اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو اپنی بائیں طرف (کھڑا) کیا، پھر ہم

[1] صحيح مسلم، المساجد وموضع الصلاة، باب الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع ونسخ التطبيق (ح: ٥٣٤)

نے رکوع کیا...... جب نماز پڑھ چکے تو کہا: رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا۔''

ملحوظہ:

اگر یک مشت سے زائد داڑھی کٹوانا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل تھا تو یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل تھا کہ وہ اگر تین بندے ہوتے تو ایک کو دائیں اور ایک کو بائیں کھڑا کر کے خود درمیان میں کھڑے ہوکر نماز پڑھاتے...... اگر داڑھی والے عمل کو ماننا ہے تو اس عمل کو بھی ماننا چاہیے، کیونکہ یہ بھی کا عمل ہے۔ لیکن تحیر ہے، اس سنت پر تو عمل جاری ہے، بلکہ ٹھونس کر عمل کروایا جاتا ہے مگر اس سنت پر عمل کوئی بھی نہیں کرتا......!!!

چھٹی مثال:

علقمہ اور اسود رحمہما اللہ سیدنا عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے تو انھوں نے (علقمہ واسود سے) پوچھا:

"أَصَلَّى مَنْ خَلْفَكُمْ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَامَ بَيْنَهُمَا، وَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ رَكَعْنَا، فَوَضَعْنَا أَيْدِينَا عَلَى رُكَبِنَا فَضَرَبَ أَيْدِينَا، ثُمَّ طَبَّقَ بَيْنَ يَدَيْهِ، ثُمَّ جَعَلَهُمَا بَيْنَ فَخِذَيْهِ، فَلَمَّا صَلَّى، قَالَ: هٰكَذَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ" [1]

''جو تمھارے پیچھے ہیں انھوں نے نماز پڑھ لی؟ دونوں نے کہا: جی ہاں۔ پھر وہ دونوں کے درمیان کھڑے ہوئے، ان میں سے ایک کو

[1] صحيح مسلم، المساجد وموضع الصلاة، باب الندب إلى وضع الأيدي على الركب في الركوع ونسخ التطبيق (ح: ٥٣٤)

اپنی دائیں طرف اور دوسرے کو اپنی بائیں طرف (کھڑا) کیا، پھر ہم نے رکوع کیا، تو ہم نے رکوع میں اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے، انھوں نے ہمارے ہاتھوں پر (ہلکا سا) مارا، پھر اپنے دونوں ہاتھ جوڑ لیے اور ان کو اپنی رانوں کے درمیان رکھا، جب نماز پڑھ چکے تو کہا: رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح کیا۔"

ملحوظہ:

اگر یک مشت سے زائد داڑھی کٹوانا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل تھا تو یہ بھی صحابیِ رسول کا عمل تھا کہ وہ حالتِ رکوع میں اپنے ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے کے بجائے دونوں رانوں کے درمیان میں رکھتے تھے ...... اگر داڑھی والے عمل کو ماننا ہے تو اس عمل کو بھی ماننا چاہیے۔ لیکن تحیر ہے داڑھی والے عمل کو تو فوراً مان لیتے ہیں اور اس عمل کی طرف دیکھتے بھی نہیں......!!!

ساتویں مثال:

عبدالرحمٰن بن یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ: يَحُكُّ الْمُعَوِّذَتَيْنِ مِنْ مَصَاحِفِهِ، وَيَقُولُ: إِنَّهُمَا لَيْسَتَا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ"[1]

"عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہما) مصحف سے معوذتین کو کھرچ دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے: یہ اللہ کی کتاب میں سے نہیں ہیں۔"

ملحوظہ:

اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صحابی رسول ہیں تو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما بھی صحابی

[1] مسند أحمد، ٣٥/ ١١٧ (ح: ٢١١٨٨)، المعجم الكبير للطبراني (ح: ٩١٥٠)، مسند البزار (ح: ١٥٨٦)، مسند أبي يعلى الموصلي (ح: ٤١٩٨)، إسناده صحيح.

رسول ہیں۔ اگر ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سنت پر عمل کرتے ہوئے داڑھی کٹوانی ہے تو ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے معوذتین کو قرآن مجید کا حصہ بھی نہیں ماننا چاہیے۔ یا للعجب اس پر بھی داڑھی کاٹنے والا عمل نہیں کرتا......!

آٹھویں مثال:

امام نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما يَجْلِسُ عَلَى الْقُبُورِ" ①

"ابن عمر رضی اللہ عنہما قبروں پر بیٹھ جاتے تھے۔"

ملحوظہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل ہے کہ وہ قبروں پر بیٹھ جاتے تھے، لہٰذا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے داڑھی والی بات کو ماننے والوں کے لیے قبروں پر بیٹھنا بھی جائز ہوگا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اگر اب کوئی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی سنت پر عمل کرتے ہوئے قبر پر بیٹھ جائے تو اس پر بڑے بڑے فتوے صادر کیے جاتے ہیں......!!!

یہ چند مثالیں پیش کی ہیں جن کا مقصد صحیح بات کو سمجھانا ہے نہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے ادبی اور تنقیص کرنا۔ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغفور ہیں معصوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہی ان کی تمام خطاؤں کو معاف کر دیا ہے اور ان سے راضی ہو گیا ہے۔

قارئینِ کرام! دینِ اسلام بہت آسان سا دین ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اتباع اور فرمانبرداری کرتے رہیں اور اسی بات کا ہمیں حکم ملا ہے۔ اگر ہم

① صحيح البخاري، الجنائز، باب الجريد على القبر (قبل رقم الحديث: ١٣٦١)

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا بعض دیگر ائمہ کرام کے آثار پر عمل کرنا شروع کر دیں تو پھر بہت ساری اور باتیں بھی ماننا پڑیں گی۔

لیکن حیرانی ہے ان لوگوں پر جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک عمل کو بنیاد بنا کر داڑھی کٹواتے رہتے ہیں، لیکن انھیں کے بعض دیگر تفردات پر عمل نہیں کرتے!

قابلِ غور بات:

جن بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے داڑھی کٹوانا ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتہادی و صریح غلطیاں معاف ہیں اور وہ مغفور ہیں، لیکن اگر کوئی ہم میں سے مسئلہ کو جانتے ہوئے بھی داڑھی کٹواتا رہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فرامین کی مخالفت کرتے رہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو مغفور ہیں لیکن ہمیں تو یہ براہِ راست سرٹیفکیٹ نہیں ملا......!!!

چوتھا اعتراض:

اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی ایک مشت سے زیادہ نہیں تھی، اس لیے آپ نے نہیں کٹوائی اگر زیادہ ہوتی تو ضرور کٹواتے......!

ازالہ:

اس سوال کے جواب سے قبل ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کو دیکھتے ہیں کہ وہ کیسی تھی......؟

صفحہ نمبر (۳۴) پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی پر مشتمل مضمون دیکھا جائے۔

ملحوظہ:

دلائل و براہین کی رو سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک ایک مشت سے زیادہ (یعنی کہ قدرے لمبی) تھی۔ اگر ایک مشت تک یا اس سے بھی چھوٹی

ہوتی تو نماز میں پیچھے کھڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو داڑھی کے ہلنے کا کیسے پتا چلتا......؟ چھوٹی داڑھی تو اتنی زیادہ نہیں ہلتی کہ پیچھے کھڑے لوگوں کو نظر آجائے......! داڑھی کچھ لمبی ہی تھی، تبھی تو سادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے "کثیر اللحیة و کبیر اللحیة" کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔

لہٰذا یہاں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک لمبی تھی اور اصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی اپنی داڑھی مبارک نہیں کٹوائی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نہیں کٹوائی تو ہمارے لیے کیسے روا ہوگا کہ ہم ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹ دیں......؟

اب آتے ہیں اصل سوال کی طرف تو اس کا جواب دو طرح سے ہے:

① پہلی بات ہی غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی ایک مشت سے زیادہ نہیں تھی۔ کسی بھی صحیح روایت سے یہ بات ثابت نہیں ہوسکتی کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک ایک مشت سے زیادہ نہیں تھی۔ کیونکہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک قدرے لمبی تھی۔ جیسا کہ ہم سابقہ بحث میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک نہ زیادہ چھوٹی تھی اور نہ ہی زیادہ بڑی۔ یزید فارسی کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک سینے تک تھی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی ساری زندگی داڑھی کا ایک بال بھی نہیں کٹوایا۔

② دوسری بات یہ کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی داڑھی ایک مشت سے زیادہ ہوتی تو ضرور کاٹتے۔" یہ بھی واضح رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہے، جس کی اصل نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث رسول ﷺ میں۔ درج بالا دعویٰ تب ثابت

ہوتا جب رسول اللہ ﷺ خود فرمادیتے کہ میری داڑھی چھوٹی ہے، اگر قبضہ سے زیادہ ہوتی تو میں کاٹ لیتا، جیسا کہ عاشورہ کے روزے کی بابت فرمایا کہ اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو ۱۰ کا روزہ رکھوں گا، لیکن ایسی بات کسی بھی صحیح کیا ضعیف روایت میں بھی نہیں ملتی۔ جب رسول اللہ ﷺ کا ایسا کوئی فرمان نہیں ہے تو پھر ہم غیب تو نہیں جانتے کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے قبضہ سے زیادہ داڑھی کٹوائی تھی...... لہٰذا ان کا یہ دعویٰ بھی بے بنیاد اور بے حقیقت ہے۔

پانچواں اعتراض:

اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کام خلاف سنت تھا تو موجودہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو منع نہیں کیا...... اس سے ثابت ہوا کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اسے اچھا سمجھتے تھے......!

ازالہ:

اس میں چار باتیں یاد رکھیں:

① کسی صحابی کا کسی دوسرے صحابی کا کام دیکھ کر خاموش رہنا تقریری حدیث نہیں بن سکتا، یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

ڈاکٹر محمود الطحان لکھتے ہیں:

"اَلتَّقْرِيرِيُّ: أَنْ يَقُولَ الصَّحَابِيُّ: فُعِلَ بِحَضْرَةِ النَّبِيِّ ﷺ كَذَا، وَلَا يُرْوَى إِنْكَارُهُ لِذَٰلِكَ الْفِعْلِ" [1]

"تقریری حدیث وہ ہوتی ہے کہ صحابی کہے کہ (یہ کام) نبی ﷺ کی

[1] تیسیر مصطلح الحدیث، ۱/ ۱۶۱.

موجودگی میں کیا گیا اور اس فعل کے لیے آپ کا انکار مروی نہ ہو۔“

تقریری روایت صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص ہے کسی صحابی کی تقریری روایت قابلِ حجت نہیں۔

۲ دوسری بات یہ ہے کہ پہلے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ واقعی کسی صحابی نے اس کام سے منع نہیں کیا۔ اس بارے میں کسی تابعی کا قول ہو یا کسی صحابی کی تصریح ہو کہ قبضہ سے زائد داڑھی کٹوانے والوں کے عمل کی کسی صحابی سے بھی نکیر نہیں ملتی...... لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

۳ ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بہت سارے ایسے مسائل ہیں جس میں غلط کام پر سادات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نکیر موجود ہے، مگر بعض ایسے مسائل بھی موجود ہیں، جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نکیر موجود نہیں۔ صرف ایک مثال دے کر بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”مُطِرْنَا بَرَدًا وَأَبُو طَلْحَةَ صَائِمٌ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُ، قِيلَ لَهُ: أَتَأْكُلُ وَأَنْتَ صَائِمٌ؟ قَالَ: إِنَّمَا هَذَا بَرَكَه“[1]

”ایک مرتبہ اولے پڑے، سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ وہ روزے کے باوجود اولے کھانے لگے۔ کسی نے کہا آپ روزہ کی حالت میں کھا رہے ہیں؟ فرمانے لگے: یہ تو برکت ہے۔“

کیا اس سے روزہ دار کے لیے اولے کھانے کا جواز کشید کرنا درست ہوگا؟ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا فعل ہے۔ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ہے اور انس رضی اللہ عنہ

[1] مسند أحمد، ٢١/ ٣٩٢ (ح: ١٣٩٧١)، قال شعيب الأرناؤوط: إسناده صحيح.

سمیت کسی بھی صحابی سے سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل پہ نکیر بھی ثابت نہیں ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی توجیہ بھی جید سند سے نقل کی ہے کہ وہ فرماتے تھے:

"لَيْسَ هُوَ بِطَعَامٍ وَلَا بِشَرَابٍ"[1] "نہ تو یہ کھانا ہے اور نہ ہی مشروب۔"

تو کیا ہم اسے اجماع سکوتی کہہ کر روزہ دار کے لیے اولے کھانے کا فتوی صادر کر دیں؟ اور کہیں کہ قرآن میں روزہ دار کو کھانے پینے سے منع کیا گیا ہے اور ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے فہم کے مطابق جس پہ کسی صحابی نے تنقید نہیں فرمائی، برف کھانے کو استثناء حاصل ہے۔ بلکہ ہر وہ چیز جو معروف طور پہ مشروب یا طعام نہیں نگلی جا سکتی ہے......!

④ چوتھی بات یہ ہو سکتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صریح الفاظ میں داڑھی کٹوانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو داڑھی نہ کاٹنے کا نہ کہتے ہوں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ عمل ملتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بندے میں کوئی خامی دیکھتے تو نام لے کر برائی سے نہ روکتے بلکہ مطلق طور پر کہتے:

"مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَفْعَلُوْنَ كَذَا وَكَذَا"

"قوموں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ فلاں فلاں (کام) کر رہے ہیں۔"

تو ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے داڑھی کٹوانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صریح الفاظ میں تو نہ کہتے، بلکہ جب ان کے عمل کو دیکھتے یا تو داڑھی کو معاف کرنے والی حدیث پڑھ دیتے یا کوئی اور انداز اختیار کر لیتے۔

---

[1] شرح مشكل الآثار، ٥/ ١١٥.

چھٹا اعتراض:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بہت زیادہ سنت رسول ﷺ کی پیروی کرنے والے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ قطعاً بھی خلاف شریعت کام نہیں کر سکتے تھے، یقیناً کاٹنے کا جواز موجود تھا، تبھی آپ نے داڑھی کٹوائی ہے۔

ازالہ:

اس میں تین باتیں یاد رکھنے والی ہیں:

1. ہم مانتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متبع سنت تھے اور زندگی بھر سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی کوششیں کرتے رہے، مگر ایک قاعدہ یاد رکھیں کہ ہمارا ایمان ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معصوم نہیں مغفور ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ ہر کسی سے غلطی کا امکان موجود ہے۔ غلطی سے مبرا معصوم ذاتیں صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی ہیں ان کے علاوہ کسی کو یہ مقام نہیں بخشا گیا۔ بتقاضائے بشریت بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی صریح وغیر صریح غلطیاں ہوئی ہیں، جیسے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح چند ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے داڑھی کٹوانے میں بھی غلطی ہوئی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔
2. دوسری بات یہ ہے کہ انسان غلطیوں کا پتلا ہے۔ کائنات کے پہلے شخص ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام سے سب سے پہلے غلطی ہوئی اور یہ غلطی پھر انسان کی فطرت میں رکھ دی گئی، کیونکہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ»[1]

[1] جامع الترمذي، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع (ح: ٢٤٩٩) سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر التوبة (ح: ٤٢٥١)، قال الألباني: حسن.

''آدم کا ہر بیٹا گناہ گار ہے اور بہترین غلطی کرنے والے توبہ کر لینے والے ہیں۔''

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان سے خطا و نسیان کا صدور ناگزیر ہے۔ اب ہم سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس فعل کو ان کی اجتہادی غلطی شمار کریں گے جسے اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے۔

چونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے، امت میں سے ان کے مقام و مرتبہ کو کوئی شخصیت نہیں پہنچ سکتی۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب بہت زیادہ متبع سنت تھے تو اللہ تعالیٰ نے نبی اور امتی میں فرق تو رکھنا ہے کہ نبی معصوم عن الخطا ہوتا ہے؛ جبکہ امتی سے غلطی ہو سکتی ہے۔

٣ اور تیسری بات یہ کہ ''یقیناً کاٹنے کا جواز تھا تبھی آپ رضی اللہ عنہ نے داڑھی کٹائی تھی۔'' اس کا جواب یہ ہے:

أولاً: اگر جواز ہوتا تو اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور کوئی نہ کوئی صراحت موجود ہوتی جو کہ کہیں بھی مذکور نہیں۔

ثانیاً: اگر جواز نکل سکتا ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبضہ سے زیادہ داڑھیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کٹواتے، لیکن ایسا عمل بھی کہیں مذکور نہیں۔

ثالثاً: کسی صحابی نے اپنی زندگی میں یہ نہیں کہا کہ یک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے اگرچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کٹوانا ثابت ہے مگر وہ ان کا اپنا ذاتی فعل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یا عمل نہیں۔

ساتواں اعتراض:

یہ بھی اعتراض پیش کیا جاتا ہے کہ راوی اپنی روایت کو زیادہ سمجھتا ہے اور راوی

کا فہم زیادہ معتبر ہوتا ہے، لہٰذا یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فہم تھا کہ وہ اپنی بیان کردہ روایت کی عملی تفسیر کر کے دکھاتے ہیں کہ داڑھی کو معاف کرنے کا مطلب ایک مشت تک ہے۔ لہٰذا اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ داڑھی ایک مشت تک ہی اصل ہے۔

ازالہ:

سابقہ اعتراضات کی طرح یہ اعتراض بھی بے بنیاد و بے حقیقت ہے۔ ضروری نہیں کہ راوی اپنی روایت کو زیادہ سمجھنے والا ہو۔ چنانچہ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَلَا يَضُرُّهُ عَمَلُ الرَّاوِي لَهُ بِخِلَافِهِ خِلَافًا لِجُمْهُورِ الْحَنَفِيَّةِ وَبَعْضِ الْمَالِكِيَّةِ لِأَنَّا مُتَعَبَّدُونَ بِمَا بَلَغَ إِلَيْنَا مِنَ الْخَبَرِ وَلَمْ نَتَعَبَّدْ بِمَا فَهِمَهُ الرَّاوِي وَلَمْ يَأْتِ مَنْ قَدَّمَ عَمَلَ الرَّاوِي عَلَى رِوَايَتِهِ بِحُجَّةٍ تَصْلُحُ لِلِاسْتِدْلَالِ بِهَا"[1]

"راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کوئی نقصان نہیں دیتا جمہور حنفیوں اور بعض مالکیوں کے (موقف کے) خلاف۔ اس لیے کہ ہم اس چیز کے مکلّف ہیں جو حدیث سے ہماری طرف پہنچا ہے اور ہم راوی کے فہم کے ہم مکلّف نہیں، اور جس نے راوی کے عمل کو اس کی روایت پر مقدم کیا ہے وہ کوئی ایسی دلیل نہیں لایا جو قابلِ استدلال ہو۔"

یہ تو تھی امام شوکانی رحمہ اللہ کی بات، اب اس بات کو مزید سمجھنے کی لیے ہم چند احادیث کی طرف نظر دوڑاتے ہیں، امید واثق ہے بات واضح ہو جائے گی:

پہلی مثال: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مسئلہ رضاعت میں مروی حدیث ہے:

[1] إرشاد الفحول، ١/ ١٥٣.

«إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ»[1]

''رضاعی رشتہ بھوک کی وجہ سے دودھ پینے پر قائم ہوتا ہے۔''

اب اس حدیث کی راویہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہے کہ بچہ جب اس عمر میں دودھ پیئے جس عمر میں دودھ سے اس کی بھوک مٹ جاتی ہے یعنی مدت رضاعت میں تو پھر رضاعی رشتہ ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی دودھ پیئے تو رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن انکا اپنا فتوی اس بیان کردہ روایت کے مخالف تھا، وہ رضاعت کبیر کی قائل تھیں کہ بڑی عمر کا بالغ شخص بھی اگر کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ اس عورت کا رضاعی بیٹا بن جائے گا۔[2]

تو کیا یہاں بھی یہ کہا جائے گا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی بیان کردہ روایت کو زیادہ سمجھتی تھیں اور رضاعتِ کبیر کے بارے میں ان کا فتوی اس مرفوع روایت کا ان کا فہم ہے؟ عجیب بات ہے یہاں ان کے فہم کو کوئی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فہم کو قبول کرنے کے لیے فوراً تیار...... آخر کیوں......؟؟؟

دوسری مثال: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان فرماتے ہیں:

''إِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ أُمَّتِي يُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِينَ مِنْ آثَارِ الْوُضُوءِ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ»''[3]

---

[1] صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب والرضاع المستفيض والموت القديم (ح: ٢٦٤٧)، صحيح مسلم، الرضاع، باب إنما الرضاعة من المجاعة (ح: ١٤٥٥)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: سنن أبي داود، النكاح، باب من حرم به (ح: ٢٠٦١)

[3] صحيح البخاري، الوضوء، باب فضل الوضو والغر المحجلين من آثار الوضوء (ح: ١٣٦)، صحيح مسلم، الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة والتحجيل (ح: ٢٤٦)

"بلاشبہہ میں نے نبی ﷺ کو سنا وہ فرما رہے تھے کہ یقیناً روز قیامت میری امت بلائی جائے گی، وضو کے آثار کی وجہ سے پانچ کلیاں چمک رہے ہوں گے۔ سو تم میں سے جو چمک کو لمبا کرنا چاہتا ہے تو وہ (دھونے میں زیادتی) کرے۔"

سیدنا ابو حازم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كُنتُ خَلْفَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَهُوَ يَتَوَضَّأُ، وَهُوَ يَمُدُّ الْوُضُوءَ إِلَى إِبْطِهِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، مَا هٰذَا الْوُضُوءُ؟ قَالَ: يَا بَنِي فَرُّوخَ، أَنْتُمْ هَاهُنَا لَوْ عَلِمْتُ أَنَّكُمْ هَاهُنَا مَا تَوَضَّأْتُ هٰذَا الْوُضُوءَ، إِنِّي سَمِعْتُ خَلِيلِي يَقُولُ: تَبْلُغُ الْحِلْيَةُ مِنَ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ يَبْلُغُ الْوُضُوءُ"[1]

"میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے تھا اور وہ وضو کر رہے تھے اور وہ وضو کو بغلوں تک لمبا کرتے، میں نے کہا اے ابو ہریرہ! یہ کس طرح کا وضو ہے؟ انھوں نے جواب دیا: اے فروخ کی اولاد! تم یہاں ہو؟ اگر مجھے علم ہوتا کہ تم یہاں ہو تو میں ایسا وضو نہ کرتا۔ یقیناً میں نے اپنے خلیل ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: مومن کا زیور وہاں پہنچے گا جہاں اس کے وضو کا پانی پہنچے گا۔"

ملحوظہ:

درج بالا حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور حدیث بیان کرنے کے بعد فرمایا: "فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يُطِيلَ غُرَّتَهُ فَلْيَفْعَلْ" اب

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب تبلغ الحلية حيث يبلغ الوضوء (ح: ٢٥٠)، مسند أحمد، ١٤/ ٤٣٥ (ح: ٨٨٤٠)

دیکھیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا فہم دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے اور وہ اپنے اس فہم پر عمل کرتے ہوئے وضو کے اعضاء کو مقررہ حد سے زیادہ دھوتے تھے۔ تو کیا یہاں بھی مذکورہ قاعدہ لگا کر وضو کے زیادہ اعضاء دھونے کا فتویٰ صادر کیا جائے گا......؟!!

آٹھواں اعتراض:

تابعی جلیل جناب عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

"كَانُوا يُحِبُّونَ أَنْ يُعْفُوا اللِّحْيَةَ إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ" [1]

"وہ (ہمارے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام) حج و عمرے کے موقع پر اپنی مشت سے زائد داڑھیاں کاٹنا پسند کیا کرتے تھے۔"

اس اثر کے تحت یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشت کے بعد داڑھیاں کٹواتے تھے، اسی طرح تابعین و تبع تابعین کرام بھی۔

ازالہ:

اس میں چند باتیں قابلِ غور ہیں:

① پہلی بات یہ ہے کہ یہ بات نہ قرآن مجید کی ہے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی مرفوع حدیث ہے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ جس روایت کو بنیاد بنا کر اعتراض کیا گیا ہے اس کا ترجمہ ہی درست نہیں۔ ترجمہ اصل میں اس طرح ہوگا:

"وہ (یعنی جن کے بارے میں داڑھی کٹوانا منقول ہے) حج و عمرہ کے علاوہ داڑھی بڑھانے (معاف کرنے) کو پسند کرتے تھے۔"

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة، الرقم: ٢٥٨٢، سنده صحيح.

③ تیسری بات یہ ہے کہ "کانوا" سے مراد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم نہیں، بلکہ اس سے مراد بعض وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم جن کے بارے میں ذکر ہے کہ وہ داڑھیاں کٹواتے تھے۔

④ چوتھی بات یہ ہے کہ اس سے پھر بھی داڑھی کی حد متعین نہیں ہوئی کہ ایک مشت ہی ہے۔ ممکن ہے بعض عرض سے، کچھ طول فحش اور بعض رخساروں سے کٹواتے ہوں......!

وکتبہ

زبیر بن خالد مرجالوی

۱۸/ جمادي الثاني ۱٤۳۸ھ

باب دوم:

یک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کو جائز کہنے والے علمائے کرام

مجوزین علمائے کرام

الشیخ عبدالحمید ہزاروی ﷾ (مہتمم وشیخ الحدیث: جامعہ محمدیہ، گوجرانوالہ):

ایک مشت داڑھی کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا آتا ہے کہ وہ قبضے سے داڑھی کٹا دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جو منقول ہے کہ آپ ﷺ طول وعرض سے داڑھی کٹاتے تھے وہ روایت ضعیف ہے، صحیح نہیں۔ بس صحابی کا عمل ہے، اگر کوئی اسے بنیاد بنا کر ایک مشت کے بعد داڑھی کٹا دیتا ہے تو اس میں کوئی حرج والی بات نہیں ہے۔

صحابی کے ایسے فعل کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ جب تک صحابی کے پاس جواز نہ ہو تو وہ عمل نہیں کرتا۔ ایک مشت کے بعد داڑھی کٹانے کی یہاں سے بھی دلیل لی جاسکتی ہے کہ ایسی کوئی بھی روایت نہیں کہ جو داڑھی کو کٹائے گا، اسے فلاں عذاب ہوگا، فلاں سزا دی جائے گی۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ داڑھیوں کو معاف کردو اور مونچھوں کو کٹاؤ۔ مزید یہ نہیں آتا کہ جو کٹائے گا اسے فلاں سزا دی جائے گی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مشت سے زائد داڑھی کٹانا جائز ہے۔ بڑے حافظ صاحب شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ بھی ایک مشت کے بعد داڑھی کٹا دیتے تھے تو کسی نے گوندلوی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ داڑھی کٹا دیتے ہیں تو شیخ رحمہ اللہ فرمانے لگے: کیا ہم وحشی بن کر رہیں......؟

الشیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ (ادارۃ العلوم الأثریہ، فیصل آباد):

داڑھی مکمل رکھنی چاہیے۔ ویسے یک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے میں کوئی حرج نہیں۔ بڑے حافظ صاحب (محدث العصر حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ) بھی اسی کے قائل و فاعل تھے۔

اور جو صحابہ کرام مکمل داڑھیاں رکھتے تھے تو ان کے عمل سے مرفوع روایات کی تائید ہوتی ہے۔ ہماری رائے جواز کی ہے، [تاہم محدث الالبانی اور احناف کا موقف درست نہیں]۔

الشیخ مولانا محمد یونس بٹ حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: جامعہ سلفیہ، فیصل آباد):

جواز کی حد تک تو درست ہے؛ تاہم مسنون نہیں۔

الشیخ طاہر اسلام عسکری حفظہ اللہ (خریج: جامعہ لاہور الاسلامیہ):

افضل اور بہتر یہی ہے کہ داڑھی کو بالکل نہ ترشوایا جائے اور اسے مطلق چھوڑ دیا جائے، البتہ ایک مٹھی سے زائد کتروانا سیدنا ابن عمر اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، اس لیے یہ بھی جائز ہے۔

اس سلسلے میں ایک قابلِ غور نکتہ یہ بھی ہے کہ اگر داڑھی مطلق رکھنا واجب ہوتی اور ترشوانا حرام ہوتی تو کوئی دوسرے صحابی لازماً ان پر استدراک فرما دیتے، جیسا کہ بہت سارے مسائل میں ایسے ہوا ہے، مثلاً متعہ کا مسئلہ کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کے جواز کا انکار منقول ہے۔ پھر داڑھی ترشوانا حج کے علاوہ بھی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، چنانچہ موطأ امام مالک میں یہ روایت موجود ہے کہ جس سال حج کا ارادہ ہوتا تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما حج سے پہلے داڑھی نہ ترشواتے۔

الشیخ پروفیسر ریحان معظم ہاشمی حفظہ اللہ

داڑھی کے لیے جو مختلف شرعی حکم ہیں اور جس حیثیت سے ہیں، ان کی رو سے داڑھی رکھنا واجب ہے۔[1]

اس کو نہ رکھنے والا سخت گناہ گار ہے، کیونکہ سید المرسلین ﷺ نے داڑھی نہ رکھنے والوں پر لعنت کی ہے۔[2]

داڑھی کی حد:

مسلمانوں کے علاوہ مشرک، مجوسی یا یہودی، عیسائی داڑھی مونڈتے تھے یا بہت چھوٹی رکھتے تھے۔ اور مونچھیں بڑی بڑی رکھتے تھے۔ ہمارے آقا اور سید جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔[3]

احادیث میں «أعفو»، «کثروا»، «أرخوا»، «وفروا» کے الفاظ داڑھی کے لیے آئے ہیں، جن کا معنی زیادہ کرنا اور بڑھانا ہے۔ چنانچہ امام ابن الاثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِنَّهُ أَمَرَ بِإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ هُوَ أَنْ يُوَفَّرَ شَعْرُهَا وَلَا يُقَصُّ كَالشَّوَارِبِ مِنْ عَفَا الشَّيْءُ إِذَا كَثُرَ وَزَادَ"[4]

"حدیث میں «إعفاء اللحية» کا حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ داڑھی کے بالوں کو زیادہ کیا جائے اور مونچھوں کی طرح نہ کاٹا جائے۔

یہ «إعفاء الشيئ» سے ہے جس کا معنی کثیر ہونا اور زیادہ ہونا ہے۔"

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، صحيح مسلم، الطهارة.

[2] طبري، البداية والنهاية، فقه السيرة للإمام غزالي. امام البانی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے۔

[3] سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني: (ح: ١٢٤٥/ ٢٨٣٤)

[4] النهاية، ٣/ ٢٦٦.

یعنی داڑھی بالکل نہ کاٹی جائے یہ اعفاء کا معنی نہیں ہے۔ جو ہمارے عام واعظ حضرات اور علمائے کرام بیان کرتے ہیں اور استدلال کے طور پر اس جیسی دعا کو لے آتے ہیں: "واعف عنا" یعنی "اے اللہ ہم سے درگزر فرما۔" یعنی ہمیں پورے کا پورا معاف کر دے، ہمیں کوئی سزا نہ دے۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ داڑھی نے کون سا گناہ کیا ہے کہ اسے ایسی معافی چاہیے اور معاف کرنے والی ان کی یہ دلیل درست نہیں۔ اس لیے کہ اعفاء کی نسبت جب «اللحية» کی طرف ہو یا کسی چیز کی طرف ہو تو اس کا معنی کثرت اور زیادہ ہونا ہوتا ہے، نہ کہ اسے بالکل کچھ نہ کہا جائے۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی "إعفاء اللحية" کے تحت اعفاء کا معنی متعین کرنے کے لیے قرآن مجید کی آیت سے استدلال کیا ہے اور باب قائم کیا ہے:

"بَابُ إِعْفَاءِ اللِّحَى (عفو) كَثُرُوْا وَكَثُرَتْ أَمْوَالُهُمْ"

"باب ہے داڑھی کو بڑھانے کے بارے میں۔ عفو کا معنی بہت ہوئے وہ، یا بہت ہوئے ان کے مال۔"

تفسیر جلالین میں بھی «حتى عفوا كثروا» کا معنی یعنی زیادہ ہونا ہے۔[1]

عفی اور اعفی جب الشعر بالوں کے لیے بولا جائے تو اس کا معنی بالوں کو زیادہ ہونے اور بڑھنے کے لیے چھوڑ دینا ہے۔[2]

اور امام بخاری رحمہ اللہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل بھی ذکر کر رہے ہیں کہ وہ مٹھی سے زیادہ داڑھی حج وعمرہ پر کاٹتے تھے۔

اب یہ کہ اس چھوڑ دینے اور بڑھنے یا زیادہ ہونے کی حد کیا ہے تو اس

---

(1) الأعراف (٩٥) (2) مصباح اللغات.

حدیث کے راوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما حج وعمرہ کے موقع پر بھی اور اس کے علاوہ بھی ایک مٹھی سے زائد داڑھی کٹادیا کرتے تھے۔حج وعمرہ کے موقع پر کاٹنے کی دلیل بخاری شریف کتاب اللباس میں ہے اور حج وعمرہ کے علاوہ کاٹنے کی دلیل سنن ابی داود میں ہے۔[1]

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس پر اجماع ہے کہ راوی اپنی روایت کی جو تشریح کرتا ہے وہ قابلِ تسلیم ہے، کیونکہ وہ اپنی روایت کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔''[2]

مزید لکھتے ہیں:

''أَلْأَسْمَاءُ الشَّرْعِيَّةُ أَوْلَى لِأَنَّهَا قَاضِيَةٌ عَلَى اللُّغَوِيَّةِ''[3]

''شرعی نام اولی ہیں، کیونکہ وہ لغوی ناموں پر قاضی ہیں۔''

صحیح مسلم کی داڑھی والی حدیث کے راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ایک مٹھی سے زائد داڑھی کاٹ لیا کرتے تھے۔[4]

سیدنا قاسم رحمہ اللہ جب اپنا سر منڈواتے تھے تو اپنی داڑھی اور مونچھوں کے بال کاٹ لیتے تھے۔[5]

ہلال کہتے ہیں: میں نے سیدنا حسن اور ابن سیرین رحمہما اللہ سے دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

''اگر تو اپنی داڑھی کو لمبائی سے کاٹے تو اس میں کوئی برائی نہیں۔''[6]

---

[1] سنن أبي داود، الصوم، باب القول عند الإفطار.

[2] التمهيد، ٢/ ٣١٤. [3] التمهيد، ٦/ ٢٢١.

[4] مصنف ابن أبي شيبه، الأدب، (ح: ٢٥٩٧٦).

[5] مصنف ابن أبي شيبة، (ح: ٢٥٩٨٠) [6] مصنف ابن أبي شيبة (ح: ٢٥٩٨٤)

سیدنا ابراہیم رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین کے بارے میں بتاتے ہیں کہ وہ اپنی داڑھیوں کو اطراف سے کتر لیتے تھے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے اس عمل پر کسی صحابی یا تابعی کی نکیر موجود نہیں ہے۔ گویا اس پر اجماع ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام کے بعد والا کوئی عالم ان سے بڑھ کر غیرت دکھائے یا ایسے عمل والے کو کم تر، حقیر اور مجرم جانے تو یہ قلت علم کی وجہ سے ہے یا تکفیریت اور شدت پسندی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ بھی لمبی داڑھی کو ناپسند کرتے تھے اور جس کی داڑھی لمبی ہوتی اسے کاٹنے کا کہتے تھے۔[2]

قاضی عیاض نے کہا:

”داڑھی کو طول و عرض سے (کاٹ) لینا اور برابر کرنا بہتر ہے اور مکروہ ہے کہ آدمی اپنے تئیں داڑھی بڑھا کر مشہور کرے۔“[3]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ بھی ایک مٹھی داڑھی کے قائل تھے۔ اور ان کے دور میں کسی نے بھی ان کو روکا ٹوکا نہیں۔[4]

اللہ تعالیٰ نے سرتاج رسل سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین خَلق اور خُلق بنا کر بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی گھنی اور سینہ کے بالائی حصہ تک تھی۔[5]

---

1. مصنف ابن أبي شيبة (ح ٢٥٩٨٥)
2. موطأ إمام مالك مع ضوء السالك، الشعر، باب السنة في الشعر
3. صحيح مسلم، الطهارة، شرح نووي.
4. مسائل الإمام أحمد بن حنبل لابن حاني النيشابوري، ٢/ ١٥١ـ ١٥٢.
5. شمائل ترمذي، باب الروية.

جو ایک مٹھی کے برابر بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہترین تخلیق میں داڑھی کی بہترین سیٹنگ کی۔ اللہ تعالیٰ کے لیے آپ ﷺ کی داڑھی کو اس سے زیادہ بڑھانا مشکل نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو مثالی شکل وصورت کے ساتھ بھیجا۔ اس لیے سیدنا ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے اس مثالی اور آئیڈیل صورت کو نمونہ مان کر حدیث کے فہم کے تحت نمونہ پیش کرتے ہوئے اپنی داڑھیوں کو ایک مٹھی سے زائد ہونے پر کاٹ لیا کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے اس عمل وفہم کو رد نہیں کیا۔

اگر کچھ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ داڑھی کو مٹھی سے زیادہ رکھنا ہے۔ تو یہ ظاہر الفاظ کے تحت ان کا فہم ہے اور خلوص کی وجہ سے وہ بھی قابلِ مواخذہ نہیں۔ چنانچہ سیدنا عطاء ابن أبی رباح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

''وہ (صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام رحمہم اللہ) حج وعمرہ کے علاوہ داڑھی کے بڑھانے کو پسند کرتے تھے۔''[1]

بعض لوگوں کو بھول لگی ہے جس کی وجہ سے انھوں نے یہ کہا ہے کہ برصغیر پاک وہند کے علماء کا موقف صرف یہ ہے کہ داڑھیوں کو نہ کاٹا جائے۔ جبکہ طبری نے کہا ہے:

''ایک قوم اس کو ظاہر معنی میں لیتی ہے اور کہتی ہے کہ داڑھی کو نہ کاٹا جائے اور وہ کاٹنا مکروہ جانتی ہے اور ایک قوم مٹھی سے زائد کاٹنے کا کہتی ہے۔ یعنی طبری نے دونوں موقف بتا دیے۔''[2]

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة (ح: ٢٥٩٧٧)

[2] فتح الباري، اللباس، باب تقليم الأظفار.

امام نووی رحمہ اللہ نے مختار مذہب داڑھی کو نہ کاٹنا بتایا ہے۔ البتہ ان کے موقف کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ شاید یہ حج وعمرہ کے علاوہ ہے، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ حج وعمرہ کے موقع پر کاٹنے کو مستحب کہتے ہیں۔[1]

خیر القرون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور، تابعین اور تبع وتابعین کے دور میں کوئی بھی ایک مٹھی سے زائد داڑھی کاٹنے کو کراہت وحقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا، نہ اسے جرم سمجھتا تھا۔ آج کل قلت اطلاع اور کم فہمی کی وجہ سے یا پھر شدت پسندی کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے جو اعتدال اور انصاف کے منافی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز ہرگز نہ پڑھے، راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہوگیا تو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے راستے میں عصر کی نماز ادا کر لی اور انھوں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ نہ تھی اور کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے عصر کی نماز بنو قریظہ میں ادا کی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو واپسی پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔''[2]

داڑھی کے معاملے میں جو ظاہر الفاظ پر عمل کرتے ہوئے داڑھیوں کو نہیں کاٹتے تو وہ اس دلیل کے تحت اور جو مرادی مفہوم سمجھ کر (جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ) کاٹتے ہیں، دونوں قابل اعتراض نہیں ہیں۔

اس اعتدال والے مسئلے کو ماننے کی وجہ سے کئی لوگ جو لمبی داڑھی کی

---

[1] فتح الباري، اللباس، باب تقليم الأظفار.

[2] صحيح البخاري، المغازي (ح: ٤١١٩)

پریشانی کی وجہ سے داڑھی رکھتے ہی نہیں وہ رکھنے لگ جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اور جو لمبی رکھ کر خفت کی وجہ سے داڑھی کو مروڑ کر بَل دے کر تھوڑی کے ساتھ نیچے چھپاتے پھرتے ہیں یا گرہ لگاتے ہیں وہ بھی حدیث کی مخالفت سے بچ جائیں گے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے داڑھی کو ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔[1]

لیکن اگر داڑھی بہت زیادہ بڑی اور بکھری ہوئی ہو تو اس کو کاٹ کر درست کرنا چاہیے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ وغیرہ سے اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح احناف کا موقف بھی یہی ہے۔

برصغیر کے اکثر علمائے اہلِ حدیث مٹھی سے زائد داڑھی کاٹنے کو ناجائز و حرام جانتے ہیں، لیکن خیر القرون کے علمائے اہلِ حدیث اسے ناجائز و حرام نہیں کہتے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ ایک مٹھی سے زائد داڑھی کاٹنے کو واجب کہتے ہیں۔

حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ مٹھی سے زائد داڑھی کاٹنے کو جائز کہتے ہیں۔

تمام دلائل کی رو سے میرے نزدیک مٹھی سے زائد داڑھی کاٹنا بہتر ہے اور مٹھی سے زائد داڑھی رکھنا جائز ہے، جبکہ وہ طہارت وغیرہ کے لیے پریشانی کا سبب نہ بنے۔ واللہ أعلم.

الشیخ شاہد محمود جانباز حفظہ اللہ (سیکٹری: مولانا عبدالغفار روپڑی حفظہ اللہ):

داڑھی کو معاف کرنا اور لٹکانا رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل سے ثابت ہے اور اس کو کاٹنا یا کتروانا اور لفافہ بنانا سنتِ رسول اور قولِ رسول کی خلاف ورزی ہے۔ "أَللّٰهُ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ" کے تحت اگر بہت زیادہ بکھری

[1] سنن أبي داود: (ح: ٣٦)

ہوئی یا بھدی شکل میں یا ناف سے نیچے تک داڑھی کے بال ہوں تو احتراماً اور سنتِ رسول کی اہمیت کے لیے داڑھی کے تھوڑے بہت بال لینے میں اور درست کرنے میں ۔ان شاء اللہ۔کوئی حرج نہیں ہے۔

الشیخ عبدالرحمٰن بن حامد شاکر حفظہ اللہ (مدرس: الہدیٰ انٹرنیشنل، اسلام آباد):

اس مسئلے میں اپنا موقف اگرچہ دورانِ بحث ہی دے چکا ہوں کہ جب کسی معاملے میں ایک سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک چیز کے قائل و فاعل ہوں اور کسی نے ان کا رد بھی نہ کیا ہو تو اس میں سختی کی گنجایش نہیں۔ رہی بات داڑھی کو چھوڑنے کی تو وہ احسن و افضل ہے، جیسے: وضو کے اعضاء کو اوپر تک دھونا، لمبا سجدہ اور رکوع اور سردی میں وضو کا تکرار وغیرہ۔

الشیخ اعجاز حنیف حفظہ اللہ (مدرس: بلال اسلامک سینٹر، لاہور):

ہم تو وہی فہم معتبر سمجھتے ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور علمائے امت سے ثابت ہے کہ کسی صحابی، تابعی اور تبع تابعی سے بہ سند صحیح ایک مٹھی سے زائد کاٹنے کی حرمت ثابت نہیں ہے۔

الشیخ یوسف صدیقی حفظہ اللہ (ریسرچ فیلو: دار الاندلس، لاہور):

داڑھی کے بارے میں میرا موقف یہ ہے کہ ایک مشت سے زائد داڑھی کے بالوں کو کاٹنا مستحب عمل ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعض سلف کے اقوال بھی اسی بات پر دلالت کرتے ہیں۔

الشیخ حامد امین حفظہ اللہ (خریج: جامعہ اثریہ، پشاور):

داڑھی کا مسئلہ جیسا کہ گروپ میں بھی کافی بحث و مناقشہ کے تحت رہا۔ یہ موضوع پہلے سے اختلافی رہا ہے۔

اس کے جواز کے لیے کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل دلیل میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور پھر «أوفوا اللحی......» کی تشریح میں ممانعت نہ ہونے کی تشریح کو صحیح سمجھتے ہیں، جبکہ رد کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ذاتی عمل کا نہ ہونا دلیل میں پیش کرتے ہیں۔

تمام دلائل کو دیکھ کر اور عالمِ اسلام کے جید سلفی علماء کے فہم سے (میری تحقیق) کے مطابق جائز ہے۔

آپ کے حکم کے تحت یہ چند سطریں بھیج رہا ہوں اور علمی تحقیق و بحث سے قاصر ہوں اور معذرت کر رہا ہوں، تاہم گروپ سے بہت مستفید ہو رہا ہوں۔

الشیخ سعید الرحمٰن حفظہ اللہ (ریسرچ فیلو: دار الأندلس، لاہور):

میں ایک مشت سے زائد داڑھی کو کاٹنے کو جائز سمجھتا ہوں۔

الشیخ ضیاء اللہ برنی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، لاہور):

داڑھی کے بارے میں انھی دنوں جاری بحث کے دوران موقف مختلف جگہوں میں پیش کیا تھا: ''مختصراً یہی ہے کہ نصوص ''أعفوا''، ''أرخوا'' وغیرہ اور داڑھی جو کثیر ہو اس میں کچھ کٹوانے میں کوئی تضاد ہے نہ نص کی مخالفت۔''

جب لفظ: ''أعفوا، أرخوا'' تکثیر، وتوفیر پر دلالت کرتے ہیں۔ بنص قرآن بھی مثل: ''حتی اذا عفوا'' اور لغتاً بھی اور پھر تعاملِ کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی، تو پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: «أعفوا» سے مفہوم و وجوب: «لا تأخذوا منها شیئا» اخذ کرنا مناسب نہیں، بلکہ یہ خود ساختہ قید معلوم ہوتی ہے۔

داڑھی کٹوانے پر ایک دو نہیں کثیر صحابہ کا تعامل ہے اور ہمارے علم کے مطابق متقدمینِ اسلاف میں سے کسی نے مطلقاً داڑھی کٹوانے کو حرام نہیں کہا۔

اس لیے اختلاف صرف نبی ﷺ کی نص کے مفہوم کے تعین میں ہے نہ کہ آپ کی سنتِ صریحہ کی اتباع و عدم اتباع کا، آپ کے بہت سے افعال ایسے ہیں، جن میں آپ نے افضل کو اختیار کیا، لیکن اس سے مفضول کا جواز حرام نہیں ہو جاتا، اسی طرح اگرچہ صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے داڑھی نہیں ترشوائی، کیونکہ صحابہ سے منقول نہیں لیکن اس سے کٹوانے کا مطلقاً عدمِ جواز اور حرمت مستنبط کر کے کثیر صحابہ بشمول ابن عمر رضی اللہ عنہما کو تارکِ سنت بنانے اور قرآنی مفہوم: «أعفوا» سے بھی صرف نظر کرنے سے بہتر ہے کہ کوئی ایسا مفہوم لیا جائے جو جامع ہو، تو جو داڑھی خوب بڑھاتا ہے اور کبھی کبھار کچھ کٹواتا ہے تو نہ تو وہ «أعفوا» کی نصِ نبوی کا تارک ہے نہ جمیع صحابہ کو تارکِ سنت سمجھتا ہے، بلکہ ایک روایت میں یہاں تک ہے صحابہ ہر اجتماع حج پر ایسا کیا کرتے تھے۔

الشیخ اسماعیل حفظہ اللہ (آف: کامران ضامران):

ویسے ایک مشت داڑھی کا قائل ہوں جواز کی حد تک۔ افضل اور احتیاط اسی میں سمجھتا ہوں کہ داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ واللہ أعلم بالصواب.

الشیخ حافظ عمران الٰہی حفظہ اللہ (خریج: دار العلوم المحمدیہ، لاہور):

ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، جو شخص اس سے کم داڑھی رکھتا ہے وہ گناہ گار ہے، اس کا یہ فعل حرام ہے، لہٰذا اسے اس فعلِ قبیح سے باز آجانا چاہیے اور ایک مشت سے زائد کاٹنے کو حرام قرار دینا بدعت ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی معتدل تھی، اس لیے آپ کو داڑھی کٹانے کی ضرورت پیش نہ آئی اور سلف صالحین مشت سے زائد داڑھی کٹاتے تھے، ان کے نزدیک توفیر، ایفا، اعفا

وغیرہ کے معنی ایک مشت داڑھی بڑھانے کے تھے، اس لیے مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کا جواز سلف صالحین کے آثار، فقہا و محدثین اور اہلِ حدیث علماء کے فتاوی کی روشنی میں پیش کیا جائے گا، جس کی تفصیل اس مضمون میں بیان کی جائے گی، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحٰى وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ»[1]

''مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحٰى»[2]

''مونچھوں کو کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔''

ایک روایت میں ہے:

«أنهكوا الشوارب و أعفوا اللحى»[3]

''مونچھیں ختم کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔''

مسند بزار میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے:

«إن أهل الشرك يعفون شواربهم ويحفون لحاهم فخالفوهم فأعفوا اللحى و أحفوا الشوارب»[4]

''بے شک مشرکین مونچھیں بڑھاتے اور داڑھیاں منڈواتے ہیں، تم ان کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔''

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاري: (ح: ٥٨٩٢)
[2] سنن النسائي (ح: ٥٠٩٦)
[3] صحیح البخاري: (ح: ٥٨٩٣)
[4] مسند البزار: (ح: ٨١٢٣)

«إِنَّهُمْ يُوفُونَ سِبَالَهُمْ، وَيَحْلِقُونَ لِحَاهُمْ، فَخَالِفُوهُمْ»[1]

"بے شک وہ اپنی مونچھیں بڑھاتے اور داڑھیاں منڈواتے ہیں، پس تم ان کی مخالفت کرو۔"

احادیث میں داڑھی کے حوالے سے جتنے الفاظ بیان ہوئے ہیں، سب کے معنی داڑھی کو بڑھانے اور لمبا کرنے کے ہیں، کسی لفظ کے یہ معنی نہیں کہ داڑھی کو معاف کردو یا داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دو، جیسا کہ ہمارے ہاں یہی معنی مشہور ہیں۔

داڑھی بڑھانے کی فرضیت پر دال الفاظ کی لغوی تشریح:

داڑھی کے بارے جتنی بھی احادیث وارد ہوئی ہیں، سب کے معنی تکثیر و توفیر پر دلالت کرتے ہیں اور وہ پانچوں الفاظ یہ ہیں:

"أوفوا، وأرخوا، وأرجوا، وفروا، و اعفوا"

ان میں سے کسی بھی لفظ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ داڑھی کو بالکل ہی چھوڑ دو بلکہ یہ تمام الفاظ داڑھی کو بڑھانے پر دلیل ہیں، اگر ہم لغت کی کتابوں پر غور و فکر کرتے ہیں تو یہ سب الفاظ کثرت اور بہتات پر دلالت کرتے ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

«أوفوا» کا لفظ ایفاء سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں: پورا ہو جانا اور کثیر ہو جانا، چنانچہ تاج العروس (۴۰/ ۲۱۹) میں لکھا ہے:

"وفي الشيئ أي تمّ و كثُر"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے معنی اس طرح بیان کیے ہیں:

[1] صحيح ابن حبان (ح: ٥٤٧٦)

"أَوْفُوا أَيِ اتْرُكُوهَا وَافِيَةً" [1]

یعنی داڑھی کو اس حد تک چھوڑ دو کہ وہ پوری ہو جائے۔

اور دوسرا لفظ « أرخوا » وارد ہوا ہے، جس کے معنی لٹکانا کے ہیں، صاحب تاج العروس رقم طراز ہیں:

"وأرخی الستر أسدله" یعنی اس نے پردہ لٹکایا۔

اور تیسرا لفظ « أرجوا » ہے جس کا معنی تاخیر ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کے معنی لمبا کرنے کے کیے ہیں۔ [2]

اسی طرح حدیث میں چوتھا لفظ « وفروا » بولا گیا ہے، جس کے معنی: کثرت اور بہتات ہیں، جیسا کہ اس کی وضاحت تمام اہلِ لغت نے کی ہے:

وفي القاموس المحيط (١/ ٤٩٣): "وفره توفيراً: كثّره"

اسی طرح احادیث میں « إعفاء » کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے، اس کے معنی بھی کثرت اور توفیر کے ہیں، جیسا کہ اہلِ لغت نے اس کی نشاندہی کی ہے:

"عفا القوم كثروا، وفي التنزيل: (حتى عفوا) أي كثروا، وعفا النبت والشعر وغيره يعفو فهو عاف: كثُر وطال، وفي الحديث: أنه ﷺ أمر بإعفاء اللحى، هو أن يوفّر شعرها ويُكَثّر، ولا يقص كالشوارب، من عفا الشيء إذا كثر وزاد" [3]

ابن دقیق العید نے اعفاء کے معنی تکثیر لکھے ہیں:

"تَفْسِيرُ الْإِعْفَاءِ بِالتَّكْثِيرِ" [4]

ابن فارس نے "مقاييس اللغة" میں لکھا:

---

[1] فتح الباري: ١٠/ ٣٥٠. [2] فتح الباري: ١٠/ ٣٥٠.

[3] لسان العرب: ١٥/ ٧٥. [4] فتح الباري: ١٠/ ٣٥١.

”وَقَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ كُلُّهُمْ: يُقَالُ مِنَ الشَّعْرِ عَفَوْتُهُ وَعَفَيْتُهُ، مِثْلُ قَلَوْتُهُ وَقَلَيْتُهُ، وَعَفَا فَهُوَ عَافٍ، وَذَلِكَ إِذَا تَرَكْتَهُ حَتَّى يَكْثُرَ وَيَطُولَ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿حَتَّىٰ عَفَوا﴾ [الأعراف: ٩٥] أَيْ نَمَوْا وَكَثُرُوا“[1]

یعنی یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب بالوں کو اس وقت تک نہ کاٹا جائے یہاں تک کہ وہ زیادہ اور لمبے ہو جائیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے ”المفہم“ (۱/ ۵۱۲) میں کہا ہے کہ ابو عبید فرماتے ہیں:

”يقال عفا الشيئ إذا كثر و زاد“

شارح بخاری امام ابن بطال نے بھی ”إعفاء اللحية“ کے معنی ”تكثير اللحية“ کیے ہیں۔[2] شارح بخاری حافظ ابن حجر ”توفیر“ کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَفِّرُوا فَهُوَ بِتَشْدِيدِ الْفَاءِ مِنَ التَّوْفِيرِ وَهُوَ الْإِبْقَاءُ أَيِ اتْرُكُوهَا وَافِرَةً“[3]

”توفیر کا معنی باقی رکھنا ہے، یعنی داڑھی کو وافر مقدار میں باقی رکھو۔“

شارح مشکاۃ شرف الدین طیبی (یک مشت سے زائد داڑھی کو کاٹنے کے قائل) نے ”إعفاء“ کے معنی یوں بیان کیے ہیں:

”فالمراد بالإعفاء التوفير منه، كما في الرواية الأخرى «وفروا اللحى»“[4]

یہاں اعفاء کے معنی توفیر یعنی کثرت کے ہیں، جیسا کہ دوسری روایت

---

① مقاييس اللغة، ص: ٦٠٤ ② شرح ابن بطال: ٩/ ١٤٦.
③ فتح الباري: ١٠/ ٣٥٠. ④ الكاشف عن حقائق السنن: ٩/ ٢٩٣٠.

«وفروا اللحي» میں یہ وضاحت موجود ہے۔

حافظ ابن حجر نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے:

"وَذَهَبَ الْأَكْثَرُ إِلَى أَنَّهُ بِمَعْنَى وَفِّرُوا أَوْ كَثِّرُوا وَهُوَ الصَّوَابُ"

"اکثر علماء کا یہ موقف ہے کہ یہاں اعفاء کے معنی توفیر یا تکثیر کے ہیں اور یہی بات درست ہے۔"

پھر ان احادیث پر غور کرنے سے داڑھی میں ذکر ہوئے الفاظ کے معنی اور بھی واضح ہو جاتے ہیں:

"إِنَّ أَهْلَ الشِّرْكِ يَعْفُوْنَ شَوَارِبَهُمْ، إِنَّهُمْ يُوفُونَ سِبَالَهُمْ، وَيَحْلِقُوْنَ لِحَاهُمْ، فَخَالِفُوهُمْ"

کیا ان احادیث میں اعفائے شوارب اور ایفائے سبال کا ترجمہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی مونچھوں کو معاف کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو کیا آج تک کسی نے ان الفاظ کا ترجمہ مونچھوں کو معاف کرنا کیا ہے؟

مندرجہ بالا دلائل، ماہرِ لغت اور شارحینِ حدیث کے اقوال سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اعفاء اور دیگر الفاظ حدیث کے معنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا نہیں ہیں، بلکہ داڑھی کی مقدار کو بڑھانا مراد ہے، اس کے وہی معنی معتبر مانے جائیں گے، جن کو صحابہ کرام، تابعینِ عظام، محدثین، ائمہ دین اور شارحینِ حدیث نے درست قرار دیا ہے۔ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکمِ اعفاء کے معنی کا علم نہیں تھا؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ صحابہ کرام کو اس کے معنی معلوم نہ ہوں، کیونکہ وہ ماہر لغت اور فصیح و بلیغ تھے۔ داڑھی والی روایات میں صحابہ نے بھی ان الفاظ کے معنی کثرت اور بہتات کے ہی کیے ہیں۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس تکثیر اور توفیر کو مشت سے مقید کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کی مقدار:

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ رسول اللہ ﷺ سے داڑھی کاٹنا ثابت ہی نہیں ہے، اس لیے یہ عمل غیر مشروع ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی داڑھی اتنی لمبی نہیں تھی کہ اسے کاٹنے کی ضرورت پیش آئی ہو، معتبر علمائے کرام کے اقوال کے مطابق آپ ﷺ کی داڑھی مشت سے زیادہ نہیں تھی، لہٰذا ان کو داڑھی کٹوانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی، اس کی دلیل عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی وہ حدیث ہے، جسے امام احمد بن حنبل نے "المسند" میں بیان کیا ہے؛ جناب یزید فارسی کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا:

"قد ملأت لحيته من هذه إلى هذه، حتى كادت تملأ نحره"[1]

"ان کی داڑھی یہاں سے یہاں تک بھری ہوئی تھی اور قریب تھا کہ پورے گلے کو بھر دیتی۔"

حافظ ابن حجر اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[2] علامہ ہیثمی نے بھی اس حدیث کے رواۃ کے بارے لکھا ہے: "رجاله ثقات"[3] امام زرقانی اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "إسناده حسن"[4]

محمد بن صالح العثیمین اس حدیث کی سند کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"وهذا الحديث يختلف حكمه بسبب الإختلاف في يزيد الفارسي، فذهب على بن المديني وأحمد بن حنبل إلى أنه هو نفسه يزيد بن هرمز الثقة"

---

1. المسند، ٥/ ٣٨٩.
2. فتح الباري، ٦/ ٦٥٧.
3. مجمع الزوائد و منبع الفوائد، ٨/ ٢٧٢.
4. شرح الزرقاني على الموطأ، ٤/ ٤٣٩.

"یزید فارسی کے اختلاف کی وجہ سے اس حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کے متعلق اختلاف ہے، لیکن جناب علی بن مدینی اور امام احمد بن حنبل کا ماننا ہے کہ اس راوی سے مراد یزید بن ہرمز ثقہ راوی ہے۔"

اسی طرح امام ابو حاتم نے اس راوی کے متعلق "لا بأس به" کہہ کر اس کی جہالت کو ختم کر دیا ہے:

"ذهب إليه أبو حاتم في الجرح والتعديل (٢٩٣/٩) من قوله فيه: لا بأس به"

بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے مندرجہ ذیل دلائل کی وجہ سے اس حدیث کا معنی درست قرار پاتا ہے۔

محمد بن صالح العثیمین رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک کی مقدار بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"أن لحيته الشريفة ﷺ لم تكن طويلة تملأ صدره، بل تكاد تملأ نحره، والنحر هو أعلى الصدر، وهذا يدل على اعتدال طولها وتوسطه"[1]

"آپ علیہ السلام کی داڑھی اتنی لمبی نہیں تھی جو سینے کو ڈھانپ دیتی ہو، بلکہ آپ کی داڑھی اتنی تھی کہ جو سینے کے اوپر والے حصے کو ڈھانپ دے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کی داڑھی معتدل اور متوسط تھی۔"

امام طبرانی ابو عبید قاسم بن سلام (متوفی: ۲۲۴ھ) سے رسول اللہ ﷺ کی داڑھی بیان کرتے ہیں:

[1] فتاوى محمد بن صالح عثيمين، رقم الفتوى: ١٤٧١٦٧.

”أن تكون اللحية غير دقيقة، ولا طويلة، ولكن فيها كثاثة من غير عِظَمٍ ولا طول“[1]

یعنی آپ کی داڑھی نہ کم بالوں والی تھی اور نہ لمبی تھی، بلکہ اس میں گھنے بال تھے جو بڑے اور لمبے نہ تھے۔

امام ابو العباس قرطبی آپ کی داڑھی مبارک کے متعلق رقم طراز ہیں:

”لا يفهم من هذا يعني قوله : كثير شعر اللحية، أنه كان طويلها، فإنَّه قد صحَّ أنه كان كثّ اللحية، أي: كثير شعرها غير طويلة“ 'المفهم لما أشكل من تلخيص“[2]

آپ کی داڑھی کے بال زیادہ تھے اس بات سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ آپ کی داڑھی لمبی تھی، یہ بات تو بالکل درست ہے کہ آپ کی داڑھی کے بال گھنے تھے، یعنی زیادہ بالوں والی جو لمبی نہ تھی۔

حافظ ابن حجر بیان کرتے ہیں:

”فِيهَا كَثَافَة واستدارة وَلَيْسَت طَوِيلَة“[3]

”آپ کی داڑھی میں گھنے بال اور گولائی تھی اور آپ کی داڑھی لمبی نہیں تھی۔“

علامہ ابن منظور افریقی رسول اللہ کی داڑھی کے بارے میں لکھتے ہیں:

”أنه كان كث اللحية: أراد كثرة أصولها وشعرها وأنها ليست بدقيقة ولا طويلة، وفيها كثافة“[4]

”آپ گھنی داڑھی والے تھے، اس سے راوی کی مراد یہ ہے کہ آپ

[1] المعجم الكبير، ٢٢/ ١٥٩. [2] صحيح مسلم، ٦/ ١٣٥.
[3] فتح الباري، ١/ ١٧٨. [4] لسان العرب، ٢/ ١٧٩.

کی داڑھی میں بہت زیادہ بال تھے، آپ کی داڑھی باریک اور لمبی نہیں تھی، آپ کی داڑھی میں کثافت تھی۔

امام سیوطی آپ کی داڑھی کے متعلق لکھتے ہیں:

"الكثوثة أن تكون غير دقيقة ولا طويلة ولكن فيها كثافة"[1]

کثافت کا معنی یہ ہے کہ آپ کی داڑھی لمبی اور باریک نہیں تھی۔ بلکہ بالوں سے بھری ہوئی تھی۔

علامہ مناوی "فیض القدیر" میں رقم طراز ہیں:

"كثيف اللحية لادقيقها ولا طويلها، وفيها كثافة"[2]

یعنی آپ کی داڑھی گھنی تھی جو باریک اور لمبی نہ تھی، اس میں بال بہت زیادہ تھے۔

یہ دلائل اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک معتدل و متوسط تھی، اس لیے آپ کو داڑھی کٹوانے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔ اور جن روایات میں اس بات کا ذکر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک لمبی تھی وہ ساری کی ساری ضعیف ہیں، اسی بات کو بیان کرتے ہوئے جناب محمد بن صالح العثیمین رقم طراز ہیں:

"وأما وصف لحيته ﷺ بأنها كانت تملأ صدره الشريف عليه الصلاة والسلام: فهذا لم نقف عليه مسندا مأثورا"[3]

"اور جہاں تک رسول اکرم کی داڑھی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اتنی لمبی تھی کہ آپ کے سینہ مبارک کو بھر دیتی تھی، اس بارے میں

[1] الديباج على مسلم، ٣/ ١٦٠. [2] فيض القدير، ٥/ ٨١.

[3] فتاوى محمد بن صالح عثيمين، رقم الفتوى: ١٤٧١٦٧.

ہمیں کوئی مستند چیز نہیں ملی۔

آثارِ صحابہ:

قربانی کرنے کے بعد سر کے بالوں کے ساتھ ساتھ داڑھی کے مشت سے زیادہ بالوں کو بھی کاٹا جائے گا، اس کی دلیل سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ تفسیر ہے جو انھوں نے "والیقضو تفثھم" کی تفسیر کرتے ہوئے کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"حدَّثنا مُحمَّد بن إسْحَاق السِّنْدی قَالَ: حَدثنَا عَلِی بن خَشْرَم عَنْ عِیسَی عَنْ عبد الْملك عَنْ عَطاءٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاس فِی قَوْله: ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ ﴾ [الْحج: ۲۹]، قَالَ: التَّفَثُ الحَلْق والتَّقصير والأخذُ من اللّحية والشّارب والإبط، والذّبح وَالرَّمْی"[1]

"سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ ﴾ کی تفسیر اس طرح منقول ہے: "تفث" سے مراد حلق، تقصیر اور داڑھی، مونچھ اور بغلوں کے بال کاٹنا، قربانی اور رمی کرنا ہے۔"

گویا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک قربانی کرنے کے بعد سر منڈوایا جائے گا، یا سر کے کچھ بال کاٹے جائیں گے، اس کے ساتھ ساتھ داڑھی کے مشت سے زائد بال، مونچھ کے بال اور زیرِ ناف بال بھی کاٹے جائیں گے، رمی، جانور ذبح کرنا اور ناخن کاٹنا وغیرہ بھی تفث میں شامل ہے۔

یہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے تفث کی منقول تفسیر ہے اور اس کی سند بھی صحیح ہے، امت مسلمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو "ترجمان القرآن" کا

[1] تهذيب اللغة لمحمد بن أحمد ۳۷۰ھ، ۱۴/ ۱۹۰. سنده صحيح. معاني القرآن للنحاس، ۴/ ۴۰۰. تفسير الطبري، ۶۱۲/۱۸. مصنف ابن أبي شيبة، ۳/ ۴۲۹، رقم: ۱۵۶۷۳.

لقب دیا ہے، آپ کی فضیلت میں بیان ہوئی صحیح بخاری کی ایک حدیث یوں ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سینے سے لگایا اور فرمایا: ''اے اللہ! اسے حکمت کا علم عطا فرما۔'' کئی برحق وجوہات کی بنا پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ''امام المفسرین'' بھی کہا جاتا ہے۔[1]

اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل تو بخاری اور موطا میں موجود ہے:

"وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذها"[2]

''سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کا ارادہ کرتے تو اپنی داڑھی مبارک مٹھی میں لیتے جو مٹھی سے زیادہ ہوتی تو اس کو کاٹ ڈالتے۔''

"أن عبد الله بن عمر كان إذا أفطر من رمضان وهو يريد الحج لم يأخذ من رأسه ولا من لحيته شيأ حتى يحج"[3]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رمضان المبارک سے فارغ ہوتے اور حج کا ارادہ بھی ہوتا تو اپنی داڑھی اور سر کے بال نہ کاٹتے تھے یہاں تک کہ حج مبارک سے فارغ ہو جاتے۔ چونکہ ابن عمر، ابن عباس، جابر بن عبداللہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اس حدیث کے رواۃ ہیں، لہٰذا وہی اس حدیث کا معنی بہتر سمجھتے ہیں، اصول فقہ کی کتابوں میں یہ اصول موجود ہے:

"الرَّاوِی أدری بِمَا یرویهِ وَأعرف"[4]

---

[1] صحيح البخاري، (ح: ٣٨٠١)

[2] صحيح البخاري، (ح: ٥٨٩٢)

[3] موطأ امام مالك، رقم الحديث (ح: ١٣٩٦)

[4] الإجابة السائل شرح بغية الآمل، للأمير صنعاني، ص: ٤١٩.

یعنی راوی اپنی بیان کردہ روایت کا معنی دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ چنانچہ اس روایت کے راوی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہیں اور وہ اس کے معنی دوسروں سے بہتر جانتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اصول درست نہیں ہے، لیکن یہ اصول ان صحابہ پر سو فی صد درست ہے، کیا ان صحابہ سے بڑھ کر حدیث رسول کو کوئی اور سمجھ سکتا ہے، یہ تمام صحابہ محدث، مفسر اور فقیہ ہیں، ان سے بڑھ کر حدیث کو کون سمجھ سکتا ہے؟

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اعفا کے معنی:

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک اعفاء کے معنی ہی ایک مشت کے ہیں، یہی بات امام خلال نے کتاب الترجل میں بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل سے اعفاء کے بارے میں سوال ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ سے اس حدیث کو بیان کرنے والے راوی ہیں: ''کان هذا عنده الإعفاء'' عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک مشت داڑھی ہی اعفاء ہے۔[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل مصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح بیان ہوا ہے:

''عن أبی زرعة: (كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا فَضَلَ عَنِ الْقُبْضَةِ)''[1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے پھر مٹھی سے زائد داڑھی کو پکڑ کر کاٹ دیتے تھے۔''

---

1. کتاب الترجل، ص: ۱۱
2. أخرجه ابن أبي شيبة: ۵/ ۲۲۵، (ح: ۲۵۴۸۱) بسند صحيح. قال الألباني فی الضعيفة: إسناده صحيح على شرط مسلم: (رقم الحديث: ۶۲۰۳)
3. سنن أبي داود، (ح: ۴۲۰۳)

اسی طرح سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"كُنَّا نُعْفِي السِّبَالَ إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ"

ہم لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) داڑھی کے بالوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے، مگر حج یا عمرہ میں (مشت سے زائد) کٹوایا کرتے تھے۔[1]

اس طرح مصنف ابن ابی شیبہ کے محقق نے اس کی سند کو حسن کہا، وہ لکھتے ہیں:

"لكن الحديث يرتقي إلى درجة الحسن لغيره مما تقدم من شواهد"[2]

فضیلۃ الشیخ دبیان محمد الدبیان نے بھی اس کی سند کو دوبار حسن قرار دیا ہے، چنانچہ وہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو دوسری روایت کے لیے شاہد قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"ويكون ما ثبت عن ابن عباس، وابن عمر، وجابر شاهدًا له؟

ذكر ذلك عنهم جابر بن عبداللّٰه بسند حسن، وسيأتي تخريجه"

اسی طرح فضیلۃ الشیخ مختار الاخضر طیباوی نے یہ کہہ کر اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[3]

اس طرح بھی مروی ہے:

---

[1] قال المباركفوري في تحفة الأحوذي: ٨/ ٣٨ سنده حسن، وكذلك قال قبله الحافظ في فتح الباري، ١٠/ ٣٥٠ والحديث سكت عنه المنذري: عون المعبود شرح سنن أبي داود، ٤/ ١٣٦.

[2] زوائد ابن أبي شيبة على الكتب الستة: رقم الحديث (ح: ٢٥٤٩٥)

[3] أخرجه أبو داود ٤/ ١٣٦، رقم: ٤٢٠٣، بإسناد حسن، ويشهد لصحته الأحاديث الصحيحة عن ابن عمر و أبي هريرة.

"عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: قَالَ جَابِرٌ: لَا نَأْخُذُ مِنْ طُولِهَا إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ"[1]

یہ اثر ابو ہلال راسبی میں ہلکا سا ضعف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے. لیکن دیگر صحابہ کے آثار اس کے صحیح ہونے کی دلیل ہیں۔ تابعی جلیل جناب محمد بن سیرین سے مروی ہے:

"أَنَّهُ كَانَ يَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ قَالَ فَقَبَضَ يَوْمًا عَلَى لِحْيَتِهِ فَقَالَ: كَأَنَّ خِضَابِي خِضَابُ أَبِي هُرَيْرَةَ وَلِحْيَتِي مِثْلُ لِحْيَتِهِ وَشَعْرِي مِثْلُ شَعْرِهِ وَثِيَابِي مِثْلُ ثِيَابِهِ وعليه ممصران"[2]

"وہ حنا کے ساتھ خضاب لگاتے تھے، راوی بیان کرتا ہے کہ انھوں نے ایک دن اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیا اور کہنے لگے: میرا خضاب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خضاب جیسا ہے، میری داڑھی ان کی داڑھی جیسی ہے، میرے بال ان کے بالوں جیسے ہیں اور میرے کپڑے بھی ان کے کپڑوں جیسے ہیں، اور وہ دو لال کپڑے پہنے ہوئے تھے۔"

سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے، جسے ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے: سماک بن یزید سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے چہرے سے ملی ہوئی داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔

اس اثر میں اہم بات یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مشت سے زائد داڑھی کاٹنا ثابت ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے اور امام ابن سیرین سے بھی داڑھی کاٹنا ثابت ہے، یعنی اگر ان دونوں میں سے کسی

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة، (ح: ٢٥٤٨٧)

[2] طبقات ابن سعد، ٤/ ٢٤٩، سنده صحيح.

ایک سے داڑھی کاٹنا ثابت ہو جائے تو اس بارے میں یہی کہا جائے گا کہ دونوں سے کاٹنا ثابت ہے، امام ابن سیرین کے بارے مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أَبِي هِلَالٍ، قَالَ سَأَلْتُ الْحَسَنَ، وَابْنَ سِيرِينَ فَقَالَا: لَا بَأْسَ بِهِ أَنْ تَأْخُذَ مِنْ طُولِ لِحْيَتِكَ"[1]

"عن سماك بن يزيد قال كان علي رضي الله عنه يأخذ من لحيته مما يلي وجهه"[2]

زمعہ بن صالح یمانی کی وجہ سے اس اثر کی سند کمزور ہے؛ لیکن اس کی سند کی صحت کے لیے ہم ان آثار کو معنوی شاہد بنا لیتے ہیں جن میں تابعین عظام نے مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے عمل کو تمام صحابہ کرام کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور علامہ ابن بطال (متوفی ۴۴۹ھ) نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

"وروى عن عمر رضي الله عنه أنه رأى رجلًا قد ترك لحيته حتى كبرت، فأخذ يجذبها، ثم قال ائتوني بجلمتين، ثم أمر رجلًا فجز ما تحت يده، ثم قال اذهب فأصلح شعرك، أو أفسده، يترك أحدكم نفسه حتى كأنه سبع من السباع"[3]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کی داڑھی نہ کاٹنے کی وجہ سے بڑی ہوگئی تھی، تو آپ اس کو کھینچ کر لمبا کرنے لگے، چنانچہ انھوں نے قینچی لانے کا کہا، پھر

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة، (ح: ٢٥٤٨٩)

[2] مصنف ابن أبي شيبة، (ح: ٢٥٤٨٠)

[3] شرح ابن بطال، ٩/ ١٤٦.

ایک آدمی کو حکم دیا کہ جو مشت سے زائد ہے اسے کاٹ دو، اور اس آدمی سے کہا کہ جاؤ اب اپنے بالوں کو درست کرو یا ان کو بگاڑو، پھر کہنے لگے تم میں سے کوئی (داڑھی اور سر کے) بالوں کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے گویا کہ وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہے۔

حافظ ابن حجر نے امام طبری کے بارے میں جو الفاظ نقل کیے ہیں ان سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس اثر کی سند بھی موجود ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ثَمَّ سَاق بِسَنَدِهِ إِلَى عُمَرَ أَنَّهُ فَعَلَ ذَلِكَ بِرَجُلٍ" [1]

"پھر امام ابن جریر طبری نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک اپنی سند بیان کی ہے کہ انھوں نے کسی آدمی کی مشت سے زائد داڑھی کاٹ دی تھی۔"

اور حافظ ابن حجر بالعموم جس حدیث کی سند پر سکوت اختیار کرتے ہیں وہ ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہوتی ہے، لہٰذا یہ اثر ان کے نزدیک کم از کم حسن درجے کا تو ہوگا، بفرضِ محال اگر یہ اثر بھی کمزور ہے تو اس کی سند کی صحت کے لیے ہم ان آثار کو معنوی شاہد بنا لیتے ہیں جن میں تابعین عظام نے مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے عمل کو تمام صحابہ کرام کی طرف منسوب کیا ہے۔

اور علامہ عینی حنفی نے عمدۃ القاری میں بھی یہی الفاظ ذکر کیے ہیں۔[2] وہ آثار درج ذیل ہیں:

"عَنْ منصورقَالَ سَمِعْتُ عَطَاءَ بْنَ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ كَانُوا يُحِبُّونَ أَنْ يُعْفُوا اللِّحْيَةَ إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ" [3]

[1] فتح الباري، ١٠/٣٥٠.

[2] عمدة القاري، ٢٢/ ٤٦، رقم: ٤٧.

[3] مصنف ابن أبي شيبة، (ح: ٢٥٤٨٢)، سنده صحيح.

تابعی جلیل جناب عطا بن ابی رباح (وفات ۱۱۴ھ) بیان کرتے ہیں کہ وہ (ہمارے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام) حج و عمرے کے موقع پر اپنی مشت سے زائد داڑھیاں کاٹنا پسند کیا کرتے تھے۔

یہ وہی عطا بن ابو رباح ہیں کہ جنھوں نے دو سو صحابہ کرام کو پایا ہے اور ان سے روایات بیان کی ہیں، ان کے اساتذہ میں وہ بڑے بڑے اجل محدث اور سب سے بڑھ کر متبع سنت صحابہ کرام (ابن عمر، ابن عباس، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ، سیدہ عائشہ، ابن زبیر، عبداللہ بن عمرو، عثمان بن عفان، عروہ بن زبیر، معاویہ بن ابوسفیان، ابو درداء، ابو سعید خدری، ام سلمہ، ام ہانی وغیرہم رضی اللہ عنہم) جن کی علمی اور فقہی قدر و منزلت مسلم ہے اور وہ مشہور فقہی مدارس کے شیوخ الحدیث تھے۔ ان کی بیان کردہ روایت میں ان کا اشارہ ان تمام مرد صحابہ کرام کی جانب ہے۔

محدث کبیر امام ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں:

"عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ كَانُوا يُرَخِّصُونَ فِيمَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ مِنَ اللِّحْيَةِ أَنْ يُؤْخَذَ مِنْهَا"[1]

"جناب حسن بصری سے مروی ہے کہ وہ (صحابہ و تابعین) مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کی رخصت دیتے تھے۔"

جناب حسن بصری کو سادات التابعین کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ انھوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے علمی فیض حاصل کر کے اس کو آگے پہنچایا، ان کے اساتذہ میں کمی بیشی کے ساتھ مندرجہ ذیل صحابہ کرام و تابعین کا ذکر ملتا ہے:

عثمان بن عفان، علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر،

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة، (رقم: ٢٥٤٨٤) اشعث کے سبب اس کی سند حسن ہے۔

ابوموسیٰ اشعری، معاویہ بن ابی سفیان، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ انصاری، معقل بن یسار المزنی، مغیرہ بن شعبہ، ابو برزۃ اسلمی، نعمان بن بشیر، زبیر بن العوام، عقبہ بن عامر الجہنی، عقیل بن ابی طالب، عمرو بن عاص، عمران بن حصین، سعد بن عبادہ، احنف بن قیس، اسامہ بن زید الکلبی، سمرۃ بن جندب، عبداللہ بن مغفل المزنی رضی اللہ عنہم۔

محدث کبیر امام ابن ابی شیبہ تابعی جلیل جناب ابراہیم بن یزید نخعی سے بیان کرتے ہیں:

"كانوا يأخذون من جوانبها، وينظفونها يعنى اللحية"[1]

"وہ (ہمارے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام) داڑھی کے اطراف سے (مشت سے زائد) بال لیتے تھے اور اسے صاف ستھرا رکھتے تھے۔"

جناب ابراہیم نخعی تو ان تابعین میں سے ہیں کہ محدثین نے جن کی مرسل روایات کو بھی قبول کیا ہے، انھوں نے صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور ان سے اس فعل کو بیان کیا۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ان جلیل القدر اسلاف نے دیدہ دانستہ حدیث کے خلاف کیا نعوذ باللہ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث نہیں پہنچی تھی۔ کیونکہ وہ تو خود ہی روایت کرتے ہیں۔

"کانوا" سے کون مراد ہے؟

بہت سارے علمائے کرام کی طرف سے مندرجہ بالا آثار صحابہ پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے صحابہ کرام مراد نہیں ہیں، بلکہ تابعین مراد ہیں، حالانکہ ان کی یہ

[1] مصنف ابن أبي شيبة: ٨/ ٥٦٤، الرقم: ٢٥٤٩٠، سنده صحيح.

بات بے سروپا ہے، کیونکہ ”کانوا“ ماضی کا صیغہ ہے، یہاں بیان کرنے والے کبار تابعین ہیں، اور کبار تابعین سے پہلے صحابہ کرام ہی موجود تھے، جناب حسن بصری یا عطاء سے پہلے کون سے تابعین تھے جو ماضی میں گزر گئے (فوت ہوگئے) تھے جن کی طرف انھوں نے ”کانوا“ کا لفظ بول کر اشارہ کیا؟ اصولِ فقہ کی متعدد کتب میں یہ بات موجود ہے کہ اس سے صحابہ کرام ہی مراد ہیں، جیسا کہ قاضی ابویعلی ابن الفراء (المتوفی: ۴۵۸ھ) نے لکھا ہے:

”لأن الصحابي والتابعي إذا قال كانوا يفعلون كذا، فإنما يقول ذلك على وجه الدلالة على صحة ما فعلوا، فإذا كان كذلك، وكانت الجماعة التي فعلها وقولها حجة. فإن قيل يجوز أن يكون المراد به فعل بعض الصحابة؛ لأن فعل بعضهم يكون حجة. قيل الواحد لا يقع عليه اسم الجماعة“[1]

”کیونکہ جب صحابی یا تابعی یہ کہے: ”وہ یہ کام کرتے تھے۔“ وہ تو اس کو ان کے فعل کے درست ہونے کی دلیل سمجھ کر بیان کرتا ہے، اگر ایسا ہی ہے، پھر تو وہ ایسی جماعت تھے کہ ان کا قول وفعل بطور جماعت حجت ہے، اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس سے مراد بعض صحابہ کا فعل ہے، کیونکہ بعض صحابہ کا عمل حجت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صرف ایک آدمی پر جماعت کا لفظ نہیں بولا جاتا۔“

اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رقم طراز ہیں:

”إذا قال الصحابي أو التابعي: كانوا يفعلون كذا حمل ذلك على فعل الجماعة التي هي الأمة دون الواحد منهم“[2]

---

[1] العدة في أصول الفقه، ۳/ ۹۹۸.

[2] المسودة في أصول الفقه، ص: ۲۹۶

"جب صحابی یا تابعی یہ کہے: "وہ اس اس طرح کرتے تھے۔" اسے پوری جماعت پر محمول کیا جائے گا نہ کہ ان میں سے کسی ایک پر محمول کیا جائے گا۔"

اس بارے میں ابوالوفا ابن عقیل الظفری (المتوفی: ۵۱۳ھ) نے لکھا ہے:

"إذا قالَ الصَّحابيُّ أوِ التابعيُّ: كانوا يفعلونَ كذا، حُمِلَ على الجماعةِ دونَ واحدٍ منهم"[1]

"جب صحابی یا تابعی یہ کہے: "وہ اس اس طرح کرتے تھے" اسے پوری جماعت پر محمول کیا جائے گا نہ کہ ان میں سے کسی ایک صحابی پر۔"

اس طرح جناب ظفر احمد تھانوی لکھتے ہیں:

"إذا قال التابعي: كانوا يفعلون كذا وكانوا يقولون كذا ولا يرون بذلك بأسا فالظاهر إضافته إلى الصحابة إلا أن يقوم دليل على غير ذلك"[1]

"وہ اس طرح کرتے تھے یا اس طرح کہتے تھے یا وہ اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، تو یقیناً اس کی اضافت صحابہ کی طرف ہے الا کہ اس کے خلاف کوئی دلیل آجائے۔"

جناب بدیع الدین شاہ راشدی نے تھانوی صاحب کے بیان کردہ اصول پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ انھوں نے اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے قرآنی اور غیر قرآنی تعویذ کی کراہت پر استدلال کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:[3]

---

[1] الوَاضِح في أُصُولِ الفِقه، ٥/ ٦٥.

[2] قواعد في علوم الحديث، ص: ١٢٨.

[3] نقض قواعد في علوم الحديث، ص: ١٤١.

تابعین کے کلام میں ''کانوا'' سے کون ہوتا ہے، ان آثار پر غور کرنے سے بات بالکل واضح ہوجاتی ہے:

"عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، قَالَ كَانُوا لَا يَرَوْنَ بِالصُّفْرَةِ وَالْكُدْرَةِ بَأْسًا، يَعْنِي بَعْدَ الْغُسْلِ"

"عن عَمْرِو بْنِ مَيْمُونِ الْأَوْدِيِّ، يَقُولُ كَانُوا لَا يَتْرُكُونَ أَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ عَلَى حَالٍ"

"حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَ حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ قَالَ أَخْبَرَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ قَالَ كَانُوا يَكْرَهُونَ اخْتِصَارَ السُّجُودِ"

"عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: كَانُوا يَكْرَهُونَ اخْتِصَارَ السُّجُودِ، وَكَانُوا يَكْرَهُونَ إِذَا أَتَوْا عَلَى السَّجْدَةِ أَنْ يُجَاوِزُوهَا حَتَّى يَسْجُدُوا"[1]

ان تمام آثار میں بھی لفظ ''کانوا'' کی نسبت اصحاب رسول ﷺ کی طرف ہے، اس لیے مندرجہ بالا اصول کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ مندرجہ بالا آثار میں موجود لفظ ''کانوا'' سے مراد صحابہ کرام ہیں، اسی طرح وہ آثار صحابہ جن کی سند کمزور ہے، اس اصول کی وجہ سے درست قرار پاتے ہیں، کیونکہ تابعین نے ان آثار میں تمام صحابہ سے مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کو نقل کیا ہے۔

مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے بارے صحیح مرسل حدیث:

امام ابو داود نے جلیل القدر تابعی جناب مجاہد بن جبر سے بسند صحیح ایک مرسل حدیث اس طرح بیان کی ہے:

"حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُعَاوِيَةَ،

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة.

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ، سَمِعَ مُجَاهِدًا، يَقُولُ رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا طَوِيلَ اللِّحْيَةِ فَقَالَ لِمَ يُشَوِّهُ أَحَدُكُمْ نَفْسَهُ؟" [1]

"عثمان بن اسود سے مروی ہے کہ اس نے مجاہد بن جبر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک لمبی داڑھی والے آدمی کو دیکھ کر اسے کہا: تم جان بوجھ کر اپنا چہرہ کیوں بگاڑتے ہو؟"

اس حدیث کی سند صحیح ہے کیونکہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، اس کے علاوہ مجاہد سے بسند صحیح داڑھی کٹوانا ثابت ہے اور جہاں تک مروان بن معاویہ کی تدلیس کا تعلق ہے تو وہ صرف تدلیس شیوخ میں مشہور ہے، جیسا کہ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں اس کا ذکر کیا ہے۔ [2]

علامہ البانی نے بھی ابن حجر کی یہی بات نقل کی ہے:

'فإن مروان بن معاوية وإن احتج به الشيخان؛ فإنه كان يدلس أسماء الشيوخ، كما في 'التقريب' وبيانه في 'التهذيب'" [3]

دوسری جگہ علامہ البانی اسی بات کو یوں ذکر کرتے ہیں:

"مروان بن معاوية، وليس فيه علة سوى أنه كان يدلس أسماء الشيوخ" [4]

یعنی مروان بن معاویہ میں سوائے تدلیس شیوخ کے کوئی دوسری علت نہیں ہے۔

---

1. المراسيل، ص: ٣١٦.
2. تهذيب التهذيب، ١٠/ ٩٨.
3. سلسلة الأحاديث الضعيفة، ١٢/ ٨٠٠.
4. سلسلة الأحاديث الضعيفة، ٣/ ٢٣٦.

تدلیس شیوخ کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے شیخ، جس سے وہ حدیث روایت کر رہا ہے، کا نام، کنیت، نسب وغیرہ غیر معروف طریقے سے بیان کرے تاکہ وہ پہچانا نہ جائے۔

مرسل حدیث حجت ہے؟

مرسل حدیث مطلق طور پر حجت نہیں ہے، لیکن کچھ شرائط کے ساتھ مرسل حدیث قابل حجت ہے، یہ امام شافعی کا نظریہ ہے اور دیگر تین بڑے ائمہ ابوحنیفہ، مالک اور احمد کا نقطہ نظر ہے کہ مرسل روایت کو مطلق طور پر قبول کیا جائے گا۔علمائے کرام کا یہ گروہ مرسل حدیث کو اس بنیاد پر قبول کرتا ہے کہ مرسل حدیث صرف ثقہ راوی سے ہی روایت کی گئی ہو، ان کی دلیل یہ ہے کہ ایک ثقہ تابعی صرف اسی صورت میں کسی بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتا ہے جب اس نے یہ حدیث کسی قابل اعتماد شخص سے سنی ہو اس لیے کہ مرسِل اپنے پیشِ نظر «من كذب عليّ متعمداً فليتبوا مقعده من النار» رکھ کر حدیث مرسل روایت کرکے اپنے اوپر ذمہ داری لے رہا ہے اب یہ عادل مرسِل کیسے غیر ثقہ سے روایت کرکے وعید کا مصداق بننا پسند کرے گا؟

مرسل حدیث چند شرطوں کے ساتھ قابلِ حجت ہے یہ جمہور کا نقطہ نظر ہے، وہ شرائط چار ہیں۔[1]

جناب مجاہد بن جبر کی بیان کردہ حدیث میں مندرجہ بالا تمام شرائط موجود ہیں، اس کے ساتھ ساتھ متعدد علمائے کرام نے مجاہد بن جبر کی بیان کردہ مرسل حدیث کو قابلِ حجت قرار دیا ہے، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ مجاہد بن جبر کی مرسل

[1] الرسالة للشافعي، ص: ٤٦١.

روایات کو قابلِ حجت سمجھتے تھے، چنانچہ وہ اس بارے میں رقم طراز ہیں:

"و مراسیل مجاهد حسنة لا سیما وقد روی مسندا من وجوه صحیحة"[1]

یعنی مجاہد بن جبر کی مرسل احادیث اچھی ہوتی ہیں اور یہ لازم ہے کہ ان کی مرسل احادیث صحیح سند کے ساتھ مروی ہوں۔

ابونعیم بیان کرتے ہیں کہ جناب یحییٰ القطان فرماتے ہیں:

"مرسلات مجاهد أحب إلی من مرسلات عطاء بكثیر"[2]

"مجاہد کی مرسل احادیث مجھے عطا بن ابی رباح کی مرسل احادیث سے کہیں زیادہ پسند ہیں۔"

ابوعبید آجری نے بیان کیا ہے کہ میں نے امام ابوداود سے پوچھا:

"مراسیل عطاء أحب إلیك أو مراسیل مجاهد؟ قال: مراسیل مجاهد، عطاء كان یحمل عن كل ضرب"[3]

"آپ کو عطاء اور مجاہد کی مرسل احادیث میں سے کس کی مرسل احادیث زیادہ پسندیدہ ہیں، تو امام ابوداود نے جواب دیا: مجھے مجاہد کی مرسل احادیث زیادہ پسند ہیں، کیونکہ عطا بن ابو رباح ثقہ اور ضعیف تمام قسم کے راویوں سے روایات لے لیتا تھا (جب کہ مجاہد صرف ثقہ سے روایت لیتا تھا)۔"

یہی بات یحییٰ بن سعید القطان سے بھی مروی ہے، امام ترمذی بیان کرتے ہیں:

[1] شرح العمدة، ٤/ ١٥٣.

[2] تهذیب الكمال، (رقم:٦٤٨١)

[3] تهذیب الكمال، (رقم:٦٤٨١)

"عن علي بن عبد اللّٰه، قال يحيى بن سعيد مرسلات مجاهد أحب إلى من مرسلات عطاء بن أبى رباح بكثير كان عطاء يأخذ عن كل ضرب"

"مجھے مجاہد کی مرسل احادیث زیادہ پسند ہیں، کیوں کہ عطا بن ابو رباح ثقہ اور ضعیف تمام قسم کے راویوں سے روایات لے لیتا تھا۔" (جبکہ مجاہد صرف ثقہ سے روایت لیتا تھا)

"قلت ليحيى مرسلات مجاهد أحب إليك أم مرسلات طاؤس؟ قال: ما أقربهما"

امام ذہبی مجاہد بن جبر کی مرسل احادیث کو حجت مانتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"نعم، وإن صح الإسناد إلى تابعى متوسط الطبقة كمراسيل مجاهد وإبراهيم والشعبى فهو مرسل جيد لا بأس به" [1]

"ہاں اگر درمیانے طبقے کے تابعی تک سند صحیح ہو، جیسے کہ مجاہد، ابراہیم اور شعبی کی مرسل احادیث ہیں تو ایسی مرسل احادیث جید ہیں، ان (کو قبول کرنے) میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"وأمّا الحافظ السخاوى رحمہ اللہ فقد قسّم المرسل في كتابه فتح المغيث إلى ست مراتب، قال: خاتمة المرسل مراتب لأعلاها ما أرسله صحابي ثبت سماعه ثم صحابي له رواية فقطت، ولم يثبت سماعه، ثم المخضرم ثم المتقن كسعيد بن المسيب ويليها، من كان يتحرى في شيوخه كالشعبى ومجاهد"

---

[1] الموقظة، ص: ٤٠.

''جناب حافظ سخاوی نے اپنی کتاب ''فتح المغیث'' (۱/ ۱۹٤) میں جناب مجاہد بن جبر کی بیان کردہ مرسل احادیث کو معتبر قرار دیا ہے۔''

اس کے ساتھ ساتھ حافظ ابن حجر نے بھی قتادہ اور مجاہد بن جبر کی مرسل حدیث کو قوی قرار دیا ہے، اس بات کی وضاحت ابن حجر نے فتح الباری میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی بات کرتے ہوئے کی ہے: ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ﴾[1]

علامہ البانی مجاہد بن جبر کی بیان کردہ مرسل حدیث کو حجت مانتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فمن المسلَّم عند العلماء أن مراسيل مجاهد خير من مراسيل غيره من التابعين كعطاء وغيره''[2]

''یہ بات علماء کے ہاں مسلم ہے کہ مجاہد کی مرسل احادیث دیگر تابعین عطا وغیرہ کی مرسل احادیث سے بہتر ہیں۔''

صحابہ کا یہ عمل حج وعمرہ کے ساتھ خاص تھا؟

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل حج وعمرہ کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ سارا سال جاری رہتا تھا، جیسا کہ امام مالک نے اس کی وضاحت کی ہے:

''أن عبد الله بن عمر كان إذا أفطر من رمضان وهو يريد الحج لم يأخذ من رأسه ولا من لحيته شيأ حتى يحج''[3]

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب رمضان المبارک سے فارغ ہوتے اور حج کا ارادہ بھی ہوتا تو اپنی داڑھی اور سر کے بال نہ کاٹتے، یہاں تک کہ حج مبارک

---

[1] فتح الباري، ۸/ ۳۳۵.

[2] سلسلة الأحاديث الضعيفة، ۷/ ۱۲۱٦.

[3] موطأ إمام مالك، (رقم: ۱۳۹٦)

سے فارغ ہوتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شوال اور ذی قعدہ اور عشرہ ذی الحج تک نہیں کتراتے تھے، باقی مہینوں میں قبضے سے اگر زائد ہو جاتی تھی تو کتراتے تھے۔

حافظ ابن عبد البر عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کے متعلق لکھتے ہیں:

"وفي أخذ بن عُمَرَ مِنْ آخرِ لِحْيَتِهِ فِي الْحَجِّ دَلِيلٌ عَلَى جَوَازِ الْأَخْذِ مِنَ اللِّحْيَةِ فِي غَيْرِ الْحَجِّ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ غَيْرُ جَائِزٍ مَا جَازَ فِي الْحَجِّ لِأَنَّهُمْ أُمِرُوا أَنْ يَحْلِقُوا أَوْ يُقَصِّرُوا إِذَا حَلُّوا مَحَلَّ حَجِّهِمْ مَا نهوا عنه في حجهم، وابن عُمَرَ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أعفوا اللحىٰ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَعْنَى مَا رَوَى فَكَانَ الْمَعْنَى عِنْدَهُ وَعِنْدَ جُمْهُورِ الْعُلَمَاءِ الْأَخْذُ مِنَ اللِّحْيَةِ مَا تَطَايَرَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ" [1]

"اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایام حج میں اپنی داڑھی کے آگے سے بال (کاٹ) لینا اس بات پر دلیل ہے کہ غیر ایام حج میں بھی یہ فعل جائز ہے، کیونکہ اگر یہ فعل تمام اوقات میں ناجائز ہوتا تو حج میں بھی جائز نہ ہوتا، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تو یہ حکم تھا کہ جب وہ حج سے فارغ ہوں تو وہ اپنے بال منڈوا دیں یا کتروا دیں جس سے ان کو احرام کی حالت میں روکا گیا تھا اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے: «أعفوا اللحی» "داڑھیوں کو بڑھاؤ" اور خود مٹھی سے بال زیادہ لیتے تھے۔ اس حدیث کا مطلب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خوب جانتے ہیں، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور علماء کے

[1] ابن عبد البر، الاستذکار، ٤/ ٣١٧.

نزدیک یہ جائز ہے کہ وہ بال (کاٹ) لیے جائیں جو زائد اور پراگندہ ہوں اور بُرے معلوم ہوں۔''

اسی طرح حافظ ابن حجر نے ان لوگوں (امام کرمانی وغیرہ) کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ابن عمر کا یہ عمل حج کے ساتھ خاص تھا:

''أَن بن عُمَرَ كَانَ لَا يَخُصُّ هَذَا التَّخْصِيصَ بِالنُّسُكِ''[1]

یعنی ابن عمر اس عمل (داڑھی کٹانے) کو صرف حج و عمرہ کے ساتھ خاص نہیں کرتے تھے۔''

نواب صدیق حسن خان مرحوم اپنی کتاب ''اتحاف النبلاء'' میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

''واز فوائد ابن قیم رحمہ اللہ است کہ گفتہ ابن عمر روى حديث إعفاء اللحية وكان مع ذلك يمسك لحية فما فضل عن القبضة أخذه انها ما ذكر رسول الله ﷺ إعفاء اللحية كلمه أصحابه فقال يمسك قبضة فما جاوز ذلك جزه إن شاء فلعل ابن عمر بلغه هذا من حديث رسول الله ﷺ فذهب اليه وإلا فالإعفاء يابى ذلك ولكن لما رواه ابن عمر وأخذ ما جاوز القبضة مع شدة تحريه وورعه واتباعه للسنة دل على أن عنده من ذلك عما بالرخصة''[1]

فوائد ابن قیم رحمہ اللہ سے ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعفاء اللحیۃ کی حدیث روایت کی ہے:

اس کے باوجود وہ مشت سے زائد بال کاٹ دیتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ

[1] فتح الباري، ١٠/ ٣٥٠. [2] إتحاف، ١٠/ ٣٧٣.

نے جب "إعفاء اللحية" (وغیرہ) کا امر فرمایا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں گفتگو کی (کہ زیادہ بھاری لمبی داڑھی میں تکلیف ہوتی ہے) تو آپ نے فرمایا: داڑھی کو مٹھی میں پکڑ کر جو زائد بال ہوں ان کے کٹانے کا اختیار ہے، شاید ابن عمر رضی اللہ عنہما کو (اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو) یہ حدیث پہنچی ہوگی، اسی بنا پر وہ مٹھی سے زائد کٹاتے تھے، ورنہ "إعفاء اللحية" (وغیرہ) کی حدیث اس (کٹانے) سے روکتی ہے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اس کے خلاف عمل کس طرح کر سکتے تھے، حالانکہ وہ بڑے محتاط بڑے پرہیزگار اور متبع سنت تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو مٹھی سے زائد کٹانے کی حدیث کا علم تھا۔

مشت سے زائد داڑھی کٹانے کے جواز پر اجماع:

میرا تو یہ دعوی ہے کہ یک مشت سے زائد داڑھی کٹانے کے جواز پر صحابہ کرام کا اجماع ہے، اجماع کی شروط میں سے یہ کوئی شرط نہیں ہے کہ صحابہ کرام میں سے ہر ایک صحابی کی رائے ہم تک نقل ہو کر آتی، باوجود اس کے کہ وہ مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے، ہمارے لیے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ بڑے بڑے اجل محدث اور سب سے بڑھ کر متبع سنت صحابہ کرام (ابن عمر، ابن عباس، ابو ہریرہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم) اور تابعین عظام جن کی علمی اور فقہی قدر و منزلت مسلم ہے اور وہ مشہور فقہی مدارس کے شیوخ الحدیث تھے، وہ یک مشت داڑھی سے زائد داڑھی کے کٹانے کو جائز سمجھتے تھے، حالانکہ ان چاروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے داڑھی کی حدیث بیان کی ہے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یک مشت سے زائد داڑھی کے کٹانے کے جواز میں کوئی صحابی ان کا مخالف بھی

نہ تھا، اس لیے ہم اس کو اجماع سکوتی کہہ سکتے ہیں، دور حاضر کے مشہور و معروف مفسر جناب امین شنقیطی نے لکھا ہے:

”فإن انتشر في الصحابة ولم يظهر له مخالف فهو الإجماع السكوتي وهو حجة عند الأكثر“[1]

”اگر کسی صحابی کا کوئی عمل دیگر صحابہ کرام میں پھیل جائے اور کوئی صحابی اس کی مخالفت بھی نہ کرے تو اسی کو اجماع سکوتی کہتے ہیں جو اکثر علمائے کرام کے نزدیک حجت ہے۔“

امام ابن تیمیہ اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں:

”إِذَا لَمْ يُخَالِفْهُ غَيْرُهُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَا عُرِفَ نَصٌّ يُخَالِفُهُ ثُمَّ إِذَا اشْتَهَرَ وَلَمْ يُنْكِرُوهُ كَانَ إِقْرَارًا عَلَى الْقَوْلِ فَقَدْ يُقَالُ: هَذَا إِجْمَاعٌ إِقْرَارِي“[2]

”جب کوئی دوسرا صحابی اس قول کا مخالف نہ ہو، یہ بھی معروف نہ ہو کہ اس قول سے کسی نص کی مخالفت لازم آتی ہے، پھر جب یہ قول شہرت پکڑ جائے، اور دیگر صحابہ اس قول کا انکار بھی نہ کریں، یہ تو اس قول کو قائم و ثابت رکھنا ہے، لہٰذا کہنا پڑے گا کہ یہ اجماع اقراری ہے۔“

صحابہ کرام کے یک مشت سے زائد داڑھی کٹانے سے کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی، نص یہ ہے کہ داڑھی بڑھاؤ، صحابہ کرام نے داڑھی کو بڑھایا ہے، صحابہ نے داڑھی کی حدیث کے عموم کو خاص کیا ہے، کیونکہ وہ بہتر جانتے تھے کہ کسی نص پر کہاں تک عمل کرنا ہے۔

---

[1] مذكره في أصول الفقه، لأمين شنقيطي، ص: ١٩٨.

[2] مجموع الفتاوى، ١/ ٢٨٣.

حافظ زبیر علی زئی اور علامہ البانی رحمہما اللہ:

اسی طرح حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس مسئلے میں صحابہ کے اجماع کی طرف اشارہ کیا ہے، یوٹیوب پر زبیر صاحب کی ویڈیو موجود ہے جس میں وہ داڑھی کاٹنے کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ یک مشت سے زائد داڑھی کے کاٹنے کے جواز پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ اور اس بارے میں البانی صاحب کا موقف کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کیا صحابہ کرام کا یہ عمل ڈھکا چھپا تھا، کیا دیگر اصحابِ رسول مذکورہ صحابہ کے اس عمل سے نا آشنا تھے؟ مزید یہ کہ یہاں تو صرف ایک صحابی کے عمل کی مشہوری کی بات ہو رہی ہے، دوسری طرف متعدد صحابہ کرام ہیں، جنھوں نے اسلام ہم تک پہنچایا ہے، پھر آگے ان کے تلامذہ نے بھی اس عمل «تكثير اللحيه» میں ان کی پیروی کی ہے، کتبِ حدیث اور کتبِ فقہ و سیرت اس بات کی دلیل ہیں کہ ان صحابہ کرام کے شاگردوں نے بھی یہ عمل جاری رکھا، یعنی یہ بھی یک مشت سے زائد داڑھی کٹانے کے قائل و فاعل تھے، اور ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ میں سے کسی نے بھی ان پر اعتراض نہیں کیا کہ تم سنت کی خلاف ورزی کر رہے ہو، یا ان سے یہ نہیں کہا کہ تم دین میں اضافہ کر رہے ہو۔ کیا صحابہ کرام دوران حج و عمرہ مجوس اور مشرکین کی مشابہت اختیار کرتے تھے، کیا عقل اس بات کو تسلیم کرتی ہے کہ کوئی عبد اللہ بن عمر جیسا متبع سنت صحابی اور دیگر اصحاب رسول مشت سے زائد داڑھی کٹوا کر مجوس اور مشرکین کی مشابہت اختیار کر کے حج و عمرہ کے دوران اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔

داڑھی کے معاملے میں صحابی کا عمل حجت ہے؟

میرے خیال میں یہی وہ اہم بات ہے جس کو سمجھنا انتہائی اہم ہے، صحیح

بات تو یہی ہے کہ شریعت میں کسی صحابی کا کوئی عمل حجت نہیں ہے اور نہ ہی ان کا کوئی قول شریعت سازی کر سکتا ہے۔ لیکن یہاں بات یہ نہیں ہے کہ صحابی کا قول و فعل حجت ہے یا نہیں ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قرآن و حدیث کا فہم اور معنی معتبر ہے، وہ فہم جو چودھویں پندرھویں صدی کا ایک عالم پیش کر رہا ہے یا وہ فہم جو صحابہ کرام، تابعینِ عظام، تبع تابعین اور محدثین سے ثابت ہے؟

ہم تو وہی فہم معتبر سمجھتے ہیں جو صحابہ کرام، تابعینِ عظام، تبع تابعین اور محدثین سے ثابت اور قابلِ اعتماد علمائے امت سے ثابت ہے، ہمارے علم کے مطابق کسی صحابی، تابعی یا تبع تابعی نے بسند صحیح ایک مٹھی سے زائد داڑھی کٹوانے کو حرام یا ناجائز قرار نہیں دیا۔

حافظ عبد اللہ روپڑی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ سلف کا خلاف جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ لغت اور اصطلاحات سے غافل نہ تھے۔''

عدم جواز کے دلائل کی حقیقت:

راوی کی روایت کو لیا جائے گا اور اس کی رائے کو ترک کر دیا جائے گا:

''العبرة بروایة الراوی لا برأیه'' بعض علمائے فقہ کے اس اصول کو یک مشت سے زائد داڑھی کے کاٹنے پر لاگو کرتے ہیں، حالانکہ یہ اصول اس جگہ نافذ نہیں ہوتا، کیوں؟ یہاں راوی کی رائے نہیں ہے، بلکہ صحابہ کرام نے شریعت کی مراد کو ہم تک اپنے فہم و عمل کے ذریعے پہنچایا ہے اور یہ ایک صحابی کا فہم و عمل نہیں ہے

(1) فتاوی اہلِ حدیث، ۱/ ۱۱۱۔

بلکہ ان چاروں صحابہ کرام کا فہم وعمل ہے جو داڑھی کی حدیث کے رواۃ ہیں، کیا ان تمام صحابہ نے اس روایت کو بیان کر کے اس کی مخالفت کی ہے، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام ایک عمل کو رسول اکرم سے بیان کریں کہ یہ مجوس اور مشرکین کا عمل ہے اور پھر خود ہی حج وعمرہ کے مقدس موقع پر مجوس ومشرکین کے اس عمل کو انجام دیں اور مستزاد یہ کہ وہ سنت پر تمام صحابہ سے بڑھ کر عمل کرنے والے ہوں، ان پر کوئی نکیر بھی نہ کرے، جب کہ کبار صحابہ کرام بھی وہاں موجود ہوں، ہمارے علم کے مطابق کسی ایک صحابی یا تابعی سے اس کام کی نکیر یا حرمت ثابت نہیں ہے۔ جبکہ اس کے برعکس متعدد صحابہ اور تابعین کی رائے موجود ہے۔

اسی طرح ایک روایت کو مطلق داڑھی چھوڑنے کی دلیل بنایا جاتا ہے، جسے شرجیل بن مسلم بیان کرتے ہیں:

”رأيت خمسة من أصحاب رسول اللهﷺ يقمون شواربهم، ويعفون لحاهم ويصفرونها: أبو أمامة الباهلي، وعبد الله بن بسر المازني، وعتبة بن عبد السلمي، والحجاج بن عامر الثمالي، والمقدام بن معدي كرب؛ كانوا يقمون مع طرف الشفة“[1]

”میں نے پانچ صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ مونچھوں کو کاٹتے تھے اور داڑھیوں کو بڑھاتے تھے اور ان کو رنگتے تھے، سیدنا ابو امامہ الباہلی، سیدنا حجاج بن عامر الثمالی، سیدنا مدنام بن معدی کرب، سیدنا عبداللہ بن بسر المازنی، سیدنا عتبہ بن عبد السلمی، وہ سب ہونٹ کے کنارے سے مونچھیں کاٹتے تھے۔“

[1] الطبراني، ١/ ٢/ ٣٢٩.

اس اثر میں محل استدلال لفظ « یعفون » ہے، جس کے معنی داڑھی بڑھانے کے ہیں، تو ہم کہتے ہیں کہ یک مشت داڑھی بھی اعفا میں شامل ہے، جیسا کہ امام احمد بن حنبل نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں وضاحت کی ہے کہ ان کے نزدیک ایک مشت داڑھی ہی اعفا ہے، اس بارے میں سب سے بڑی دلیل ہی یہ ہے کہ کسی صحابی سے یک مشت سے زائد داڑھی کٹانے پر کوئی نکیر، حرمت یا ممانعت ثابت نہیں ہے۔ اگر کسی صحابی کی داڑھی مشت سے زائد ثابت بھی ہو جائے تو اس کو استحباب پر محمول کیا جائے گا، یعنی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مشت سے زاید داڑھی کٹانا حرام ہے۔

بعض اعتراضات کا جواب:

بعض علمائے کرام نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (طلاق بتہ کے ایک طلاق ہونے پر ان کا فتوی بھی موجود ہے) کے تین طلاقوں کے نفاذ کے معاملے کو دلیل بنا کر یہ کہا کہ اگر ہم داڑھی کے مسئلے میں صحابہ کرام کی رائے کو تسلیم کر رہے ہیں تو ہمیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تین طلاقوں کے نفاذ کو بھی تسلیم کر لینا چاہیے، ہم یہ کہتے ہیں کہ داڑھی کے کاٹنے کے مسئلے کو تین طلاقوں کے نفاذ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ ایک جزوقتی تعزیری معاملہ تھا، اس تعزیر کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس عمل سے باز آجائیں۔ تین طلاقوں کو نافذ کرتے وقت خلیفہ راشد اور دیگر اصحاب کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوں گی اور عملی طور پر اس کا وقوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ابن رکانہ کی طلاق کی صورت میں ہو گیا تھا۔

کیا شارحین حدیث میں سے کسی شارح نے "إعفاء اللحیه" کے

مسئلے کو تین طلاقوں کے نفاذ کے مسئلے پر قیاس کیا ہے؟ برصغیر کے اہلِ حدیث علماء مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کی حرمت ثابت کرنے کے لیے ایسی چیزوں کو دلیل بناتے ہیں، جنھیں اس دور سے پہلے کبھی کسی نے بھی دلیل نہ بنایا ہو۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جماع فی الدبر کا جواز (ان سے اس کی حرمت بھی ثابت ہے) اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کتے کے چاٹے ہوئے برتن کو تین بار دھونے سے پاک قرار دینا، (اس بارے میں ان کا رجوع بھی موجود ہے) سیدنا عمر بن خطاب کا حج قران سے منع کرنا (حالانکہ اس معاملے میں عبداللہ بن عمر کی نکیر بھی موجود ہے) اسی طرح عثمان غنی کے بعض تفردات، سیدہ عائشہ کا سفر میں چار رکعتیں پڑھنا (جبکہ سفر میں قصر نہ کرنا بھی جائز ہے) اور ان کا بلوغت کے بعد رضاعت کو ثابت کرنا، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا سونے کی انگوٹھی پہننا، حالانکہ یہ ان کے ساتھ خاص تھا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا روزے کی حالت میں برف کھانا، یہ تمام مسائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تفردات وشذوذ ہیں، ان تفردات کو داڑھی کے راویوں کے اجتماعی فہم اور صحابہ کے اجتماعی عمل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک لمبی نہ تھی:

کوئی ایسی حدیث بھی موجود نہیں ہے کہ جس میں اس بات کا ذکر موجود ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی اتنی لمبی تھی کہ آپ کو داڑھی کاٹنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہو، نہ ہی کسی صحابی نے ایسا بیان کیا کہ آپ کی داڑھی مبارک لمبی تھی، لیکن متعدد صحیح احادیث میں یہ بات موجود ہے کہ آپ کی داڑھی مبارک گھنی غیر طویل تھی، ابن اثیر نے لکھا ہے:

"فِي صِفَتِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ كَثُّ اللِّحْيَةِ الكثاثة فِي

اللِّحْيَة، أن تكون غير رقيفة وَلَا طَوِيلَةٍ، وَلَكِنْ فِيهَا كَثَافَة"[1]

''آپ کی داڑھی کے بال گھرے تھے، نہ کہ لمبے۔''

یہی بات بیسیوں محدثین اور علما نے لکھی ہے اور جن روایات میں ہے کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کی قراءت کو داڑھی کے حرکت کرنے سے پہچانتے تھے، اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کی داڑھی لمبی تھی، کیونکہ بہت چھوٹی داڑھی والے امام کے پیچھے کھڑے ہو کر بھی یہ پتا چلتا ہے کہ قراءت کرنے کی وجہ سے اس کی داڑھی حرکت کر رہی ہے، امام کے پیچھے والی پوری صف اس کا مشاہدہ کر سکتی ہے، اگر ہم ''كث اللحية'' اور ''حتى كادت تملأ نحره'' کے مفہوم کو ملائیں تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ آپ کی داڑھی لمبی نہیں تھی بلکہ نحر، یعنی گلے تک تھی، کیونکہ ''فالروايات يصدق بعضها بعضا''

اور ایسی کوئی صحیح یا ضعیف حدیث موجود نہیں ہے جس میں قطعی طور پر یہ وضاحت موجود ہو کہ رسول اللہ ﷺ اپنی داڑھی نہیں کاٹتے تھے، حالانکہ اس کے برعکس ایک ضعیف روایت ایسی موجود ہے کہ جس میں آپ ﷺ کے داڑھی کٹانے کا ذکر موجود ہے۔ علامہ البانی نے اس مسئلے کے بارے میں بات کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، جس میں اس بات کا ذکر موجود ہو کہ آپ ﷺ نے کبھی داڑھی نہیں کٹوائی۔

شیخ بدیع کے دلائل:

فضیلۃ الشیخ جناب بدیع الدین شاہ الراشدی ''اسلام میں داڑھی کا مقام'' میں رقم طراز ہیں:

[1] النهاية في غريب الحديث والأثر، ٤/ ١٥٢.

”عَنْ عُثْمَانَ بْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ رَافِعٍ، أَنَّهُ رَأَى أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، وَجَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ، وَسَلَمَةَ بْنَ الْأَكْوَعِ، وَأَبَا أُسَيْدٍ الْبَدْرِيَّ، وَرَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ، وَأَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رضی اللہ عنہم يَأْخُذُونَ مِنَ الشَّوَارِبِ كَأَخْذِ الْحَلْقِ، وَيُعْفُونَ اللِّحَى“ [1]

”عثمان بن عبداللہ بن ابی رافع سے روایت ہے کہ انھوں نے ان سات صحابہ کو دیکھا: ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، سلمہ بن اکوع، ابواسید بدری، رافع بن خدیج، انس بن مالک رضی اللہ عنہم یہ مونچھیں کاٹتے تھے۔ گویا کہ مونڈنے کے مشابہ ہیں اور داڑھیوں کو بڑھاتے اور چھوڑتے تھے۔“

اس اثر میں شیخ نے «یعفون» کے معنی چھوڑتے تھے کے کیے ہیں، حالانکہ اس کے معنی بڑھانے کے ہیں اور ابن عمر اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے تو بسند صحیح داڑھی کاٹنا ثابت ہے، گویا صحابہ کے نزدیک اعفا کے معنی مطلق ترک کے نہیں ہیں، اس کے علاوہ شیخ بدیع نے قاضی عیاض، امام نووی، شہاب الدین ابن ارسلان، عبدالرحمن مبارکپوری، عبدالرؤف مناوی، علامہ حیات سندھی، شاہ عبدالحق دہلوی کا موقف بیان کیا ہے کہ داڑھی کو کاٹنا غیر شرعی ہے۔

حالانکہ جناب قاضی عیاض (متوفی: ۵۴۴ھ) کا قول ہے:

”أما الأخذ من طولها و عرضها فحسن“ [2]

”جہاں تک داڑھی کے طول و عرض سے کاٹنے کا مسئلہ ہے تو یہ پسندیدہ ہے۔“

---

[1] المعجم الكبير للطبراني (رقم: ٦٦٨)

[2] الإكمال في شرح مسلم، ١/ ١٢٠.

اسی طرح شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است و آنکہ آنرا سنت گیند بمعنی طریقہ مسلوک دین است یا بجہت آنکہ ثبوت آں بسنت است، چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند۔"[1]

"داڑھی بہ مقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے اور جو اسے سنت قرار دیتے ہیں وہ اس معنی میں ہے کہ یہ دین میں آنحضرت ﷺ کا جاری کردہ طریقہ ہے یا اس وجہ سے کہ اس کا ثبوت سنتِ نبوی سے ہے جیسا کہ نماز عید کو سنت کہا جاتا ہے۔"

اور جہاں تک علامہ حیات حنفی سندھی کا تعلق ہے، ان کے نزدیک بھی ایک مشت ہی فرض ہے، چنانچہ وہ ایک حدیث کو ذکر کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

"وهذا نص من صاحب الطريقة على أنّ قص ما دون"[2]

"یہ حدیث صاحب طریقہ کی طرف سے اس بات پر نص ہے کہ جو داڑھی مشت سے کم ہو اسے کاٹنا منع ہے، کیونکہ اس سے داڑھی کو بڑھانے کے حکم کی مخالفت لازم آتی ہے۔"

اور جہاں تک علامہ مناوی کا تعلق ہے تو علامہ مناوی تو خود داڑھی کاٹنے کو جائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ وہ فیض القدیر میں لکھتے ہیں:

"ثم محل الإعفاء في غير ما طال من أطرافها حتى تشعث وخرج عن السمت أما هو فلا يكره قصه"[3]

---

[1] أشعة اللمعات، كتاب الطهارة، باب السواك.

[2] إعفاء اللحية، ص: ٥٨.

[3] فيض القدير، ١/ ١٩٨.

''داڑھی کو بڑھانے کا محل داڑھی کے اس حصے کے علاوہ ہے جو اطراف سے اتنا لمبا ہو جائے کہ بھدا لگنے لگے اور اچھی ہیئت سے نکل جائے تو اسے کاٹنا غلط نہیں ہے (بلکہ درست ہے)۔''

اسی طرح شیخ بدیع نے شہاب الدین ابن رسلان (المتوفی: ۸۴۴ھ) سے نقل کیا ہے کہ داڑھی کو کاٹنا مطلق طور پر منع ہے، حالانکہ ابن رسلان نے تو داڑھی کو اس طرح کاٹنے سے منع کیا ہے جس طرح کافر اور قلندری قسم کے لوگ کاٹتے ہیں، جیسا کہ ان کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

«وإعفاء اللحية بالمد هو توفيرها وتركها بحالها ولا يقص شيئا كعادة بعض الكفار القلندرية»

''داڑھی کو بڑھانے سے مراد اس کو بڑا کرنا اور (کسی حد تک) اسے اس کے حال پر چھوڑنا ہے، اور اسے قلندری فرقہ اور کافروں کی طرح کاٹا نہ جائے۔''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان قلندری لوگوں کے بارے بالوضاحت لکھا ہے کہ یہ داڑھیاں منڈواتے ہیں، چنانچہ وہ مجموع الفتاوی میں لکھتے ہیں:

'هٰؤُلَاءِ الْقَلَندرِيَّةُ الْمُحَلِّقِي اللِّحى، فَمِنْ أَهْلِ الضَّلَالَةِ وَالْجَهَالَةِ وَأَكْثَرُهُمْ كَافِرُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ' [1]

''یہ قلندری لوگ داڑھیوں کو مونڈنے والے، ان کا شمار گمراہ اور جاہل لوگوں میں ہوتا ہے اور ان کی اکثریت اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کفر کرتے ہیں۔''

[1] مجموع الفتاوی: ۳۵/ ۱۶۳۔

شیخ بدیع نے جن لوگوں کا موقف یہ بیان کیا ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے، ان سے تو مشت سے زائد داڑھی کے کاٹنے کا جواز منقول ہے، جسے تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے، اسی طرح انھوں نے امام نووی کا موقف ذکر کیا ہے کہ وہ مطلق اعفا کے قائل تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ سلف صالحین کے فہم کے مقابلے میں امام نووی (المتوفی: ٦٧٦ھ) اور ابن رسلان (المتوفی: ٨٤٤ھ) کے فہم کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ واللہ أعلم بالصواب.

صرف چار صحابہ مشت سے زائد داڑھی کٹاتے تھے؟

جو لوگ مطلق اعفا کے قائل ہیں ان کی طرف سے یہ ایک بہت بڑا اعتراض ہے کہ صرف چند صحابہ کرام ہی مشت سے زائد داڑھی کٹاتے تھے، دیگر صحابہ داڑھی نہیں کٹاتے تھے، ان کا یہ اعتراض بالکل بے بنیاد ہے، کیونکہ تمام صحابہ کرام سے مشت سے زائد داڑھی کٹانا ثابت ہے، جیسا کہ ان آثار میں اس کی وضاحت موجود ہے:

"عَن ابْن عَبَّاس فِي قَوْله: ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ [الحج: ٢٩] قَالَ: التَّفَثُ الحَلْق والتّقصير والأخذُ من اللّحية والشّارب والإبط، والذّبح وَالرَّمْي" [1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ کی تفسیر اس طرح منقول ہے: تفث سے مراد حلق، تقصیر اور داڑھی، مونچھ اور بغلوں کے بال کاٹنا، قربانی اور رمی کرنا ہے۔"

تابعی جلیل جناب عطا بن ابی رباح (وفات: ١١٤ھ) بیان کرتے ہیں:

[1] تهذيب اللغة لمحمد بن أحمد، ١٤/ ١٩٠ سنده صحيح.

"عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ: كَانُوا يُحِبُّونَ أَنْ يُعْفُوا اللِّحْيَةَ إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ"[1]

"وہ (ہمارے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام و تابعین عظام) حج و عمرہ کے موقع پر اپنی مشت سے زائد داڑھیاں کاٹنا پسند کیا کرتے تھے۔"

جناب عطا دو سو صحابہ کے شاگرد ہیں: لفظ «يحبون» سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام صحابہ کے نزدیک حج و عمرہ کے بعد یہ عمل مستحب تھا، یعنی ہر صحابی اور تابعی یہ فعل انجام دیتا تھا، اس کے علاوہ اسی معنی کی ایک روایت سیدنا جابر بن عبداللہ سے مروی ہے:

«كُنَّا نُعْفِي السِّبَالَ إِلَّا فِي حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ»[2]

"ہم تمام صحابہ حج و عمرہ کے علاوہ داڑھیاں بڑھاتے تھے۔ یعنی حج یا عمرہ کے موقع پر تمام صحابہ کرام داڑھیاں کٹاتے تھے۔"

شارح ابو داود جناب شمس الحق عظیم آبادی نے بھی اس اثر کو صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وَفِي الْحَدِيثِ أَنَّ الصَّحَابَةَ رضی اللہ عنہم كَانُوا يُقَصِّرُونَ مِنَ اللِّحْيَةِ فِي النُّسُكِ"[3]

"حدیث میں آیا ہے کہ صحابہ کرام حج و عمرہ کے موقع پر اپنی داڑھیاں کاٹتے تھے۔"

ان آثار کو سامنے رکھ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمام صحابہ حج و عمرہ کے بعد

---

① مصنف ابن أبي شيبة، الرقم: ٢٥٤٨٢، سنده صحيح.

② سنن أبي داود: (ح: ٤٢٠١)، مصنف ابن أبي شيبة: (ح: ٢٥٥٠٤) سنده حسن.

③ عون المعبود: ١١/ ١٧١.

داڑھی کاٹتے تھے، بلکہ وہ اس عمل کو مستحب سمجھتے تھے، جواز تو پھر بھی باقی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا کہاں باقی رہا؟ ان آثار میں یہ بات واضح طور پر موجود ہے کہ حج یا عمرہ کے موقع پر داڑھی کٹانا مستحب ہے، اور عمرہ تو سال میں کسی وقت بھی ہوسکتا ہے اور جتنے چاہے کوئی عمرے کرے تو وہ بار بار عمرے کے وقت داڑھی کٹا دے تو یہ اس کے لیے مستحب ہے، اس طرح داڑھی کو مطلق چھوڑ دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

محدثِ کبیر امام ابن ابی شیبہ بیان کرتے ہیں:

”عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ: كَانُوا يُرَخِّصُونَ فِيمَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ مِنَ اللِّحْيَةِ أَنْ يُؤْخَذَ مِنْهَا“[1]

”جناب حسن بصری سے مروی ہے کہ وہ (صحابہ و تابعین) مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کی رخصت دیتے تھے۔“

جناب حسن بصری نے سینکڑوں صحابہ کرام سے سماع کیا ہے، اسی لیے حسن بصری مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے قائل تھے۔ محدث کبیر امام ابن ابی شیبہ تابعی جلیل جناب ابراہیم بن یزید نخعی سے بیان کرتے ہیں:

”كانوا يأخذون من جوانبها، وينظفونها يعني، اللحية“

”وہ (ہمارے زمانے کے لوگ یعنی صحابہ کرام وتابعین عظام) داڑھی کے اطراف سے (مشت سے زائد) بال لیتے تھے اور اسے صاف ستھرا رکھتے تھے۔“

یہ ابراہیم نخعی بلوغت سے پہلے سیدہ عائشہ کے پاس آتے جاتے تھے۔[2]

[1] مصنف ابن أبي شيبة، (رقم: ٢٥٤٨٤) اشعث کے سبب اس کی سند حسن ہے۔
[2] مصنف ابن أبي شيبة، ٨/ ٥٦٤. (رقم: ٢٥٤٩٠) سنده صحيح.

امام بخاری تاریخ کبیر میں رقم طراز ہیں:

''قال علي بن حُجر: حدَّثنا يَحيى بن سَعِيد الأُمَوِي، عَنْ أَبيه، عَنْ خُثَيم بْن مَروان السلمي: كتب عُمر لا يغزون رجل حتى يأخذ ما فَضل من لحيته''[1]

جناب خثیم بن مروان سے مروی ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب نے لکھا کہ کوئی آدمی اپنی زائد داڑھی کو کاٹے بغیر غزوہ میں ہرگز شریک نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت زیادہ لمبی داڑھی قتال میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔

میں نے ایک ٹیوٹا ڈرائیور کو دیکھا کہ اس نے ایک مولوی صاحب سے لڑائی کرتے ہوئے اس کی داڑھی پکڑ لی اور مولوی صاحب داڑھی چھڑا نہ سکے اور میں نے خود بعض بھائیوں کو دیکھا ہے کہ کام کرتے وقت ان کی لمبی داڑھی مشین میں آ گئی۔

اور علامہ ابن بطال نے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں:

''وروى عن عمر رضي الله عنه أنه رأى رجلًا قد ترك لحيته حتى كبرت، فأخذ يجذبها، ثم قال: ائتوني بجلمتين، ثم أمر رجلًا فجز ما تحت يده، ثم قال: اذهب فأصلح شعرك، أو أفسده، يترك أحدكم نفسه حتى كأنه سبع من السباع''[2]

''سیدنا عمر بن خطاب سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کی داڑھی نہ کاٹنے کی وجہ سے بڑی ہوگئی تھی، تو آپ اس کو کھینچ کر لمبا کرنے لگے، چنانچہ انھوں نے قینچی لانے کا کہا، پھر

[1] التاريخ الكبير للبخاري، ٣/ ٢١١. [2] شرح ابن بطال: ٩/ ١٤٦.

ایک آدمی کو حکم دیا کہ جو مشت سے زائد ہے اسے کاٹ دو، اور اس آدمی سے کہا کہ جاؤ اب اپنے بالوں کو درست کرو یا ان کو بگاڑو، پھر کہنے لگے تم میں سے کوئی (داڑھی اور سر کے) بالوں کو اس طرح چھوڑ دیتا ہے گویا کہ وہ درندوں میں سے ایک درندہ ہے۔''

سیدنا ابو ہریرہ کا عمل مصنف ابن ابی شیبہ میں اس طرح بیان ہوا ہے:

''عن أبی زرعة: كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ، ثُمَّ يَأْخُذُ مَا فَضَلَ عَنِ الْقُبْضَةِ''[1]

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے پھر مٹھی سے زائد داڑھی کو پکڑ کر کاٹ دیتے تھے۔''

''عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ أَنَّهُ كَانَ يَخْضِبُ بِالْحِنَّاءِ قَالَ فَقَبَضَ يَوْمًا عَلَى لِحْيَتِهِ فَقَالَ: كَأَنَّ خِضَابِي خِضَابُ أَبِي هُرَيْرَةَ وَلِحْيَتِي مِثْلُ لِحْيَتِهِ وَشَعْرِي مِثْلُ شَعْرِهِ وَثِيَابِي مِثْلُ ثِيَابِهِ وعليه ممصران''[2]

تابعی جلیل جناب محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ وہ حنا کے ساتھ خضاب لگاتے تھے، راوی بیان کرتا ہے کہ انھوں نے ایک دن اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیا اور کہنے لگے: میرا خضاب سیدنا ابو ہریرہ کے خضاب جیسا ہے، میری داڑھی ان کی داڑھی جیسی ہے، میرے بال ان کے بالوں جیسے ہیں اور میرے کپڑے بھی ان کے کپڑوں جیسے ہیں، اور وہ دو لال کپڑے پہنے ہوئے تھے۔''

اس اثر میں اہم بات یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مشت سے زائد

[1] مصنف ابن أبي شيبة، ٥/ ٢٢٥، رقم: ٢٥٤٨١.
[2] طبقات ابن سعد، ٤/ ٢٤٩، سنده صحيح.

داڑھی کاٹنا ثابت ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے اور امام ابن سیرین سے بھی داڑھی کاٹنا ثابت ہے، یعنی اگر ان دونوں میں سے کسی ایک سے داڑھی کاٹنا ثابت ہو جائے تو اس بارے میں یہی کہا جائے گا کہ دونوں سے کاٹنا ثابت ہے۔ سیدنا علی بن ابو طالبت سے ایک روایت مروی ہے، جسے ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے:

"عن سماك بن يزيد قال: كان علي يأخذ من لحيته مما يلي وجهه"[1]

"سماک بن یزید سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اپنے چہرے سے ملی ہوئی داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔"

ان آثار میں داڑھی کاٹنے کے عمل کی نسبت تمام صحابہ کی طرف ہے، لہٰذا اگر اب بھی کوئی یہ کہتا ہے کہ یہ صرف چند صحابہ کرام کا عمل ہے تو اسے اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔

حافظ عبدالخالق سے چند گزارشات:

اعفا و توفیر کے لغوی معنی کے بارے میں یہی بات مسلم ہے کہ ان الفاظ کے معنی تکثیر کے ہیں، جیسا کہ ابن حجر نے اس کی وضاحت کر دی ہے:

"وَذَهَبَ الْأَكْثَرُ إِلَى أَنَّهُ بِمَعْنَى وَفِّرُوا أَوْ كَثِّرُوا وَهُوَ الصَّوَابُ"

"اکثر لغویوں کا مذہب یہ ہے کہ یہاں لفظ اعفا توفیر یا تکثیر کے معنی میں ہے اور یہی بات درست ہے۔ اور یک مشت داڑھی بھی تکثیر میں شامل ہے۔" واللہ أعلم.

---

[1] مصنف ابن أبي شيبة، (رقم الحديث: ٢٥٤٨٠)

اور جس نے اس کے معنی ترک کے کیے ہیں، اس نے اس ترک کو کثرت وطوالت کے کے ساتھ مقید کیا ہے، نہ جانے محترم کو ابن فارس، علامہ فیومی، ابن اثیر کی یہ بات سمجھ کیوں نہ آئی:

"ذلك إذا تركته حتى يكثر و يطول، (إعفاء اللحية) تركها لا تقص، حتى تعفو، أي تكثر"[1]

"یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان بالوں کو چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ لمبے اور زیادہ ہو جائیں۔ اگر کوئی شخص داڑھی کو یک مشت تک چھوڑ دے تو اس کی داڑھی کثیر بھی ہے اور طویل بھی، اسی پر سلف کا عمل بھی ہے۔"

کیا علمائے کرام میں سے کسی نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ ایک مشت داڑھی طویل وکثیر نہیں ہے...؟

اسی طرح ان تینوں ماہرین لغت کے علاوہ ابو عبیدہ معمر بن مثنی (متوفی: ۲۰۸ھ) نے بھی اعفا کے لغوی معنی اسی طرح بیان کیے ہیں:

"إعفاء اللحية أن توفر حتى تكبر"[2]

"یعنی "إعفاء اللحية" کے معنی یہ ہیں کہ داڑھی کو بڑھنے دیا جائے یہاں تک وہ بڑی ہو جائے۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑا ہونے سے پہلے تک اسے چھیڑا نہ جائے، لیکن جب داڑھی بہت بڑی ہو جائے تو اسے کاٹا جا سکتا ہے۔

اسی طرح محترم نے لسان العرب کی عبارت "ولا يقص كالشوارب"

---

[1] جامع الأصول لابن أثير، ٤/ ٧٦٣

[2] غريب الحديث، أبو عبيده، شرح الزرقاني، ٤/ ٤٢٦.

کو مطلق اعفا کی دلیل بنا لیا ہے، حالانکہ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ داڑھی کو مونچھوں کی مثل کاٹا نہ جائے، جب کہ مونچھوں کو یا تو مونڈا جاتا ہے یا ان کو کاٹنے میں مبالغہ کیا جاتا ہے، جب کہ ہمارا تو یہ دعوی نہیں ہے کہ داڑھی کو مونچھوں کی طرح کاٹا جائے، بلکہ ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ داڑھی کو زیادہ اور طویل کرو کہ وہ ایک مشت ہو جائے۔

"إن أهل الشرك يعفون شواربهم ويحفون لحاهم فخالفوهم فأعفوا اللحى و أحفوا الشوارب"

"بے شک مشرکین مونچھیں بڑھاتے اور داڑھیاں منڈواتے ہیں، تم ان کی مخالفت کرو...... داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کٹواؤ۔"

اسے بزار نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اگر اس حدیث میں موجود لفظ «یعفون شواربهم» کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ "وہ مونچھوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں، یعنی وہ مونچھوں کا ایک بال بھی نہیں کاٹتے۔" کیا یہ درست ترجمہ ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّهُمْ يُوفُونَ سِبَالَهُمْ، وَيَحْلِقُونَ لِحَاهُمْ، فَخَالِفُوهُمْ"

"بے شک وہ اپنی مونچھیں بڑھاتے اور داڑھیاں منڈواتے ہیں، پس تم ان کی مخالفت کرو۔"

اسی طرح اگر اس حدیث میں موجود لفظ «يُوفُونَ سِبَالَهُمْ» کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ وہ مونچھوں کا ایک بال بھی نہیں کٹاتے ہیں: کیا یہ درست ترجمہ مانا

جائے گا؟ کم از کم میری دانست کے مطابق یہ ترجمہ غلط ہے، اگر ہم عبد الخالق صاحب کے بیان کردہ (اعفا اور ایفا کے) لغوی معنی کو تسلیم کر لیں تو اس کا ترجمہ یہی ہوگا کہ مجوس اپنی مونچھوں کا ایک بال بھی نہیں کاٹتے، حالانکہ مجوس یا مشرکین مونچھیں رکھنے میں مبالغہ کرتے ہیں اور داڑھی کاٹنے میں بھی مبالغہ کرتے ہیں، اس کی دلیل سنن الکبری بیہقی کی وہ حدیث ہے، جسے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: ذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَجُوسَ، فَقَالَ: إِنَّهُمْ يُوَفِّرُونَ سِبَالَهُمْ، وَيَحْلِقُونَ لِحَاهُمْ فَخَالِفُوهُمْ"[1]

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس عبارت سے بات بالکل واضح ہو جاتی ہے:

"اَلْخَوَارِجِ سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ، وَكَانَ السَّلَفُ يُوَفِّرُونَ شُعُورَهُمْ لَا يَحْلِقُونَهَا، وَكَانَتْ طَرِيقَةُ الْخَوَارِجِ حَلْقُ جَمِيعِ رُءُوسِهِمْ"[2]

''خوارج کی نشانی سروں کو مونڈنا ہے اور سلف صالحین اپنے سر کے بالوں کو لمبا کرتے تھے، انھیں منڈواتے نہیں تھے اور خوارج کا طریقہ اپنے تمام سر منڈوا دینا ہے۔''

اگر لفظ «يُوَفِّرُونَ» کا ترجمہ یہ کیا جائے کہ وہ سر کا ایک بال بھی نہیں کاٹتے تھے تو یہ ایک بہت بڑی جہالت ہوگی، کیوں کہ سلف اپنے سروں کے بال مونڈتے بھی تھے اور کٹاتے بھی تھے، لیکن اگر ہم عبد الخالق صاحب کی طرح توفیر کے معنی مطلق ترک کے لیں تو یہ سراسر غلط ہے۔

اسی طرح عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے مروی ہے:

---

[1] سنن الكبرىٰ للبيهقي، (ح: ٦٩٦) [2] فتح الباري، ١٢/ ١٦٢.

"فَإِنَّ الْمَعْرُوفَ عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ يُوَفِّرُ شَارِبَهُ"[1]

"سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ وافر مقدار میں مونچھیں رکھتے تھے۔"

اگر ہم یہاں بھی لفظ "توفیر" کے معنی مطلق ترک کے کریں تو اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی مونچھوں کا ایک بال بھی نہیں کاٹتے تھے؟ اسی موضوع سے ملتی جلتی بات امام طبرانی نے بھی بیان کی ہے:

"عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عِيسَى الطَّبَّاعِ قَالَ: رَأَيْتُ مَالِكَ بن أَنَسٍ وَافِرَ الشَّارِبِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ؟ فَقَالَ: حَدَّثَنِي زَيْدُ بن أَسْلَمَ عَنْ عَامِرِ بن عَبْدِ اللّٰهِ عن أبيه أَنَّ عُمَرَ بن الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا غَضِبَ فَتَلَ شَارِبَهُ وَنَفَخَ"[2]

اگر اس اثر میں مذکور لفظ "وافر" کے معنی مطلق ترک کے لیے جائیں تو اس کے معنی یہ بنتے ہیں کہ جناب مالک بن انس کی مونچھیں پوری تھیں یعنی وہ مونچھوں کا ایک بال بھی نہیں کاٹتے تھے۔

اسی طرح ابن جبرین نے بھی توفیر کے معنی تکثیر وتطویل کے کیے ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فكان يوفر شعره ويحتاج إلى تسريحه وإلى غسله وإلى ترجيله"[3]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالوں کو لمبا کرتے تھے اور ان کو اپنے بالوں

---

1. فتح الباري، ۱۰/ ۳۳۵.
2. طبراني، ۱/ ٦٦، (ح: ٥٤) صححه الألباني في آداب الزفاف، ص: ۱۳۷.
3. شرح عمدة الأحكام، عبد الله بن جبرين.

کو دھونے، کنگی کرنے اور مانگ نکالنے کی ضرورت پڑتی تھی۔"

کیا «یوفر» کے معنی یہ کیے جا سکتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے بال بالکل نہیں کاٹتے تھے؟ اسی طرح علامہ سرخسی (المتوفی: ۴۸۳ھ) نے بھی اس کے معنی کثرت وطوالت کے کیے ہیں:

"ثُمَّ الْغَازِي فِي دَارِ الْحَرْبِ مَنْدُوبٌ إِلَى أَنْ يُوَفِّرَ شَارِبَهُ لِيَكُونَ أَهْيَبَ فِي عَيْنِ الْعَدُوِّ"[1]

"دار الحرب میں ایک جنگجو کے لیے پسندیدہ ہے کہ وہ اپنی مونچھوں کو بڑھائے تاکہ وہ دشمن کی نظر میں بارعب ہو۔"

عبدالخالق صاحب جناب عبدالرحمٰن السدیس بھی ہمارے حامی نکلے، یعنی ان کے نزدیک اعفا سے مراد تکثیر ہے:

"فهم السلف أن كلمة، أعفوا اللحى، المقصود منه تكثير اللحية، ولو أخذ منها ما زاد على القبضة، كقوله تعالى: ﴿حَتَّىٰ عَفَوا﴾ أى حتى كثروا"[2]

"ومنه الأمر بإعفاء اللحى، أن يوفر شعرها، ولا يقص كالشوارب، من عفا الشيء إذا كثر وزاد، اهـ فجعل ابن الأثير أعفوا بمعنى التكثير، وليس بمعنى الترك، ونهى عن قصها كالشارب، وليس عن الأخذ منها مطلقاً حتى ولو زادت عن القبضة، أما كونهﷺ كث اللحية فمعناها في لغة العرب أنها ليست بدقيقة، ولا طويلة، ولكن فيها كثافة"[3]

[1] شرح السير الكبير لمحمد بن أحمد السرخسي، ص: ۱۱۳.

[2] قال ابن الأثير في النهاية، ۳/ ۲٦٦.

[3] عبد الرحمن السديس ۰۷/۰۳/۱۲ـ ۲۹: ص: ۵۰. أرشيف ملتقى أهل الحديث: ۱/ ۱۸۹.

"یعنی اعفا کے معنی تکثیر ہیں، اگر کوئی مشت سے زائد داڑھی کٹا دے تو یہ جائز ہے، اور ابن اثیر کے نزدیک اعفا کے معنی داڑھی کو بڑھانا ہے، یعنی داڑھی کو مونچھوں کی طرح کاٹا نہ جائے، یہاں یہ بات بہت اہم ہے کہ ابن اثیر کے نزدیک اعفا کے معنی ترک نہیں بلکہ تکثیر ہے۔"

اعفا، توفیر، ایفا اور ارخا کے معنی تکثیر کے ہیں اور عبد الخالق موصوف نے بھی آٹھ جگہوں پر ان الفاظ کے معنی تکثیر کے ہی کیے ہیں، اسی طرح حافظ ابن حجر نے بیان کیا ہے کہ اکثر ماہرینِ لغت کے ان الفاظ کے معنی تکثیر کے ہیں نہ کہ مطلق ترک، اور ہمارے پاس اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سلف کے نزدیک بھی اس کے معنی تکثیر کے ہیں، اس لیے ہمارے نزدیک اس لفظ کے وہی معنی درست ہیں جو سلف نے مراد لیے ہیں۔

عبد الخالق صاحب نے ابن دقیق العید سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ داڑھی کے معاملے میں مطلق اعفا کے قائل ہیں، لیکن ہماری سمجھ بوجھ کے مطابق ابن دقیق مطلق اعفا کے قائل نہیں ہیں، بلکہ ان کے نزدیک بھی داڑھی کاٹنا صرف جائز و مباح نہیں بلکہ مستحب ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وسئل، يعني، مالكاً، عن طول اللحية إذا طالت جداً، فكرهه، قيل، أفتَرَى أن يؤخذ منها؟ قال: نعم، انتهى، وهذا يخالف ظاهر الحديث في الأمر بإعفائها وغير ذلك مما يقتضي تركها: ولكنه تخصيص بالمعنى، لأن المقصود الأصلي بهذه الخصال تحسينُ الهيئة وتجميلها، ونفيُ ما تُكره رؤيتُه منها وتَنفِر الطباعُ منه"[1]

[1] شرح الالمام بأحاديث الأحكام، ٣/ ٣٢١.

”جناب امام مالک سے زیادہ لمبی داڑھی کے متعلق سوال ہوا تو انھوں نے ایسی داڑھی کو ناپسند کیا، پوچھا گیا، کیا آپ کے خیال میں ایسی داڑھی کو کٹا دینا چاہیے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں ایسی داڑھی کو کٹا دینا چاہیے۔ جناب ابن دقیق اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لمبی داڑھی کو کاٹنا اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے جس میں اس کو بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے اور ان احادیث کے بھی خلاف ہے جو اس کو چھوڑ دینے کا تقاضا کرتی ہیں، لیکن یہاں تخصیص بالمعنی سے کام لیا گیا ہے، کیوں کہ ان خصلتوں کا اصلی مقصد شکل وصورت کو حسین وجمیل بنانا اور ان چیزوں کی نفی ہے جن سے شکل وصورت بُری لگتی ہو اور طبیعت اس سے نفرت کرے۔“

اسی طرح عبدالخالق صاحب نے علامہ قرضاوی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مطلق اعفا کے قائل ہیں، حالانکہ وہ تو داڑھی کو کاٹنا مستحب قرار دیتے ہیں۔[1]

اصل میں داڑھی کو بڑھانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی اس میں کچھ بھی نہ کاٹے، اس طرح تو داڑھی طول فاحش تک چلی جائے گی، اس طول فاحش والی داڑھی سے داڑھی والے کو تکلیف ہوگی، بلکہ اسے چاہیے کہ وہ داڑھی طول وعرض سے کاٹ لے۔

اسی طرح عبدالخالق صاحب نے امام سیوطی کے بارے لکھا ہے کہ وہ مطلق اعفا کے حامی تھے، حالانکہ انھوں نے امام باجی کا قول نقل کرکے مطلق اعفا کی نفی کی ہے۔ اسی محترم عبدالخالق نے حافظ ابن حجر کے بارے کہا ہے:

[1] الحلال و الحرام في الإسلام، ص: ٩٢.

”وَقَالَ الْبَاجِیّ یحْتَمل عِنْدِی أَن یُرِید إعفاء ها من الاحفاء لِأَن کثرتها أَیْضا لَیْسَ بمأمور بِتَرْکِهِ قَالَ وَقد رُوِیَ عَن بن عمر وَأبی هُرَیْرَة أَنَّهُمَا کَانَا یأخذان من اللِّحْیَة مَا فضل عَن القبضة“[1]

ان کے نزدیک «اعفا» کے معنی مطلق ترک کرنا ہے، جبکہ انھوں نے مشت سے زائد کٹوانے پر فتح الباری میں وہ دلائل ذکر کیے ہیں جو آج تک کسی نے ذکر نہیں کیے،[2] پھر بھی جناب عبد الخالق ان سے مطلق ترک ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں)۔

عبد الخالق صاحب نے شارح بخاری علامہ عینی حنفی کے متعلق کہا ہے کہ ان کے نزدیک اعفا کے معنی مطلق ترک کے ہیں، حالانکہ وہ بھی مطلق ترک کے قائل و فاعل نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے تو داڑھی نہ کاٹنے والے کے متعلق ایسی باتیں نقل کی ہیں، اگر ان کو ذکر کیا جائے تو وہ بعض لوگوں کو ناگوار گزریں گی۔ لیکن میں یہاں ان کا موقف ذکر کرتا ہوں کہ وہ مطلق اعفا کے قائل نہیں ہیں:

”والأمر فی هذا قریب إذا لم ینته إلی تقصیص اللحیة وتدویرها من الجوانب، فإن الطول المفرط قد یشوه الخلقة ویطلق ألسنة المغتابین بالنسبة إلیه، فلا بأس بالاحتراز عنه علی هذه النیة“[3]

صرف امام نووی مطلق اعفا کے حامی ہیں، ہمارے نزدیک سلف صالحین

---

① تنویر الحوالك، ۲/ ۲۳۲.

② فتح الباري، ۱۰/ ۳۵۰.

③ نخب الأفكار في تنقیح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، ۱۳/ ۱۷۹.

کے فہم کے مقابلے میں امام نووی کا فہم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

"اعفاء اللحیہ" کے عموم پر عمل؟

داڑھی کے بارے میں بعض روایات میں «أَعْفُوا اللِّحٰی» اور «وَفِّرُوا اللِّحٰی» اور «أَرْخُوا اللِّحٰی» کے جو الفاظ آئے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ امر مطلق ہے؟ اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ ان احادیث میں امر کا صیغہ وجوب کے لیے ہے، لیکن کیا مطلق طور پر داڑھی کو چھوڑنا واجب ہے یا کسی حد تک چھوڑنا واجب ہے؟ صحابہ سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک مشت سے زائد اپنی داڑھی کی تراش خراش کی ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ان صحابہ کے نزدیک آپ کا داڑھی رکھنے کا حکم تو وجوب کے لیے تھا، لیکن وہ حکم اپنے اطلاق میں واجب نہ تھا۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحٰی وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلٰی لِحْيَتِهِمَا فَضَلَ أَخَذَه»

"مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کم کرو۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تھے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے اور جو بال مٹھی سے زائد ہوتے ان کو کاٹ دیتے تھے۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مطلقاً واجب نہ سمجھتے تھے، درج ذیل فقہی قاعدے سے بات مزید واضح ہوجاتی ہے:

«كل جزئية من الدليل العام لم يجرى عليها عمل السلف

فالأخذ بها بدعة»

''اگر سلف کے دور میں کسی نص کے عموم پر عمل نہ ہوا تو اس نص کے عموم پر عمل کرنا مشروع نہیں، بلکہ بدعت ہے۔''

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ سلف صالحین کتاب وسنت کی دلالت کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اور شارع کی مراد سب سے زیادہ ادراک کرنے والے تھے، چنانچہ سلف نے کسی نص کے آنے پر اس کے عموم پر عمل نہ کیا، بلکہ انھوں نے صرف اس نص کے بعض افراد پر عمل کیا ہو تو ایسے میں اس نص کے عموم پر عمل کرنا مشروع نہیں ہے، اگر اس نص کے عموم پر عمل مشروع ہوتا تو سلف اس پر عمل کرنے میں سب سے آگے ہوتے۔

تخصیص العام بأقوال الصحابة:

اقوالِ صحابہ عام نص کو خاص کر سکتے ہیں، اس بارے میں جناب ابن قدامہ لکھتے ہیں:

'فمذهب الإمام مالك وجمع كبير من العلماء أن أقوالهم حجة تقدم على القياس ويخص بها العموم'' [1]

''امام مالک اور علما کی ایک بڑی جماعت کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کے اقوال حجت ہیں، ان کو قیاس پر مقدم رکھا جائے گا اور ان کے ذریعے کسی عام نص کو خاص کیا جا سکتا ہے۔''

امام ابن تیمیہ سمیت یہ متعدد علما کا موقف ہے، جیسا کہ اصولِ فقہ کی کتابوں میں موجود ہے:

[1] روضة الناظر لابن قدامة، ص: ٨٤.

"جواز تخصيص العموم بمذهب الصحابي، وإليه ذهب أكثر الحنفية، وأكثر الحنابلة وبعض الشافعية كالشيرازي، وابن السمعاني و ابن عبدالشكور و أبو يعلى"[1]

"صحابی کے مذہب (قول یا فعل) کے ذریعے عام نص کو خاص کرنا جائز ہے اور یہ جمہور حنفیہ، حنابلہ اور بعض شافعی علما کا مذہب ہے، اسی طرح ابن عبد الشکور اور ابو یعلی کا بھی یہی موقف ہے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ وغیرہ نے لکھا ہے:

"إذا كان هو راوى الخبر ويجعل ذلك منه تفسيرا وبيانا"[2]

یعنی جب حدیث کا راوی (صحابی) حدیث کے عموم کو خاص کرے تو اس تخصیص کو راوی کی طرف سے حدیث کی تفسیر وتشریح مانا جائے گا۔

اس موقع پر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ "وأعفوا اللحى" ایک عام نص ہے لیکن داڑھی کی حدیث کے رواۃ (ابن عمر، ابن عباس، ابو ہریرہ اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہم) اور دیگر صحابہ نے اس کے عموم پر عمل نہیں کیا، بلکہ اس کے خاص افراد پر عمل کیا، ان کا یہ عمل بھی شہرت کا حامل تھا اور اہم بات یہ ہے کہ یہاں چار چار راوی ہیں اور چاروں ہی اس کے عموم پر عمل نہیں کر رہے، لہٰذا اگر اس نص کے عموم پر عمل کیا جائے تو یہ غیر مشروع ہوگا، بلکہ بعض نامور محقق علماء نے تو یک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کی حرمت والے قول کو بدعاتِ اضافیہ میں شامل کیا ہے۔ یہ ایسی بدعت کا نام ہے جو کتاب و سنت اور اجماعِ امت کی

---

1. أصول السرخسي، ٢/ ٥. العدة لأبي يعلى، ٢/ ٥٨٠. اللمع. ٢٠، قواطع الأدلة، ١/ ٣٧٩. مسلم الثبوت، ١/ ٣٥٥. العدة، ٢/ ٥٨٠.
2. المسوده في أصول الفقه، ص: ١٢٨.

طرف منسوب کی جاتی ہے، لیکن شریعت نے اس امر کی جو حد مقرر کی ہوتی ہے، یہ اس سے متجاوز ہو جاتی ہے۔

داڑھی اور تابعین:

تابعین کی ایک جماعت کے نزدیک مشت سے زائد داڑھی کاٹنا جائز و مستحب ہے، جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"حَدَّثَنَا وَكِيعٌ، عَنْ أَبِي هِلَالٍ، قَالَ: سَأَلْتُ الْحَسَنَ، وَابْنَ سِيرِينَ فَقَالَا: لَا بَأْسَ بِهِ أَنْ تَأْخُذَ مِنْ طُولِ لِحْيَتِكَ" [1]

"وكان الحسن يأخذ من طول لحيته، وكان ابن سيرين لا يرى بذلك بأسا" [2]

"جناب حسن بصری اپنی داڑھی کو لمبائی سے کاٹتے تھے، اور امام ابن سیرین داڑھی کاٹنے کو جائز سمجھتے تھے۔"

"وروى الثورى، عن منصور، عن عطاء أنه كان يعفى لحيته إلا فى حج أو عمرة، قال منصور، فذكرت ذلك لإبراهيم، فقال: كانوا يأخذون من جوانب اللحية" [3]

"جناب سفیان ثوری نے بیان کیا ہے کہ منصور عطاء بن ابو رباح سے بیان کرتے ہیں کہ وہ حج و عمرہ کے موقع پر ہی داڑھی کاٹتے تھے، منصور کا کہنا ہے کہ میں نے ابراہیم نخعی سے اس بات کا ذکر کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ (صحابہ کرام) داڑھی کو اطراف و جوانب

[1] مصنف ابن أبي شيبة، (ح: ٢٥٤٨٩)
[2] التمهيد لابن عبد البر، ٢٤/ ١٤٦.
[3] التمهيد لابن عبدالبر، ٢٤/ ١٤٦.

سے کاٹا کرتے تھے۔"

جلیل القدر تابعی جناب امام طاؤس بھی (مشت سے زائد) داڑھی کاٹنے کے قائل تھے۔[1] بلکہ امام طاؤس تو اپنے بیٹے کو اس بات کا حکم دیتے تھے کہ وہ اپنی داڑھی کو ضرور کٹائے، چنانچہ ابن طاؤس بیان کرتے ہیں:

"كان أبي يأمرني أن آخذ من هذا وأشار إلى باطن لحيته"[1]

"میرے والد مجھے اس بات کا حکم دیتے تھے کہ میں اس میں سے کچھ کاٹ لوں اور ابن طاؤس اپنی داڑھی کی طرف اشارہ کرکے بتاتے تھے۔"

اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ "عبادهم وخيار التابعين وزهادهم" یعنی امام طاوس تابعین میں بہت زیادہ عبادت گزار، زہد و ورع کے بہت پیکر اور بہترین تابعین میں شمار ہوتے تھے، ایسے بہترین تابعی بھی اپنی اولاد کو حکم دیتے تھے کہ تم مشت سے زائد داڑھی کٹادو۔ لیکن یہ عمل ان کے نزدیک واجب نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔

مفسر شہیر جلیل القدر تابعی جناب مجاہد بن جبر سے اس آیت ﴿ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ ﴾ کی تفسیر منقول ہے کہ قضائے تفث میں سر مونڈھنا، داڑھی (مشت سے زائد) اور مونچھ کے بال کاٹنا، زیرِ ناف بال مونڈھنا، اسی طرح بغلوں کے بال اکھیڑنا شامل ہے۔[3]

سیدنا ابوبکر کے پوتے قاسم بن محمد بھی جب (حج کے موقع پر) سر منڈاتے

---

[1] الترجل للخلال، ص: ٩٦. سنده صحيح.

[2] الوقوف و الترجل من مسائل الإمام أحمد، ص: ١٣٠.

[3] طبری لابن جریر، ١٧/ ١٤٩ بسند حسن.

تو اپنی مونچھوں اور (مشت سے زائد) داڑھی کے بال کاٹتے تھے۔[1]

محمد بن کعب القرظی نامور تابعی اور ثقہ عالم حج میں داڑھی سے کچھ کاٹنے کے قائل تھے۔[2] ابن جریج بھی اس کے قائل تھے۔[3]

حج وعمرہ کے موقع پر صحابہ کے مشت سے زائد داڑھی کٹانے کی وجہ:

سلف صالحین حج وعمرہ کے موقع پر مشت سے زائد داڑھی صرف لمبی ہوجانے کی وجہ سے کٹاتے تھے، داڑھی کٹانے کی وجہ یہ ہرگز نہیں تھی کہ داڑھی کٹانا مناسک حج وعمرہ میں سے ہے، بعض سلف تو احرام باندھنے سے پہلے مشت سے زائد داڑھی صرف اس لیے کٹا دیتے تھے کہ دوران حج وعمرہ بال کاٹنے منع ہیں، امام مالک جناب سالم بن عبداللہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُحْرِمَ دَعَا بِالْجَلَمَيْنِ فَقَصَّ شَارِبَه وَأَخَذَ مِنْ لِحْيَتِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْكَبَ وَقَبْلَ أَنْ يُهِلَّ مُحْرِمًا"[4]

"ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے سالم بن عبداللہ جب احرام باندھنے کا ارادہ کرتے تو قینچی منگواتے، اپنی مونچھوں کو کاٹتے اور داڑھی کے بال بھی لیتے، وہ یہ کام سواری پر سوار ہونے اور تلبیہ کہنے سے پہلے کرتے تھے۔"

اثر میں وجہ دلالت یہ ہے کہ جناب سالم عبداللہ بن عمر کے بیٹے تھے، وہ

---

1. ابن أبي شيبة، رقم الحديث: ٢٥٤٧٦، سنده صحيح.
2. تفسير ابن جرير طبري: ١٧/ ١٠٩، سنده حسن.
3. تفسير ابن جرير طبري: ١٧/ ١١٠، سنده صحيح.
4. موطأ إمام مالك للأعظمي، (رقم الحديث: ١٤٨٧)

احرام باندھنے سے پہلے اپنی داڑھی کے بال کاٹتے تھے، کیوں کہ داڑھی مناسک حج کے دوران لمبی ہو جائے گی، یعنی وہ عام دنوں میں بھی اپنے والد ابن عمر کی طرح مشت سے زائد داڑھی کاٹتے تھے، اور مناسک حج وعمرہ کے بعد داڑھی کاٹنے کا سبب یہ ہوتا تھا کہ حجاج کرام کئی کئی دنوں کا لمبا سفر کر کے بیت اللہ پہنچتے تھے اور مُحرم کے لیے مناسک حج میں بال کاٹنا منع ہے اور قربانی کرنے والے کے لیے بھی داڑھی کاٹنا ممنوع ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، تَرْفَعُهُ، قَالَ: إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَعِنْدَهُ أُضْحِيَّةٌ يُرِيدُ أَنْ يُضَحِّيَ، فَلَا يَأْخُذَنَّ شَعْرًا، وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا" [1]

سیدنا ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب عشرہ (ذوالحجہ) شروع ہو جائے تو جس شخص کے پاس قربانی ہو اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، نہ وہ اپنا کوئی بال اتارے نہ ناخن تراشے۔"

اس لیے سلف کی داڑھی کے بال حج کے مہینوں میں نہ کاٹنے کی وجہ سے لمبے ہو جاتے تھے، چنانچہ وہ سر اور مونچھ وغیرہ کے بال کاٹنے کے ساتھ ساتھ داڑھی کے بال بھی کاٹ لیتے تھے اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کیا داڑھی کے بال کاٹنا مناسک حج میں شامل ہے تو اس بارے میں امام شافعی نے لکھا ہے:

"وأحب إلى لو أخذ من لحيته، وشاربيه حتى يضع من شعره شيئا لله وإن لم يفعل فلا شيئ عليه لأن النسك إنما هو في الرأس لا في اللحية" [2]

---

[1] صحیح مسلم، (ح: ۱۹۷۷)

[2] الأم للشافعي، ۲/ ۲۳۲.

"اگر وہ (حاجی) اپنی داڑھی اور مونچھوں کے بال کاٹ لے تو یہ میرے نزدیک پسندیدہ ہے، اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، کیوں کہ مناسکِ حج میں سر شامل ہے، داڑھی کا مناسکِ حج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

یہی بات ابن عبد البر اور حافظ ابن حجر وغیرہما نے بھی وضاحت کے ساتھ کی ہے، جیسا کہ سابقہ صفحات میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

مشت داڑھی کی مقدار:

سلف صالحین سے ایک مشت سے زائد داڑھی کو کاٹنا صحیح سند سے ثابت ہے اور مشت کی تفصیل یہ ہے کہ ٹھوڑی کو چھوڑ کر داڑھی کو درمیانے سائز کی مشت میں اس طرح پکڑا جائے کہ ہاتھ کی انگلیاں ٹھوڑی سے مس نہ ہوں، نہ مٹھی کو زور سے بھینچا جائے کیوں کہ مٹھی چھوٹی ہوجاتی ہے اور نہ ہی داڑھی کو کھینچا جائے، اس طرح مشت میں آئے ہوئے بالوں کے بعد جو بال بچ جائیں ان کو کاٹ دیا جائے، سلف سے یہی ثابت ہے، جیسا کہ ابن عبد البر نے جناب نافع سے بیان کیا ہے:

"كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقْبِضُ هَكَذَا وَيَأْخُذُ مَا فَضَلَ عَنِ الْقَبْضَةِ وَيَضَعُ يده عند الذقن"[1]

"سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس طرح (داڑھی کی) مٹھی بھرتے تھے، جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے، اور وہ اپنا ہاتھ ٹھوڑی کے قریب رکھتے تھے۔"

[1] الطبقات الكبرى لابن عبد البر، ٤/ ١٣٥، سنده صحيح.

اس اثر میں جو لفظ بیان ہوئے ہیں، وہ عند الذقن ہیں نہ کہ علی الذقن، لہٰذا اس کے معنی یہ ہوئے کہ سلف صالحین صرف داڑھی کو پکڑتے تھے، ٹھوڑی کو نہیں پکڑتے تھے، داڑھی کو پکڑتے وقت یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس کو کھینچ کر لمبا نہ کیا جائے، کیوں کھینچنے سے داڑھی لمبی ہو جاتی ہے اور کھینچ کر کاٹنے سے داڑھی نارمل حالت میں مشت سے کم رہ جاتی ہے، اس لیے سکڑی ہوئی داڑھی کی مشت ہی شرعی حد ہے، یہ ایک متوسط اندازے کے مطابق ٹھوڑی کے بعد چار انچ لمبی داڑھی بنتی ہے، اس طرح یہ ایک مشت شرعی داڑھی بنتی ہے اور یہ داڑھی کی معقول مقدار ہے اور اگر کسی کی داڑھی فطری اعتبار سے ٹھوڑی کے بعد پانچ چھے انچ پر آ کر رک جائے، یعنی قدرتاً اس مقدار سے آگے نہ بڑھے تو ایسی داڑھی کو کاٹنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ یہ بھی مشت کے قریب ہے۔ واللہ أعلم بالصواب.

ائمہ اربعہ اور داڑھی:

جناب ابن قاسم نے امام مالک سے بیان کیا ہے

"لا بأس أن يؤخذ ما تطاير من اللحية وشذ، قيل لمالك فإذا طالت جدا قال: أرى أن يؤخذ منها" [1]

"زیادہ بڑھی ہوئی داڑھی کو کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام مالک سے سوال ہوا جب داڑھی بہت زیادہ بڑی ہو جائے تو؟ انھوں جواب دیا کہ میرے خیال میں اس کو کاٹ دیا جائے۔"

جناب قاضی عیاض کا قول ہے:

[1] المنتقى شرح الموطأ، حديث رقم: ١٤٨٨.

"أما الأخذ من طولها و عرضها فحسن"[1]

"جہاں تک داڑھی کے طول وعرض سے کاٹنے کا مسئلہ ہے تو یہ پسندیدہ ہے۔"

امام ابو یوسف نے جناب ابراہیم نخعی سے ان کا قول نقل کیا ہے:

"لا بأس أن يأخذ الرجل من لحيته ما لم يتشبه بأهل الشرك"[2]

"جتنی مقدار (یعنی مشت سے زائد) میں داڑھی کاٹنے سے اہلِ شرک سے مشابہت نہ ہو تو اتنی مقدار میں داڑھی کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

اور دیگر احناف کا بھی داڑھی کو کاٹنے کے حوالے سے یہی موقف ہے، بلکہ ایک مشت داڑھی کاٹنے کو سنت لکھا ہے: "القص سنة فيها"[3]

امام شافعی نے "الأم" میں داڑھی کو کاٹنے کے بارے میں لکھا ہے:

"فمن توضأ ثم أخذ من أظفاره، ورأسه و لحيته، و شاربه، لم يك عليه إعادة وضوء، وهذا زيادة نظافة و طهارة"[4]

"جس نے وضو کیا اور پھر اس نے اپنے ناخن، سر، داڑھی اور مونچھوں کے بال کاٹے، اس پر دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ تو مزید طہارت وصفائی ہے۔"

حافظ ابن حجر نے تو امام شافعی کے بارے یہاں تک لکھا ہے:

---

[1] الإكمال في شرح مسلم، ١/ ١٢٠.

[2] كتاب الأثر، ص: ٢٣٥.

[3] الفتاوى الهندية، ٥/ ٣٥٨.

[4] الأم للشافعي، ١/ ٢١.

"الشافعي نص على استحبابه الأخذ منها في النسك"[1]

"امام شافعی نے حج وعمرہ کے موقع پر (یک مشت سے زائد) داڑھی کاٹنے کے مستحب ہونے پر نص بیان کی ہے۔"

علامہ ذہبی نے ابو ابراہیم مزنی سے بیان کیا ہے:

"مَا رَأَيْتُ أَحْسَنَ وَجْهاً مِنَ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللهُ، وَكَانَ رُبَّمَا قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَلَا يَفْضُلُ عَنْ قَبْضَتِهِ"

"میں نے امام شافعی کے چہرے سے زیادہ خوب صورت چہرہ نہیں دیکھا، وہ بعض اوقات اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیتے تھے تو وہ ایک مٹھی سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔

جناب ابن ہانی نے امام احمد بن حنبل سے لکھا ہے:

"الأخذ بما زاد عن القبضة"[2]

"جو داڑھی مشت سے زائد ہو اسے کاٹ دیا جائے۔"

ابوبکر خلال نے لکھا ہے کہ اسحاق بن حنبل کہتے ہیں:

"سَأَلْتُ أَحْمَدَ عَنِ الرَّجُلِ يَأْخُذُ مِنْ عَارِضَيْهِ؟ قَالَ: يَأْخُذُ مِنَ اللِّحْيَةِ مَا فَضَلَ عَنِ الْقَبْضَة قُلْتُ: فَحَدِيثُ النَّبِيِّ ﷺ «أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى»؟ قَالَ: يَأْخُذُ مِنْ طُولِهَا وَمِنْ تَحْتِ حَلْقِهِ"[3]

"میں نے امام احمد سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے آپ کا کیا

---

1. فتح الباري، ١٠/ ٣٥٠.
2. ابن هاني في مسائله للأمام أحمد، ٢/ ١٥.
3. الوقوف والترجل لأبو بكر الخلال، ص: ١٣٠.

خیال ہے جو اپنی داڑھی کو کاٹتا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: جو داڑھی قبضے سے زائد ہو وہ اسے کاٹ سکتا ہے، جناب اسحاق نے بیان کیا ہے کہ میں نے کہا کہ حدیث رسول تو یہ ہے کہ موچھوں کو پست کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ تو انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ داڑھی کو لمبائی اور اپنے حلق کے نیچے سے کاٹا کرتے تھے۔"

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اس بارے میں رقم طراز ہیں:

"وأما إعفاء اللحية، فإنه يترك، ولو أخذ ما زاد على القبضة لم يكره، نص عليه"[1]

"داڑھی کو بڑھانے کا تقاضا یہ ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور اگر ایک مشت سے زائد داڑھی کو کاٹ لیا جائے تو یہ جائز ہے، کیوں کہ اس پر نص موجود ہے۔"

صحابہ کرام اور عطا بن ابی رباح مکہ میں، قاسم بن محمد مدینہ میں، قتادہ، حسن بصری اور ابن سیرین بصرہ میں، امام شعبی اور ابراہیم نخعی کوفہ میں اور امام طاوس یمن میں وغیرہم، یہ تمام لوگ تابعین میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، اسی طرح ائمہ اربعہ اسی طرح ابن عبدالبر، قاضی عیاض، وابن جریر الطبری، امام طیکا، امام غزالی، امام ابن تیمیہ، علامہ ابن قیم، حافظ ابن حجر، امام باجی، ابن رشد، ابن ملقن، ابن تین، امام قرطبی، ابن التین وغیرہم یہ تمام علمائے کرام مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے قائل تھے، کیا ان تمام صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ، محدثین اور شارحین حدیث کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ میں گمراہ ہو گئے تھے، اگر ان پر گمراہی کا فتوی لگ سکتا ہے تو میں کس کھیت کی مولی ہوں۔

[1] شرح العمدة في الفقه، ١/ ٢٣٦.

داڑھی اور اہلِ حدیث علمائے کرام:

اسی طرح موجودہ دور کے اہلِ حدیث حضرات کے اکابر علمائے کرام کے فتاویٰ میں بھی ایک مشت کے بعد داڑھی کٹوانے کی صراحت مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو:

❀ فتاویٰ نذیریہ میں شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا محمد نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں:

"داڑھی کا دراز کرنا بقدر ایک مشت کے واجب ہے، بدلیل حدیثِ رسول ﷺ کے، کما سنت لوا علیک اور داڑھی کا منڈوانا، ایک مشت سے کم رکھنا یا خشخشی بنانا حرام ہے اور موجبِ وعید ہے۔ (آگے احادیث تحریر ہیں اور آخر میں چار علماء کے دستخط ہیں)۔"[1]

❀ فتاویٰ ثنائیہ میں حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب لکھتے ہیں:

سوال داڑھی مسلمان کو کس قدر لمبی رکھنے کا حکم ہے؟

جواب حدیث میں آیا ہے کہ داڑھی بڑھاؤ جس قدر خود بڑھے، ہاتھ کے ایک قبضے کے برابر رکھ کر زائد کٹوا دینا جائز ہے، آنحضرت ﷺ کی داڑھی مبارک قدرتی گول تھی، تاہم اطراف وجوانب طول وعرض سے کسی قدر کانٹ چھانٹ کر دیتے تھے۔[2]

❀ اسی کتاب میں ایک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے کو واجب لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

"حاصل یہ کہ سلف صالحین، جمہور صحابہ وتابعین اور ائمہ محدثین کے

---

① فتاویٰ نذیریہ، کتاب اللباس والزینۃ، ۳/ ۳۵۹، اہلِ حدیث اکادمی، لاہور، طبع دوم ۱۹۷۱ء

② فتاویٰ ثنائیہ، باب ہفتم: مسائل متفرقہ، داڑھی کس قدر لمبی رکھنی ضروری ہے؟ ۲/ ۱۲۳۔ ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور، طبع ۱۹۷۲ء

نزدیک ایک مشت تک داڑھی کو بڑھنے دینا، حلق وقصر وغیرہ سے تعرض نہ کرنا واجب ہے کہ اس میں اتباعِ سنت اور مشرکوں کی مخالفت ہے اور ایک مشت سے زائد کی اصلاح جائز ہے۔"[1]

❁ صاحب "تعلیقاتِ سلفیہ" جناب عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رقم طراز ہیں:

"لكن دون القبضة فإن ابن عمر أبا هريرة كانا يأخذان من لحيتهما ما زاد على القبضة"[2]

"داڑھی کٹانا حرام ہے، لیکن مشت سے کم کیوں کہ سیدنا ابو ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اپنی مشت سے زائد داڑھی کٹوا دیتے تھے۔"

"صفوة التفاسير" کے مصنف اور مسجد حرام کے مدرس شیخ محمد بن علی الصابونی رحمہ اللہ کا ایک مقالہ سعودی عرب کے مشہور و معروف اخبار (المدینہ) میں شائع ہوا تھا، جس میں انھوں نے دلائل کے ساتھ تحریر کیا تھا کہ داڑھی کے بالوں کو بکھرا ہوا نہ چھوڑا جائے، بلکہ جو بال ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہوں ان کو کاٹ کر داڑھی کو سنوارا جائے اور اس کو اس طرح نہ چھوڑا جائے کہ بچے ڈرنے لگیں اور بڑے لوگ کنارہ کشی اختیار کرنے لگیں۔

❁ حافظ زبیر علی زئی داڑھی کے بارے میں اپنی تحقیق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے آثار کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ داڑھی کو بالکل چھوڑ دینا اور قینچی نہ لگانا افضل ہے تاہم ایک

---

1. فتاویٰ ثنائیہ، باب ہفتم: مسائل متفرقہ، داڑھی کس قدر لمبی رکھنی ضروری ہے؟ ۲/ ۱۳۸۔ ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور، طبع ۱۹۷۲ء

2. تعليقات السلفية، كتاب الزينة، ص: ۲۸۵.

مشت سے زیادہ کو کاٹنا جائز ہے۔" واللہ اعلم[1]

❁ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

"گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب است و آنکہ آنرا سنت گیند بمعنی طریقہ مسلوک دین است یا بجہت آنکہ ثبوت آں بسنت است، چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند۔"[2]

"داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے اور جو اسے سنت قرار دیتے ہیں وہ اس معنی میں ہے کہ یہ دین میں آنحضرت ﷺ کا جاری کردہ طریقہ ہے یا اس وجہ سے کہ اس کا ثبوت سنتِ نبوی سے ہے، جیسا کہ نماز عید کو سنت کہا جاتا ہے۔"

❁ حضرۃ العلام مفتی عبیداللہ عفیف خان صاحب سے سوال ہوا کہ داڑھی کی مقدار طول کیا ہے؟

تو انھوں نے جواب دیا کہ کم از کم ایک مٹھی ڈارھی رکھنا واجب ہے، اس سے کم داڑھی رکھنا منڈوانے کے مترادف ہے۔

ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

"داڑھی منڈوانا اور مٹھی سے کم داڑھی کو کتروانا فسق ہے اور داڑھی منڈوانے والا فاسق ہے۔"[3]

❁ جناب عبداللہ محدث روپڑی رقم طراز ہیں:

"اس لیے (سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) صحابہ کرام میں اتباعِ نبوی

---

[1] موطأ إمام مالك، مترجم ص: ٦٠٥.

[2] أشعة اللمعات، كتاب الطهارة، باب السواك.

[3] فتاوی محمدیہ، ص: ۷۵۸۔ ۷۵۹

میں خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں، ان کے اس فعل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ضرور نبی کریم ﷺ سے سند لی ہے، ورنہ داڑھیاں بڑھانے کی حدیث کے راوی ہو کر ایک ناجائز کام کا ارتکاب نہ کرتے، اس لیے اگر کوئی شخص مٹھی سے زائد داڑھی کٹا لے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔[1]

❁ جناب حافظ ثناء اللہ مدنی ﷾ بھی ایک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے کو جائز قرار دیتے ہیں۔[2]

بہت زیادہ لمبی داڑھی کو کاٹنے کا استحباب:

امام ابو داود نے جلیل القدر تابعی جناب مجاہد بن جبر سے بسند صحیح ایک مرسل حدیث اس طرح بیان کی ہے:

”حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ، حَدَّثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِي ابْنَ مُعَاوِيَةَ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ الْأَسْوَدِ، سَمِعَ مُجَاهِدًا، يَقُولُ: رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا طَوِيلَ اللِّحْيَةِ فَقَالَ: لِمَ يُشَوِّهُ أَحَدُكُمْ نَفْسَهُ؟“[1]

”عثمان بن اسود سے مروی ہے کہ اس نے مجاہد بن جبر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک لمبی داڑھی والے آدمی کو دیکھ کر اسے کہا: تم جان بوجھ کر اپنا چہرہ کیوں بگاڑتے ہو؟“

تابعین کے آخری دور کے ایک محدث ہیثم بن حبیب صیرفی نے بیان کیا:

”عَنْ أَبِي قُحَافَةَ ؓ أَنَّهُ أُتِيَ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ وَلِحْيَتُهُ قَدِ

---

1. فتاوی اہلِ حدیث، ۲/ ۵۷۸
2. تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: فتاوی ثنائیہ، ص: ۷۸۹ ہفت روزہ ”الاعتصام“ نومبر۔
3. المراسیل، ص: ۳۱۶

انْتَشَرَتْ فَقَالَ: لَوْ أَخَذْتُمْ وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى نَوَاحِي لِحْيَتِهِ"[1]

''سیدنا ابوبکر کے والد جناب ابو قحافہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا، اس کی داڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے اس کی داڑھی کے کناروں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اگر تم اسے کاٹ لو۔''

میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ زیادہ لمبی داڑھی والے شخص سے کئی محدثین روایت نہیں لیتے تھے، گویا ان کے نزدیک یہ ایک قسم کی جرح تھی، امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں خالد الطحان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وقيل لخالد الطحان دخلت الكوفة فلم لم تكتب عن مجالد قال لأنه كان طويل اللحية"

جناب خالد طحان سے پوچھا گیا کہ آپ کوفے میں تشریف لائے ہیں اور آپ نے مجالد سے کچھ نہیں لکھا؟ انھوں اس کا جواب یہ دیا: میں نے اس سے کوئی چیز (حدیث) اس لیے نہیں لکھی کیوں اس کی داڑھی بہت زیادہ لمبی تھی۔

خالد بن عبد اللہ الطحان دور تابعین کے ایک ثقہ، متقی اور عبادت گزار انسان تھے، جو کتب ستہ کے ایک مشہور راوی ہیں۔ اس بارے میں ابو عبید آجری رقم طراز ہیں:

"وسئل أبو داود عن أبی إسرائيل الملائی فقال ذكر عند حسين الجعفی فقال كان طويل اللحية أحمق"[2]

''امام ابوداود سے ابو اسرائیل کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ حسین جعفی کی موجوگی میں اس کا ذکر ہوا تو اس نے کہا کہ وہ بہت

[1] الآثار لأبي يوسف، (رقم الحديث: ١٠٣٨)

[2] سؤالات أبي عبيد الآجري لأبي داود السجستاني، ١/ ١٢٢.

لمبی داڑھی والا بے وقوف تھا۔“

جناب حسین بن علی الجعفی ایک پارسا اور نیک تبع تابعی تھے۔ اسی طرح ابن عدی نے ”الکامل في الضعفاء“ میں لکھا ہے:

”عن بشر بن آدم قلت لخالد بن عبد الله الواسطی دخلت الكوفة وكتبت عن الكوفيين ولم تكتب عن مجالد قال لأنه كان طويل اللحية“

”بشر بن آدم سے روایت ہے کہ میں نے خالد بن عبد اللہ واسطی سے پوچھا: آپ کوفے میں تشریف لائے ہیں، تمام کوفیوں سے کچھ نا کچھ لکھا ہے اور آپ نے مجالد سے کچھ نہیں لکھا؟ خالد نے جواب دیا: میں نے اس سے کوئی چیز اس لیے نہیں لکھی کیوں کہ وہ بہت زیادہ لمبی داڑھی والا ہے۔“

اسی طرح امام عقیلی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”قال محمد بن بشير العبدي: رأيت سالم بن أبي حفصة ذا لحية طويلة، أحمق بها من لحية، قال سعيد بن منصور: قلت لابن إدريس: رأيت سالم بن أبي حفصة؟ قال: نعم رأيته طويل اللحية، وكان أحمق، قال: حسين بن علي الجعفي: رأيت سالم بن أبي حفصة، طويل اللحية، أحمق“[1]

بعض علما نے اچھی داڑھی کو راوی کے عادل ہونے کی علامت قرار دیا ہے، جیسا کہ خطیب بغدادی رقم طراز ہیں:

”وَلَوْ رَأَيْتَ لِحْيَتَهُ وَخِضَابَهُ وَهَيْئَتَهُ لَعَرَفْتَ أَنَّهُ ثِقَةٌ لِأَنَّ

---

[1] الضعفاء الكبير، ٢/ ١٥٢. تهذيب التهذيب، ١/ ٢٥٦.

حُسْنَ الْهَيْأَةِ مِمَّا يَشْتَرِكُ فِيهِ الْعَدْلُ وَالْمَجْرُوحُ“[1]

جلیل القدر تابعی جناب ابراہیم نخعی کے بارے امام غزالی رقم طراز ہیں:

”عجبت لرجل عاقل طويل اللحية كيف لا يأخذ من لحيته فإن التوسط في كل شيئ حسن“[2]

”مجھے بہت زیادہ لمبی داڑھی والے عقل مند آدمی سے تعجب ہے کہ وہ اپنی داڑھی کیوں نہیں کاٹتا، کیوں کہ ہر چیز میں میانہ روی ہی بہتر ہے۔“

چھٹی صدی ہجری کے جلیل القدر عالم، مفسر و مورخ جناب عبد الرحمٰن ابن الجوزی نے بہت زیادہ لمبی داڑھی کی وہ مذمت بیان کی ہے جو شاید ہی کسی نے کی ہو۔[3]

ہم نے متعدد ایسے علماء کو سنا اور پڑھا ہے جو کہتے ہیں کہ مشت سے زائد تو دور کی بات ہے داڑھی کا ایک بال کاٹنا بھی حرام ہے، داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے، داڑھی کو قینچی لگانا حرام ہے، اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ ایک شخص کی داڑھی اتنی لمبی ہے کہ رانوں تک چلی جاتی ہے، کیا وہ شخص اپنی ڈاڑھی کو کٹوا سکتا ہے؟ تو وہ جواب میں لکھ دیتے ہیں کہ ایسا شخص داڑھی کٹوا سکتا ہے، ان کے دلائل اوپر ذکر کردہ آثار صحابہ ہیں۔

اس کی مثال فضیلۃ الشیخ عبد الستار حماد صاحب کے فتاوی میں مل جائے گی۔ پھر یہ بھی ایک سوال ہے کہ بہت زیادہ لمبی داڑھی والا داڑھی کو کس حد تک کاٹے گا؟ مشت سے زائد کاٹے گا یا ڈیڑھ مشت کو چھوڑ کر اس کے بعد کاٹے گا؟

ان سے میرا یہ سوال ہے کہ جب آپ کے بقول داڑھی کو مطلق چھوڑ دینا

---

(1) الكفاية في علم الرواية، ص: ۹۹.

(2) إحياء علوم الدين للغزالي، ۱/ ۱۴۳.

(3) أخبار الحمقى والمغفلين، ص: ۳۱.

چاہیے تو اب یہ جواز کہاں سے پیدا ہوگیا، جب آپ یہ کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے داڑھی کو کبھی نہیں چھیڑا، اور اس کو معاف کرنے کا حکم دیا ہے، اب آپ لمبی داڑھی کو کاٹنے کی اجازت دے رہے ہیں، حالاں کہ بقول آپ کے اس نص پر عمل تو اسی صورت میں ہوگا جب داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، چاہے وہ گھٹنوں اور پاؤں تک چلی جائے۔

مشت ہی کیوں کم یا زیادہ کیوں نہیں؟

اگر ہم سلف صالحین کے داڑھی کاٹنے کے عمل پر غور کریں تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ وہ صرف مشت سے زائد داڑھی کو کتر دیتے تھے، ان کے اس عمل میں افراط وتفریط نہیں تھی، یعنی ایسا نہیں ہے کہ جس صحابی کی داڑھی مشت سے کم ہو وہ بھی کٹاتا تھا اور ایسا بھی نہیں تھا کہ کوئی صحابی داڑھی اس طرح کاٹتا ہو کہ ڈیڑھ مشت رکھ کر باقی کاٹ دیتا ہو، ان کے اس عمل میں ایک تحدید ہے اور وہ تحدید یک مشت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ان کی اپنی من مانی یا اجتہاد نہیں ہے بلکہ انھوں نیہ کام کسی نص کو سامنے رکھ کر کیا ہے، اگر یہ ان کی اپنی من مانی یا اجتہاد ہوتا تو اس میں افراط وتفریط ضرور ہوتا، یعنی کوئی صحابی مشت سے کم داڑھی بھی کاٹ دیتا اور کوئی سوا مشت سے زائد کاٹتا، لیکن ایسا نہیں ہے، سب صحابہ کرام حج وعمرہ کے موقع پر صرف مشت سے زائد داڑھی ہی کاٹتے تھے، اس سے کم یا زیادہ نہیں کاٹتے تھے۔ واللہ أعلم بالصواب.

سب سے اہم بات:

حدیث میں داڑھی کو بڑھانے کی جو علت بیان ہوئی ہے وہ مشرکین کی مخالفت ہے اور مشرکین سے مراد مجوسی یعنی آگ کے پجاری تھے، وہ داڑھیاں

منڈاتے تھے یا اتنا کٹاتے تھے کہ ان کی داڑھیاں بہت چھوٹی ہو جاتی تھیں، ورنہ ایسا تو نہیں تھا کہ عہد رسول کے مشرکین نے اتنی لمبی داڑھیاں رکھی تھی کہ ان کی مقدار مشت کے برابر ہو، اگر یہ کہا جائے کہ مشرکین کی داڑھیاں مشت کے برابر تھیں تو اس سے صحابہ پر حرف آتا کیوں کہ وہ تو حج وعمرہ کے موقع پر اپنی داڑھی کو مشت کے برابر کر لیتے تھے، لہٰذا یہی بات درست ہے کہ مجوس ومشرکین داڑھی میں حلق کرتے تھے یا کٹانے میں مبالغہ کرتے تھے، امام ابو یوسف نے جناب ابراہیم نخعی سے ان کا قول نقل کیا ہے:

"لا بأس أن يأخذ الرجل من لحيته ما لم يتشبه بأهل الشرك"[1]

"جتنی مقدار میں داڑھی کاٹنے سے اہلِ شرک سے مشابہت نہ ہو تو اتنی مقدار میں داڑھی کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے (یعنی ایک مشت سے زائد)۔"

حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری صاحب فتاویٰ ثنائیہ میں لکھتے ہیں:

"اور بافراط شعر لحیہ وتشوّہ وجہ وصورت وتشبہ بہ بعض اقوام مشرکین ہندو، سادھو وسکھ وغیرہ، جن کا شعار باوجود افراطِ شعر لحیہ عدمِ اخذ ہے، قبضہ سے زائد کی اصلاح واجب ہے، ورنہ مشرکوں کی موافقت سے خلافِ سنت، بلکہ بدعت ثابت ہو گی، جس کا سلف صالحین میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔"[2]

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی مخالفت میں توفیر واعفا کا حکم صادر

---

[1] كتاب الأثر، ص: ٢٣٥.

[2] فتاویٰ ثنائیہ، باب ہفتم: مسائل متفرقہ، داڑھی کس قدر لمبی رکھنی ضروری ہے؟ ۲/ ۱۳۸۔ ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور، طبع ۱۹۷۲ء

فرمایا اور توفیر و اعفا کے معنی کثرت اور بڑھانے کے ہیں جس نے ایک مشت داڑھی بڑھا لی گویا اس نے توفیر و اعفا پر عمل کر لیا، یہی بات فضیلۃ الشیخ دبیان محمد الدبیان نے لکھی ہے:

"فمن أعفى لحيته بمقدار القبضة، فقد كثرت لحيته، وصدق على لحيته أنها قد عفت، وأن صاحبها قد أعفاها، وهذا ما فهمه الصحابة رضوان الله عليهم"

"جس نے مشت کے بقدر داڑھی کو بڑھا لیا تو یقیناً یہ اس کی داڑھی کی کثیر مقدار ہے اور اس کی داڑھی پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ داڑھی بڑی ہو گئی ہے اور صاحب داڑھی نے اعفا پر عمل کر لیا ہے اور یہی وہ فہم ہے جو صحابہ کرام کے نزدیک درست ہے۔" واللہ أعلم بالصواب

خلاصہ:

ان تمام دلائل کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، جو مسلمان اس سے کم داڑھی رکھتا ہے، وہ رسول اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب کرتا ہے، اس کا یہ عمل خلاف سنت ہے، اسی طرح اگر کسی کی داڑھی مشت سے زائد ہے تو اسے حج و عمرہ کے موقع پر زائد کو کٹوا دینا مستحب ہے، استحباب حج و عمرہ کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ عطا بن ابی رباح کے ان الفاظ "کانوا یحبون" سے صاف واضح ہو رہا ہے، جب کہ عمرہ تو سارا سال جاری رہتا ہے، یعنی اگر کوئی ہفتے بعد بھی عمرہ کرے تو اس کے لیے یہ استحباب بار بارِ موجود ہے، اور دوسرا جواز رخصت یعنی عام دنوں میں اگر داڑھی زیادہ لمبی ہو جائے تو اس کو کاٹنے کا جواز بھی موجود ہے، جیسا کہ حسن بصری اور ابراہیم نخعی کے الفاظ "کانوا یرخصون"، "کانوا یأخذون" سے واضح ہو رہا ہے۔ سیدنا

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی عام دنوں میں داڑھی کاٹنا ثابت ہے۔ پھر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل حج و عمرہ کے ساتھ خاص نہ تھا، بلکہ سارا سال جاری رہتا تھا، جیسا کہ امام مالک نے اس کی وضاحت کی ہے:

"أن عبد الله بن عمر كان إذا أفطر من رمضان وهو يريد الحج لم يأخذ من رأسه ولا من لحيته شيأ حتى يحج"[1]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب رمضان المبارک سے فارغ ہوتے اور حج کا ارادہ بھی ہوتا تو اپنی داڑھی اور سر کے بال نہ کاٹتے تھے، یہاں تک کہ حج مبارک سے فارغ ہو جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شوال اور ذی قعدہ اور عشرہ ذی الحج تک نہیں کتراتے تھے، باقی مہینوں میں قبضے سے اگر زائد ہو جاتی تھی تو کتراتے تھے۔ اور یہی بات ابن عبدالبر اور حافظ ابن حجر وغیرہما جیسے جلیل القدر علمائے کرام نے بھی لکھی ہے۔ اس میں محتاط موقف یہ ہے کہ مشت سے زائد داڑھی کٹانے کو حرام قرار نہ دیا جائے، کیوں کہ ہمارے پاس اس کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ یہ عمل بھی جواز و استحباب کے درمیان ہے، اگر کوئی شخص مشت سے زائد داڑھی کٹانے کو حرام کہتا ہے تو اس کا یہ فعل شریعت میں اضافہ ہے اور شریعت میں اضافہ بدعت ہے۔

---

[1] موطأ إمام مالك: (رقم الحديث: ١٣٩٦)

باب سوم:

یک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کو ناجائز کہنے والے علمائے کرام

مانعین علمائے کرام

الشیخ مفتی ابو الحسن عبد الخالق حفظہ اللہ (ریسرچ فیلو: دار السلام، لاہور):

داڑھی کو اپنی طبعی اور اصل حالت پر رکھنا واجب اور اس کی تراش خراش کرنا گناہ ہے۔ ہمارے نزدیک احادیث صحیحہ مرفوعہ کی روشنی میں داڑھی کو اس کی طبعی حالت پر باقی رکھنا فرض ہے۔ مونڈنا، اس کا خط کرانا، یا اس میں کسی قسم کی تراش خراش کرنا گناہ اور معصیت ہے، احادیث کی روشنی میں اس کی قطعاً اجازت نہیں۔ جن تین چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مٹھی سے زائد داڑھی کترانا ثابت ہے، وہ ان کا اجتہاد اور رائے ہے۔ اپنے اس عمل کا انھوں نے سنت سے ثبوت نہیں دیا، نہ ہمیں اس کا سراغ مل سکا، لہٰذا وہ اپنے اس اجتہاد کی بنا پر عند اللہ ماجور ہوں گے اور نہ اس حقیقت ہی کا اثبات ہو سکا ہے کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مذکورہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوا، وگرنہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق و تصدیق قرار دیتے ہوئے سنتِ تقریری کا درجہ دیتے اور یہ عمل باقاعدہ سنت و شریعت کا درجہ رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف میں سے مشت سے زائد داڑھی کٹانے کے عمل کو کسی نے اس طریقے سے سنت قرار نہیں دیا اور جن چند تابعین وغیرہ سے اس کا قولاً یا فعلاً جواز منقول ہے وہ بھی یا تو انھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی میں ہے یا پھر اس کی بنیاد چند مرفوع ضعیف روایات ہیں، جو شروع سے

نقل ہوتی آرہی ہیں۔ جبکہ وہ نا قابلِ حجت ہیں۔

ذہن میں رہے کہ یہ مسئلہ بھی دیگر مختلف فیہ مسائل کی طرح ہے۔ اس میں بھی ہر دور میں علماء کا اختلاف رہا ہے۔ یہ کوئی اتفاقی اور امت کا اجماعی مسئلہ نہیں کہ جس میں دوسری رائے کی گنجائش نہ ہو۔ گنجائش تھی اور موجود ہے لیکن اس کا اصل حل کتاب وسنت کی طرف رجوع ہے۔

"إعفاء اللحيه" کا حکم:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أنهكوا الشوارب و أعفوا اللحى»[1]

"مونچھیں اچھی طرح کاٹو اور داڑھیوں کو چھوڑ دو۔"

یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مختلف طرق و الفاظ سے آتی ہے، چونکہ روایات کی تخریج مقصود نہیں، اس لیے اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں، شیخ العرب والعجم علامہ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ کا رسالہ (اسلام میں داڑھی کا مقام) دیکھا جاسکتا ہے۔

"حکمِ إعفاء"، یعنی بلانقص داڑھی بڑھانے کے الفاظ اور صیغے:

احادیث مبارکہ میں پانچ قسم کے صیغے استعمال ہوئے ہیں:

"أعفوا"، "أوفوا"، "وفّروا"، "أرخوا" اور "أرجوا"

یہ پانچوں صیغے امر کے ہیں۔ یعنی ان میں داڑھی بڑھانے، وافر حالت میں چھوڑنے اور اسے طبعی حالت پر باقی رکھنے کا حکم ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تراش خراش نہ ہو۔ لغوی تفصیل بعد میں

[1] صحيح البخاري، (ح: ٥٨٩٣)

آئے گی، یہاں صرف ان کا لفظی ترجمہ ملاحظہ فرمائیں: «أعفوا اللحی» ”داڑھیاں بلا چھیڑ چھاڑ بڑھاؤ۔“ «أوفوا» ”پوری کرو، یعنی بلا نقص۔“ «وفروا» ”زیادہ اور وافر مقدار میں کرو۔“ «أرخوا» ”لٹکاؤ یعنی لمبا کرو۔“ «أرجوا» ”مؤخر کرو، یہ ارخاء ہی کے معنی میں ہے۔“

ان احکامِ نبوی کا خلاصہ اور لب لباب یہی ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ، انھیں ان کی طبعی حالت ہی پر باقی رکھو، اور ان میں کسی قسم کی کمی اور نقص یا تبدیلی نہ کرو۔ شروع تمہید میں مذکور ہمارا موقف اور ”إعفاء“ وغیرہ کے معنی ہمارا دعویٰ ہیں، جس کے دلائل ان شاء اللہ عنقریب ذکر ہوں گے۔

مضمون نگار کا دعویٰ اور اس کا ابطال:

مضمون نگار حافظ عمران الٰہی لکھتے ہیں:

”احادیث میں داڑھی کے حوالے سے جتنے الفاظ بیان ہوئے ہیں، سب کے معنی داڑھی کو بڑھانے اور لمبا کرنے کے ہیں، کسی لفظ کے یہ معنی نہیں کہ داڑھی کو معاف کر دو یا داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دو، جیسا کہ ہمارے ہاں یہی معنی مشہور ہے۔“

جوابِ دعویٰ:

ہم عرض کرتے ہیں کہ اہلِ لغت کی تشریحات اور شارحین حدیث کی توضیحات کی روشنی میں ان کلمات کے معنی صرف داڑھی کو بڑھانے اور لمبا کرنے کے نہیں بلکہ اسے کسی تغیر وتبدل، چھیڑ چھاڑ اور اس کے طول وعرض سے کسی کمی اور نقص کے بغیر بڑھانے اور لمبا کرنے کے ہیں۔ جس کا صاف مطلب یہی

ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، رہا یہ معنی کرنا کہ داڑھی کو معاف کردو، اگرچہ بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے لیکن یہ دقیق علمی ترجمہ نہیں، آپ کی یہ بات کسی حد تک درست ہے۔

عمران موصوف نے اپنی تحریر میں مذکورہ اعتراض کم و بیش تین چار دفعہ دہرایا ہے، پھر کہتے ہیں:

''ان میں سے کسی بھی لفظ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ داڑھی کو بالکل ہی چھوڑ دو......''

پھر لکھتے ہیں:

''اِعفاء اور دیگر الفاظ حدیث کے معنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا نہیں ہیں بلکہ داڑھی کی مقدار کو بڑھانا مراد ہے۔''

پھر فرماتے ہیں:

''داڑھی والی روایات میں صحابہ نے بھی ان الفاظ کے معنی کثرت اور بہتات کے ہی کیے ہیں۔''

عرض ہے کہ اگر موصوف جمود و تعصب سے بالا رہ کر، خالی الذہن ہو کر اطمینان، دقت نظری اور حاضر دماغی سے کام لیتے تو مذکورہ تمام الفاظ کے معانی و مفاہیم سمجھ جاتے اور مذکورہ الجھن کا شکار بھی نہ ہوتے، لیکن انھوں نے جلد بازی، عدمِ تفقہ اور غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے، بلکہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ لغوی معنی کے بیان میں گھپلے اور خیانتیں کی ہیں، بلکہ بعض جہالتوں کا بھی ارتکاب کیا ہے۔

نیز موصوف کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ''داڑھی والی روایات میں صحابہ

نے بھی ان الفاظ کے معنی کثرت اور بہتات ہی کے کیے ہیں۔''

اولاً: عرض ہے کہ موصوف فی الضمیر کی صحیح تعبیر نہیں کر پائے، وگرنہ مذکورہ دعوے کی دلیل پیش کریں جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بتصریح کثرت و بہتات کے معنی بیان کیے ہوں، ہاں عمل سے وضاحت اور چیز ہے۔

ثانیاً: مطلقاً ''صحابہ'' کہنے سے یہ شبہہ پڑتا ہے کہ تمام صحابہ مراد ہیں، حالانکہ بات ایسے نہیں، صرف تین یا چار صحابہ کرام ہی ہیں جن سے عملاً مشت سے زائد داڑھی کا ٹنا ثابت ہے۔

مضمون نگار کے چند گھپلے اور خیانتیں:

بیانِ حقیقت اور مذکورہ اَوامر اور الفاظِ حدیث کی اصل مراد واضح کرنے سے موصوف نے جو قصداً یا اپنی ناعلمی کی بنا پر چند گھپلوں اور خیانتوں کا ارتکاب کیا ہے، ہم بتوفیق اللہ تعالیٰ اس کی حقیقت سے اب پردہ ہٹاتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ موصوف اپنے ہی پیش کردہ چند دلائل اور حوالہ جات پر بنظر غائر توجہ فرما لیتے تو مذکورہ اعتراض (اِعفاء اور دیگر الفاظ حدیث کے معنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا نہیں بلکہ داڑھی کی مقدار کو بڑھانا مراد ہے) کی نوبت ہی پیش نہ آتی، بلکہ اس اشکال کا جواب انھیں وہیں سے مل جاتا۔ لیکن کیا کریں آں موصوف بڑے دھڑلے اور خوش فہمی سے اپنا مطلب نکالتے ہوئے آگے چل دیے، لیکن جس حقیقت اور نکتے سے راہِ فرار اختیار کی تھی اسی کی تلخ حقیقت کا شکار ہو گئے ؎

لو آپ اپنے جال میں صیاد آ گیا

علم صرف سے بے گانگی اور ''أوفوا'' کی اصل حقیقت: لفظ ''أوفوا'' کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''أوفوا'' کا لفظ ''إیفاء'' سے ماخوذ ہے، جس

کے معنی ہیں: پورا ہو جانا اور کثیر ہو جانا، چنانچہ تاج العروس میں لکھا ہے:

"وفي الشيئ أي تم وكثر"

"أوفوا" کے یہ معنی کرنا لغت اور گرائمر (علم صرف) سے بالکل ناواقفیت کی دلیل ہے۔ صاحب جی کو یہ پتا نہیں کہ "أوفوا" لازم ہے یا متعدی؟ حقیقت میں یہ لفظ "إیفاء" سے ہے جس کے معنی ہیں: "پورا کرنا، زیادہ کرنا" مشورہ ہے کہ کچھ وقت دوبارہ صرف ونحو کی تعلیم پر خرچ کر لیں، تاکہ صیغوں کی پہچان کے ساتھ ساتھ فہم عبارت کی صلاحیت بھی پیدا ہو جائے۔

مزید وضاحت:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَوْفُوا الْكَيْلَ ﴾ یعنی "أتموه" (ماپ پورا کرو) یہ نقص اور کمی کرنے کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے، جیسے فرمایا:

﴿ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴾ [الشعراء: ۱۸۱]

"ماپ پورا کرو اور کم دینے والوں سے نہ ہو جاؤ۔"

سورت ہود میں ہے:

﴿ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ ﴾ [هود: ۸٤]

"تم ماپ تول میں کمی نہ کرو۔"

معلوم ہوا کہ "أوفوا" کے معنی اتمام کے اور پورا کرنے کے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ یہ لفظ وحکم اس چیز میں نقص اور کمی کو بھی قبول نہیں کرتا، جیسا کہ قرآنی نصوص سے واضح ہوا۔ اس لیے داڑھی کو صرف ایک متعین حد تک بڑھانا ہی مقصود نہیں بلکہ اسے پورا کرنے، بڑھانے اور اس کی توفیر وتکثیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اس میں کسی قسم کی کمی یا نقص بھی نہیں کرنا۔ وگرنہ نبی کریم ﷺ کی مراد اور مقصد پورا نہیں ہوگا۔

ہمارا استدلال:

"وَفي الشيْ: أي: تمّ و كثر" "وفی الشیئ سے مراد کسی چیز کا پورا ہونا اور حالتِ تمام و کمال کو پہنچنا ہے۔ اور "إيفاء" کے معنی ہیں: کسی چیز کو پورا کرنا اور اسے اس کی حالتِ تمام و کمال تک پہنچانا۔ یہی ہمارا مقصود ہے جو آپ نے اپنے اس پیش کردہ حوالہ سے پورا کر دیا ہے لیکن اپنے دماغ پر زور نہیں دیا، وگرنہ مسئلہ ادھر ہی حل ہو جاتا۔ بتایئے! داڑھی کو اس کی حالتِ تمام و کمال تک پہنچانے اور اس کے پورا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ چلو ہم ہی بتا دیتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اس کی طبعی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے۔ عام سادہ پڑھا لکھا انسان بھی جانتا ہے کہ نقص اور کمی کرنا، کسی چیز کی حالتِ تمام و کمال اور اس کے طبعی طریقہ سے پورا ہونے اور بڑھنے کے منافی ہے۔ موصوف نے ائمۂ لغت کے اپنے استدلال کے لیے جتنے حوالے دیے ہیں، ان کا یہی مقصود ہے۔ کسی چیز کے اندر کثرت و بہتات پیدا کرنے کے لیے یا اسے بڑھانے اور وافر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے ساتھ ساتھ کم بھی نہ کیا جائے۔ اصل میں کسی چیز کی کثرت و بہتات اسے ترک کرنے اور اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کرنے ہی کا نتیجہ ہوتی ہے، یہی علمائے لغت کا مقصد ہے۔

ایک اور چشم پوشی: خود لکھتے ہیں:

"اور تیسرا لفظ "أرجوا" ہے، جس کا معنی تاخیر ہے، حافظ ابن حجر نے اس کے معنی لمبا کرنے کے کیے ہیں۔"[1]

[1] فتح الباري، ١/ ٣٥٠.

یہاں بھی بلاتوضیح آگے نکل گئے، کیا ''لمبا کرنے'' سے بھی بات سمجھ میں نہ آئی؟ کم از کم یہاں تو کچھ فرما جاتے، لیکن چونکہ یہاں اپنے مفاد کی بات نہ تھی اس لیے آگے بھاگ نکلے۔ بھائی صاحب! لغوی بحث کر رہے تھے کم از کم اہلِ لغت اوار ائمہ شارحین کی اصل مراد تو واضح کر جاتے۔ باقی بات بعد کی تھی۔ بہرحال عام انسان بھی لمبا کرنے کے معنی جانتا ہے۔

خیانت کی ایک اور صورت:

لسان العرب کی عبارت پیش کی ہے لیکن ترجمہ نہیں کیا۔ عبارت دے کر صرف اپنے مطلب کی ایک بات لے لی لیکن جس سے مزعومہ موقف پر کاری ضرب لگتی تھی اس کے ترجمے اور توضیح سے کنی کترا گئے، وہ عبارت یہ ہے: ''ولا یقص کالشوارب'' ''داڑھی کے بالوں کو زیادہ اور وافر کیا جائے اور مونچھوں کی طرح اسے کاٹا نہ جائے۔'' ایک جز (کثرت و توفیر) کو لے لیا جسے اپنے مفاد میں سمجھا اور دوسرے کو ترک کر دیا جس سے ہمارا موقف ثابت ہوتا تھا۔ ﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ﴾ [البقرۃ: ۸۵]۔

میں پوچھتا ہوں یہ آپ کا سہو و نسیان ہے یا عبارت کی عدم تفہیم یا پھر بددیانتی؟ آپ کے انداز سے تو مؤخر الذکر بات ہی ٹھیک لگتی ہے۔

نتیجہ، بے نتیجہ:

لغوی حوالا جات پیش کرنے اور اپنے استدلالات کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''مندرجہ بالا دلائل، ماہرینِ لغت اور شارحین حدیث کے اقوال سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ إعفاء اور دیگر الفاظ کے معنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا نہیں ہیں بلکہ داڑھی کی مقدار کو

بڑھانا مراد ہے۔"

بعض الفاظ کے لفظی معنی کے طور پر تو ٹھیک ہے لیکن موصوف نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ بات بے نتیجہ ہے، داڑھی کو صرف ایک حد تک بڑھانا ہی مقصود نہیں بلکہ معنی کی قیود میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اسے بلا کسی نقص و تغییر اور چھیڑ چھاڑ کے بڑھانا ہے۔ کثرت و بہتات یا زیادہ کرنے سے بھی یہی مراد ہے جیسا کہ اب ہم اس کی قدرے تفصیل پیش کرتے ہیں:

ابن دقیق العید کا قول:

"تفسير الإعفاء بالتكثير من إقامة السبب مقام المسبب لأن حقيقة الإعفاء الترك وترك التعرض للحية يستلزم تكثيرها"[1]

"بہت اور زیادہ کرنے کی اِعفاء سے تفسیر سبب کو مسبب کے مقام پر رکھنے کی قبیل سے ہے۔ کیونکہ اِعفاء کی (اصل) حقیقت ترک کرنا ہے، جبکہ داڑھی سے تعرض (اس کی تراش خراش) نہ کرنا اس کی تکثیر اور کثرت و بہتات کو لازم ہے۔"

امید ہے امام ابن دقیق العید کا یہ نکتہ آپ کے مذکورہ اشکال کے لیے کافی ہوگا۔ اس لیے میں نے اسے پہلے ذکر کیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ داڑھی کو ترک کرو، اس کا پیچھا چھوڑ دو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بڑھے گی اور لمبی ہوتی چلی جائے گی۔ اگر شروع ہی میں اس پر غور فرما لیا ہوتا تو ائمہ لغت کی صحیح مراد پا لیتے۔

علامہ فیومی کا رجحان:

علامہ فیومی سَرَقُسطی سے نقل کرتے ہیں:

---

[1] فتح الباري، اللباس، باب إعفاء اللّحى.

”عفوتُ الشعر أعفوه عفوا وعفيته أعفيه عفيا (یعنی واوی اور یائی دونوں سے آتا ہے): تركتُه حتى يكثر ويطول، منه أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى، يجوز استعماله ثلاثيا ورباعيا“[1]

یعنی مذکورہ الفاظ اس وقت بولتے ہیں جب بالوں کو چھوڑ دیا جائے (یعنی ان کی حالت پر ترک کر دیا جائے) یہاں تک کہ زیادہ اور لمبے ہو جائیں (یا زیادہ اور لمبے ہوتے جائیں)، حدیث میں مذکور لفظ ”أعفوا اللحى“ کے یہی معنی ہیں ”أعفوا“ کو ثلاثی اور رباعی دونوں ابواب سے یعنی ہمزۂ قطعی اور وصلی دونوں کے ساتھ پڑھنا جائز ہے۔

مادۂ عفو کی مزید وضاحت:

مادۂ عفو دو معنوں پر دلالت کرتا ہے:

① ”ترك الشيئ“ یعنی کسی چیز کو ترک کر دینا ”عفو الله عن خلقه“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا بندوں کو ترک کر دینا، اور ان کا مواخذہ نہ کرنا ہے۔ ”عفا ظَهرَ البعير“ اس وقت بولتے ہیں، جب اونٹ کو ترک کر دیا جائے اور اس پر سواری نہ کی جائے۔ ”عفوُا لمال“ یعنی مال کا زائد یا زائد مال، اسے عفو اس لیے کہا، کیونکہ اس کی ضرورت نہیں ہوتی، لہٰذا ترک کر دیا جاتا ہے۔ بہر حال ”أعفوا“ کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی کو ترک کر دو اور اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کرو، نتیجہ یہ ہوگا کہ زیادہ ہوگی اور لمبی بھی ہوتی جائے گی۔[2]

② دوسرے معنی ”طلب الشيْ“ کے ہیں، مثلاً: جو پرندے رزق کی تلاش اور

---

① المصباح المنير، ص: ٣٤١.

② نهاية في غريب الحديث لابن أثير، ٣/ ٢٦٥۔ ٢٦٦. مزید لسان العرب وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

طلب میں نکلتے ہیں انھیں ”العافیہ“ کہتے ہیں۔ ہمارا محل شاہد پہلا معنی ہے۔

علامہ یوسف قرضاوی کی تحریر بھی نظر سے گزری ہے، لکھتے ہیں: ”أعموا اللحی“ کا مطلب یہ ہے:

”اتركوها تنمو وتكثر فمن تعرض لها بقص أوحلق فلم يتركها ولم يُعْفِها“

”اسے چھوڑ دو، بڑھتی رہے، زیادہ ہوتی رہے، تو جس شخص نے اسے تراشا یا مونڈا تو اس نے اسے چھوڑا نہیں اور نہ ہی اِعفاء سے کام لیا۔“ ان کی تحقیق میں اس معنی میں اہلِ لغت کا کوئی اختلاف نہیں۔

اب خود فیصلہ فرمایئے! ازروئے لغت داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑنے کا معنی ثابت ہوتا ہے کہ نہیں......؟

ابن اثیر کا قول:

ابن اثیر ”النہایۃ“ میں اِعفاء کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”هو أن يُوفَّر شعرُها ولا يُقص كالشوارب، من عفا الشيءُ إذ كثرو زاد، يقال أعفيته وعَفَّيتُه“[1]

”داڑھی کے بالوں کو بڑھایا جائے اور مونچھوں کی طرح کاٹا نہ جائے، یہ ”عفا الشیئ“ سے ماخوذ ہے، جب کوئی چیز بکثرت اور زیادہ ہو، ”أعفیت“ اور ”عفّیت“، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔“

یعنی لغوی تقاضے کی روشنی میں بالوں کی کثرت و بہتات کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قص، یعنی داڑھی کی تراش خراش بھی نہ ہو۔

[1] النهاية في غريب الحديث لابن أثير، ٣/ ٢٦٦.

علامہ مناوی کی تحقیق:

علامہ مناوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"إعفاء اللحية أي إكثارها بلا نقص والمراد عدم التعرض لها بشيئ"[1]

"إعفاء اللحية کا مطلب ہے کہ داڑھی کا زیادہ کرنا بغیر کسی نقص اور گھٹانے کے، مراد یہ ہے کہ اس میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔"

شہاب الدین ابن ارسلان کی تحقیق:

ابو داود کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وإعفاء اللحية (بالمد) وهو توفيرها وتركها بحالها ولا يقص منها ولا يأخذ شيئًا كعادة الكفار القلندرية"[2]

"إعفاء اللحية سے مراد داڑھی کو بڑھانا اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہے، اس طرح کہ اس میں سے نہ کچھ کاٹے اور نہ کچھ لے، جیسا کہ کفار اور قلندریہ (فرقہ) کی عادت ہے۔"

امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق:

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأما أوفوا فهو بمعنى أعفوا أي اتركوها وافية كاملة لا تقصّوها"[3]

---

[1] فیض القدیر، ٤/ ٣١٦.

[2] إعفاء اللحی از علامہ محمد حیات سندھی، بحوالہ: اسلام میں داڑھی کا مقام، ص: ٩، از شیخ بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ

[3] شرح النووي لمسلم، کتاب الطهارة، (ح: ٢٥٩_ ٢٦١)

"أوفوا، أعفوا کے معنی میں ہے، معنی یہ ہیں کہ اسے پوری اور کامل حالت میں چھوڑ دو، اسے کاٹو نہیں (کتراؤ نہیں)۔"

مزید لکھتے ہیں:

"فحصل خمس روايات: أعفوا وأوفوا وأرخوا وأرجوا ووفّروا، ومعناها كلها تركها على حالها، هذا هو الظاهر من الحديث الذي تقتضيه ألفاظه وهو الذي قاله جماعة من أصحابنا وغيرهم من العلماء"[1]

"تو اس طرح پانچ روایات ہوئیں: أعفوا، أوفوا، أرخوا، أرجوا اور وفروا، ان تمام روایات و الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا، حدیث کے ظاہر الفاظ کا یہی تقاضا ہے، ہمارے أصحاب (شوافع) میں سے ایک جماعت اور دیگر علماء کا یہی قول ہے۔"

قارئین کرام! غور فرمائیں عظیم شارح اور فقیہ علامہ نووی رحمہ اللہ کیا فرماتے ہیں؟ ان کے نزدیک مذکورہ تمام الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ اسی کے پیش نظر ہم نے داڑھی کو اس کی طبعی حالت پر چھوڑنے سے تعبیر کیا ہے۔

لسان العرب کی عبارت:

"عفا النبت والشعر وغيره يعفو فهو عافٍ: كثُر وطال، وفي الحديث: أنه ﷺ أمر بإعفاء اللحى، وهو أن يوفر شعرها ويكثّر، ولا يقص كالشوارب، من عفا الشيئ إذا كثرو زاد"[2]

---

(1) شرح النووي، أيضاً (2) لسان العرب، ۱۵/ ۷۵.

''عربی میں عفا النبت یا عفا الشعر وغیرہ استعمال کرتے ہیں، یعفو اس کا مضارع ہے، اور ''عافِ'' اسم فاعل، معنی، جڑی بوٹی اور بالوں کا بکثرت اور طویل ہونا یا ہوتے چلے جانا ہے، حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے ''إعفاء لحیه'' کا حکم دیا ہے (جمع اللحی ہے) اس کے معنی ہیں کہ داڑھی کے بال بڑھائے جائیں اور زیادہ کیے جائیں، اور اسے مونچھوں کی طرح کاٹا نہ جائے، یہ ''عفا الشّیئ'' سے ماخوذ ہے، معنی کسی چیز کا کثیر اور زیادہ ہونا ہے۔''

ذرا غور فرمایئے! حافظ عمران موصوف إعفاء کے معنی کے متعلق لکھتے ہیں:

''اس کے معنی بھی کثرت اور توفیر کے ہیں۔''

حالانکہ صرف یہی معنی مراد نہیں بلکہ یہ کثرت و توفیر وہ ہے جس میں بالوں میں کسی قسم کی تراش خراش نہ کی جائے۔ داڑھی کو کاٹا نہ جائے جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔

ابن فارس کا قول اور موصوف کی خیانت:

ابن فارس ''عفوت الشعر وعفیته'' کے معنی لکھتے ہیں:

''وذٰلك إذا تركته حتى يكثر ويطول...''

عمران موصوف اس کا ترجمہ کرتے ہیں: ''یعنی یہ لفظ (اس وقت بولا جاتا ہے) جب بالوں کو اس وقت تک نہ کاٹا جائے یہاں تک کہ وہ زیادہ ہو جائیں۔''

صحیح ترجمہ یہ ہے:

''یہ لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان بالوں کو چھوڑ دے اور

ترک کر دے یہاں تک کہ وہ زیادہ اور لمبے ہو جائیں۔‘‘

لیکن موصوف نے ابن فارس کی عبارت اور مقصد کا مذکورہ ترجمہ کر کے جنازہ نکال دیا ہے۔ ’’بالوں کو اس وقت تک نہ کاٹا جائے‘‘ میں پوچھتا ہوں یہ کس عبارت کا ترجمہ ہے؟ دوسرے ’’ویطول‘‘ ’’طویل اور لمبے ہوجائیں۔‘‘ کے معنی کو کیوں ہضم کر گئے؟ یہ گھپلا اور خیانت اس لیے کی ہے کہ اپنا دعویٰ ثابت کیا جائے۔ إنا للّٰه وإنا إليه راجعون.

اصل حقیقت:

حالانکہ اصل مفہوم یہی ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے یہاں تک وہ بڑھتی رہے اور لمبی ہوتی رہے۔ ’’عفوت الشعر‘‘ کے اس معنی پر تمام اہل لغت متفق ہیں جیسا کہ ابن فارس نے شروع عبارت میں کہا:

’’وقال أهل اللغة كلهم‘‘

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی تحقیق:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’أعفوا اللحى......والمراد توفير اللحية خلاف عادة الفرس من قصها، وأوفوا اللحى، هو بمعنى أعفوا، أي اتركوها وافية كاملة لا تنقصوها‘‘[1]

’’أعفوا اللحى سے مراد داڑھی کو بڑھانا ہے، پارسیوں کی عادت کے خلاف، کیونکہ وہ اسے کاٹتے تھے، اور ’’أوفوا اللحى‘‘ بھی أعفوا کے معنی میں ہے، یعنی اسے اس کی پوری اور کامل حالت پر چھوڑ دو، اسے کم نہ کرو۔

[1] الديباج شرح مسلم، ٢/ ٣٨.

تبصرہ:

کیا امام سیوطی کی اس لغوی تشریح سے عمران موصوف کے نظریے اور اس کی لغوی خیانت کا جنازہ نہیں نکل جاتا؟ آگے لکھتے ہیں:

”أرخوا اللحى... أي اتركوها ولا تعرضوا لها بتغيير“

”أرخوا اللحى کے معنی ہیں: اسے چھوڑ دو اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرو۔“

اور ”أرجوا“ کا معنی کرتے ہیں:

”أخروها واتركوها“

”اسے موخر یعنی لمبا کرو اور اسے (اس کی حالت پر) چھوڑ دو۔“

امام نووی کا تعاقب:

امام نووی داڑھی کترانے کے حوالے سے قاضی عیاض کے موقف (کہ جب داڑھی بڑی ہوجائے تو اسے طول وعرض سے کاٹنا بہتر ہے۔) کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”بأنه خلاف ظاهر الخبر في الأمر بتوفيرها، قال: والمختار تركها على حالها وأن لا يتعرض لها بتغيير ولا غيره“[1]

”یہ موقف حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ اس میں داڑھی کی توفیر (بڑھانے) کا حکم ہے، پھر نووی لکھتے ہیں: مختار اور پسندیدہ بات اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی

[1] شرح النووي، ۲۵۹۔ ۲۶۱، تحفة الأحوذي، الأدب، باب ماجاء في إعفاء اللحية، (ح: ۲۷۶۳)

اور تراش خراش نہ کی جائے۔"

امام ابن حجر اور علامہ عینی کا قول: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے إعفاء کے معنی ترک ہی کیے ہیں۔[1] علامہ عینی بھی اعفاء بمعنی ترک ہی کرتے ہیں، یعنی داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا ہی مراد ہے۔[2]

علامہ زمخشری کی توضیح:

علامہ زمخشری "الفائق في غريب الحديث" (مادۂ عفو) میں لکھتے ہیں:

"العافي: الطويل الشعر من عفا وبرالبعير إذا طال ووفر، ومنه هو أن تعفي اللحى"

"العافي کے معنی ہیں طویل اور لمبے بالوں والا، "عفا وبر البعير" سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہتے ہیں جب اونٹ کے بال لمبے اور وافر ہو جائیں اور "إعفاء اللحى" بھی اسی سے ماخوذ ہے۔"

صاحب عون المعبود:

یہ بھی "إعفاء اللحى" کا معنی اس کے إرسال وتوفیر سے کرتے ہیں۔[3]

محدث عبدالرحمٰن مبارکپوری:

"أعفو، أوفوا، أرخوا، أرجوا اور وفّروا" کا معنی یہی کرتے ہیں کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔

"ومعناها كلها تركها على حالها"[4]

---

[1] فتح الباري، اللباس، تحت الحديث: ٥٨٩٢.

[2] عمدة القاری، تحت الحديث: ٥٨٩٢.

[3] عون، تحت الحديث: ٥٣.

[4] تحفة الأحوذي، حديث: ٢٧٦٣.

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کی توضیح:

"أعفوا اللحی" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"وهو التوفير والتكثير... أي اتركوها وافرة كثيرة وذلك بأن لا تقصوها"[1]

"اس کے معنی توفیر وتکثیر ہیں، یعنی اسے ترک کردو اس حال میں کہ یہ وافر اور کثیر ہو، اور اس طرح کہ تم اس میں قص نہ کرو، یعنی کٹاؤ نہیں۔"

"أوفوا اللحی" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"أمر من الإيفاء يعني: اتركوها وافية كاملة غير منقوصة"

"یہ ایفاء سے امر کا صیغہ ہے، یعنی اسے پوری اور کامل شکل میں چھوڑو، اس طرح کہ اس میں کمی نہ کی گئی ہو۔"

"أرخوا" کے بارے میں لکھتے ہیں: "یہ ارخاء سے ماخوذ ہے"

"وهو تركها على طولها وعدم التعرض لها"[1]

"اس کے معنی اسے لمبائی اور طول کی حالت میں چھوڑ دینا اور اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کرنا ہیں۔"

سعودی عالم علامہ عبدالمحسن العباد کی تحقیق:

ابوداود کی شرح میں لکھتے ہیں:

"(وإعفاء اللحية) تركها موفرة لايتعرض لها بحلق ولا بتقصير، لا بقليل ولا بكثير، لأن الإعفاء مأخوذ من الكثرة

[1] منة المنعم، ١/ ٢٠٢. مطبوعه دارالسلام. [2] منة المنعم، ١/ ٢٠٢.

أو التوفير، فاعفوها وكثروها......"

"إعفاء اللحية سے مراد یہ ہے کہ اسے زیادہ اور وافر حالت میں ترک کر دینا کہ اسے نہ مونڈا جائے اور نہ کاٹا ہی جائے، نہ تھوڑی سی، نہ بہت زیادہ، اس لیے کہ اعفاء کے معنی کثرت یا بڑھانے کے ہیں، لہٰذا اسے بڑھاؤ اور زیادہ کرو۔"

آگے لکھتے ہیں کہ داڑھی بڑھانے کا حکم مختلف الفاظ کے ساتھ آیا ہے، جیسے: بلفظ "وفروا" "أرخوا" اور "أعفوا" یہ تمام الفاظ داڑھی کو باقی رکھنے، اسے وافر کرنے اور اس سے چھیڑ چھاڑ نہ کرنے کے حکم پر دلالت کرتے ہیں۔

"وكلها تدل على الأمر بإبقائها وتوفيرها وعدم التعرض لها"

نیز ان کا کہنا ہے کہ "إعفاء اللحية" آپ کے قول و فعل اور تقریر سے ثابت ہے۔ یعنی آپ نے مذکورہ شرائط کے ساتھ داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے، اس پر عمل بھی کیا ہے، اور تمام صحابۂ کرام نے آپ علیہ السلام کی موجودگی میں مذکورہ طرز کی داڑھیاں رکھی ہیں، خط یا تراش خراش نہیں کی اور آپ علیہ السلام نے ان کی اس قسم کی داڑھیوں کی توثیق و تصدیق فرمائی ہے۔ مزید لکھتے ہیں:

"وهي ألفاظ مختلفة متنوعة كلها تدل على إبقائها وتركها"

"یہ مختلف اور متنوع الفاظ ہیں، جو سب داڑھی کو باقی رکھنے اور اسے چھوڑ دینے کے معنی پر دلالت کرتے ہیں۔"[1]

میرے پاس اور بھی اہلِ لغت اور ائمہ شارحین کی اس سے متعلق تصریحات موجود ہیں لیکن بات لمبی ہوگئی ہے، امید ہے ہمارا دعویٰ سابقہ تصریحات کی روشنی

[1] مزید تفصیل ملاحظہ ہو: شرح سنن أبي داود لشيخ عبد المحسن، كتاب الطهارة، باب السواك من الفطرة، تحت الحديث: ٥٣.

میں واضح ہو چکا ہوگا اور موصوف مضمون نگار کے مزعومہ نظریے کا ابطال بھی کہ جس نے مذکورہ تمام الفاظِ حدیث کو اپنے مخصوص موقف کے مطابق ایک خاص معنے کا لبادہ اوڑھانے اور انھیں مخصوص قالب میں ڈھالنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ ھدانا اللہ وإیاہ.

موصوف کا کیا طریقہ ہونا چاہیے تھا:

بات صرف اتنی تھی کہ فراخ دلی سے کہہ دیتے کہ الفاظ اپنے معنی ومفہوم کے مطابق ازروئے نصوص، لغوی تصریحات اور شارحینِ حدیث کی تشریحات کے مطابق داڑھی کو بڑھانے، وافر کرنے اور اسے کسی کم وکاست اور چھیڑ چھاڑ کے بغیر اس کی اصلی حالت پر چھوڑنے ہی پر دلالت کرتے ہیں لیکن ہم اس اعفاء وغیرہ کے معنی کی فلاں فلاں صحابی کے عمل سے تخصیص وتقیید کرتے ہیں جیسا کہ موقف ہذا کے حاملین محققین کہتے ہیں، تو کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن آپ نے تو کمال ہی کر دیا، اُن چند آثار کی بنا پر ان الفاظ کے حقائق ودقائق ہی کی تاویل کر ڈالی، ان کے مدلولات وقیود کا ستیاناس کر دیا اور اہلِ لغت کی نقول کی پروا تک نہ کی۔ بلکہ الٹا یہ کام کر دکھایا کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے ان کے مقاصد کو ذبح کر دیا اور ان کی اصل مراد پر چھری چلا دی۔

ایک خوفناک جسارت:

حافظ عمران موصوف نے لغوی حقائق کو مسخ کرنے کے بعد ایک اور مذموم جسارت کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے موقف کے اثبات اور معترض کا منہ بند کرنے کے لیے فرماتے ہیں:

''اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ رسول اللہ ﷺ سے داڑھی کاٹنا ثابت

ہی نہیں ہے، اس لیے یہ عمل غیر مشروع ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی داڑھی اتنی لمبی نہیں تھی کہ اسے کاٹنے کی ضرورت پیش آئی ہو۔''

پھر فرماتے ہیں:

''معتبر علمائے کرام کے اقوال کے مطابق آپ ﷺ کی داڑھی مشت سے زیادہ نہیں تھی، لہٰذا ان کو داڑھی کٹوانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔''

یہ بات آغاز مضمون میں بھی کر آئے ہیں، فرماتے ہیں:

''کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی معتدل تھی، اس لیے آپ کو داڑھی کٹانے کی ضرورت پیش نہ آئی اور سلف صالحین مشت سے زائد داڑھی کٹاتے تھے۔''

چوتھی اور آخری بار پھر لکھتے ہیں:

''یہ دلائل اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی داڑھی معتدل ومتوسط تھی اس لیے آپ کو داڑھی کٹوانے کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی۔''

إنا للہ و انا الیہ راجعون.

مضمون نگار نے اپنے پیش کردہ دلائل اور استدلالات میں جو میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو کے مصداق سابقہ کلام میں جو کیا سو کیا لیکن ادھر تو حد ہی کر دی۔ ان کی عبارات پیش کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ قارئین کو اندازہ ہو سکے کہ حضرت صاحب بڑے جرأت مند ہیں، اپنے نظریے کے اثبات

کے لیے کچھ بھی کہہ سکتے اور کر سکتے ہیں۔

حق بات تو یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ریش مبارک گھنی اور بڑی تھی، گو طویل نہ تھی جیسا کہ اہلِ علم کا کہنا ہے، لیکن اپنی طبعی حالت پر ضرور برقرار رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے پوری زندگی تراش خراش کی نہ طول و عرض سے اسے سنوارا ہی، جیسا کہ ترمذی کی ایک سخت ضعیف بلکہ موضوع روایت میں ہے۔

نیز ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب: ٢١] کے پیش نظر ہم آپ کی اتباع اور اسوۂ حسنہ کے پابند ہیں۔ جو ویسی داڑھی نہیں رکھتا جیسی آپ کی تھی، یعنی اس میں کمی بیشی یا تراش خراش کرتا ہے تو اس کا یہ عمل غیر مشروع اور غیر مسنون ہے، یہ استدلال بالکل درست ہے، آخر اس میں کیا اشکال ہے؟ کیا آپ کی اتباع کرنے اور اسوہ کو اپنانے کے ہم مکلّف نہیں؟ کیا آپ صاحبِ شریعت و وحی نہیں؟ لیکن پتا نہیں آں جناب نے مذکورہ جسارت کیسے کرلی؟

میں پوچھتا ہوں کہ مذکورہ احتمالات یا ظن کا اظہار کیوں کیا گیا؟ جبکہ مقابلے میں ایسے واضح اور صریح الفاظ ہیں جن میں داڑھی کو چھوڑنے کا حکم ہے، پھر آپ ﷺ کا عمل بھی اس کے مطابق تھا، نیز آپ کی زندگی میں تمام صحابۂ کرام کا عمل بھی اسی طرح رہا، تو کیا اگر تین چار صحابہ کرام نے بعد میں کسی وجہ سے مشت سے زائد داڑھی کٹانا شروع کردی یا ان کے موقف میں تبدیلی آگئی، تو کیا ہم اس حکمِ اعفاء اور رسول اللہ ﷺ کے عمل اور سنت ہی سے منحرف ہوجائیں اور اس میں من مانی کی تاویلات کرنے لگ جائیں، ہرگز نہیں۔ بتائیں! آخر آپ کے مذکورہ اشکال کی کیا وجہ ہے؟

① کیا قرآن کریم میں کہیں مشت سے زائد داڑھی کٹانے کا حکم ہے؟ کہ اگر

آپ کی داڑھی مبارک مشت سے زائد ہو جاتی تو لازماً کٹاتے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

② یا کہیں آپ کی نظر میں کوئی ایسی حدیث گزری ہے، جس میں یہ حکم ہو "أمرني ربي بقص اللحية أو أخذها" کہ میرے رب نے مجھے (اس حد سے زائد) داڑھی کٹانے کا حکم دیا ہے۔

③ یا ہو سکتا ہے آپ کو کسی صحابی سے کوئی تصریح مل گئی ہو کہ آپ مشت سے زائد داڑھی کٹانے کے پابند تھے، تو وہ حدیث ہی ذکر فرما دیتے، حالانکہ طبری اور البدایۃ والنہایۃ وغیرہ کے حوالے سے منقول ہے کہ آپ ﷺ داڑھی بڑھانے اور اسے اس کی حالت پر چھوڑنے کے پابند تھے۔ ملاحظہ فرمائیں: شاہِ کسریٰ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کے پاس اس کے دو فوجی حاضر ہوئے، ان کی داڑھیاں مونڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان کی طرف دیکھنا ہی پسند نہ کیا۔ پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تم دونوں کے لیے ویل (ہلاکت و عذاب) ہو، تمھیں اس کا کس نے حکم دیا ہے؟ دونوں نے جواب دیا: ہمارے رب کسریٰ نے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

«لكن ربي قد أمرني بإعفاء لحيتي وقص شاربي»[1]

"لیکن میرے رب نے تو مجھے اپنی داڑھی چھوڑنے اور اپنی مونچھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔"

یہ قصہ مختلف طرق و متابعات کے ساتھ مروی ہے جس سے ثابت ہوتا

[1] البداية والنهاية، ٤/ ٢٦٩. تاريخ الطبري، ٣/ ٩٠-٩١.

ہے کہ اس کی اصل موجود ہے، بلکہ درجۂ حسن تک پہنچتا ہے۔ معلوم ہوا داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑنا حکمِ الٰہی ہے۔

④ یا اس کا تعلق سنن فطرت سے ہے کہ سابقہ انبیاء مشت سے زائد داڑھیاں کٹاتے تھے تو آپ بھی ان کی پیروی میں ایسا کر لیتے۔ حالانکہ شیخ صالح فوزان کی تصریح کے مطابق (جیسا کہ ان کی شرح سنن أبی داود میں ہے) سابقہ تمام انبیاء سے اِعفاء ہی ثابت ہے، ان سے مشت سے زائد داڑھی کٹانے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

⑤ یا پھر آپ کو کوئی کشف ہوا کہ آپ کی داڑھی چونکہ معتدل ومتوسط تھی اس لیے کٹانے کی ضرورت پیش نہ آئی، اور اگر مشت سے زائد ہوتی تو کٹا لیتے۔

ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ جسارت کس بنا پر کر لی؟

بہت بہتر تھا کہ آپ ظن باطل کے اس چکر میں نہ پڑتے۔ جو حق تھا فوراً قبول فرماتے، یا اس سے جان چھڑانے کی کوئی اور سبیل ڈھونڈتے اور مذکورہ احتمال ظاہر نہ کرتے۔

بعض آثارِ صحابہ اور ان کا جواب:

امید ہے کہ قارئین ضیائے حدیث نے داڑھی کے متعلق مضمون بڑی دلچسپی اور عمیق نظری سے پڑھا ہوگا جس میں بعض صحابۂ کرام اور چند اسلاف کے عمل کا بھرپور انداز میں حوالہ دیا گیا، اور اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن و حدیث کا معتبر فہم وہی ہے، جو اسلاف کا ہے۔ خصوصاً جو صحابۂ کرام داڑھی بڑھانے کی روایات کے راوی ہیں خود انھی سے مشت سے زائد داڑھی کاٹنا ثابت ہے۔ جس سے سلف کی ایک جماعت نے مشت سے زائد داڑھی کٹانے

کا جواز اخذ کیا ہے۔ بنیادی مضمون یہی ہے۔ لہٰذا اس بنا پر موصوف کی رائے میں مشت سے زائد داڑھی کٹانا جائز ہے، اس لیے اس عمل کو معصیت یا حرام نہیں کہا جاسکتا۔

ان گزارشات پر بھی غور فرمائیں:

اب اس حوالے سے ہماری گزارشات بھی ملاحظہ فرمایئے:

اسلام قرآن وسنت کا نام ہے۔ ہمارے لیے صرف اور صرف اصل حجت شرعی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، یعنی آپ ﷺ کا قول وفعل اور تقریرات ہی اصل دین ہے۔ اس کے مقابلہ میں کسی شخص یا امتی کا، خواہ وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو، قول وعمل اور تقریر حجت شرعی نہیں۔ یہی حکم بعد کے اصحاب کا ہے، خواہ تابعی ہو یا اس سے نچلے درجے کا کوئی بھی اور شخص۔ بشرطیکہ اس کا قول وفعل رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل سے متصادم ہو۔ مشت سے زائد داڑھی کٹانے کے قائلین ان چند صحابہ کرام اور بعض سلف کے مذکورہ عمل کو احادیثِ رسول اور آپ علیہ السلام کی مراد کے خلاف نہیں بلکہ موافق سمجھتے ہیں اور ان بعض سلف کے عمل کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی تفسیر یا اس کی صحیح تعبیر گردانتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ مضمون نگار نے اس پر اپنے حساب سے بھرپور انداز میں بحث کی ہے۔ لیکن ہم ان کے مذکورہ موقف سے اتفاق نہیں کرتے، وہ اس لیے کہ مذکورہ اصحاب کا یہ عمل از قبیل تفسیر نہیں بلکہ از قبیل اجتہاد و رائے ہے۔ جس کے ہمارے پاس چند قرائن ہیں۔ وہ اپنے اس اجتہاد میں عنداللہ یقیناً ماجور ہیں لیکن ہم ان کے اس اجتہاد کے پابند نہیں۔ اصل حجت رسول اللہ ﷺ ہیں، اس لیے مذکورہ عمل کو ہم آپ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر کے منافی سمجھتے ہیں۔

عدم احتجاج کی چند وجوہات:

اس کی مختلف وجوہات ہیں:

1 اس لیے کہ ان تین چار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ عمل حکماً مرفوع نہیں کیونکہ کسی نے اپنے مذکورہ عمل کے لیے کوئی دلیل یا حدیث پیش نہیں کی۔

2 نیز ہمیں اس حوالے سے آپ کی کوئی تقریری حدیث بھی موصول نہیں ہوئی، مطلب یہ ہے کہ مشت سے زائد داڑھی کٹانے کا صحابہ کرام کا یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو، آپ کی موجودگی میں یا آپ کے عہد میں نہیں ہوا کہ آپ نے اس کی توثیق فرمادی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو لازماً منقول ہوتا یا وہ اس کی تصریح فرماتے، جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے عزل کے جواز پر استدلال کیا: "كنا نعزل والقرآن ينزل" "ہم عزل کیا کرتے تھے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہوتا تھا۔"

3 مشت سے زائد داڑھی کٹانے پر امت کا اجماع بھی نہیں، بلکہ ہر دور میں اختلاف رہا ہے۔ بعض اسلاف سے اگر اس کا جواز ملتا ہے تو دیگر اسلاف سے اس کی کراہت بھی منقول ہے۔ بلکہ کٹانے کی نسبت داڑھی کو اس کی طبعی حالت پر برقرار رکھنے اور اسے اولیٰ قرار دینے والے ہر دور کے جمہور علمائے کرام ہیں۔ جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان علماء و محدثین اور فقہائے عظام کے ہاں بعض صحابہ و تابعین کے داڑھی کٹانے کا عمل ان کا اجتہاد اور ذاتی رائے ہی تھی۔ اگر وہ اسے سنت یا سنت کی موافقت یا سنت کی تعبیر و توضیح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود سمجھتے تو إعفاء (داڑھی کو اس کی

---

1 صحيح البخاري، (ح: ٥٢٠٨) و صحيح مسلم، (ح: ١٤٤٠)

طبعی حالت پر چھوڑنے) کے بجائے تقصیر اور اس کی تراش خراش کو اولیٰ وافضل قرار دیتے لیکن ایسے قطعاً نہیں، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مذکورہ عمل اجتہاد ورائے پر مبنی تھا۔

4 اِعفائے لحیہ کی وہ تمام روایات جن میں رسول اللہ ﷺ سے داڑھیاں بڑھانے، چھوڑنے اور اس کی تکثیر و توفیر کا حکم ہے، شارحینِ حدیث اور ائمہ لغت کی تصریحات کے مطابق داڑھی کو اس کی اصلی اور طبعی حالت پر چھوڑنا مراد ہے، یہی وجہ ہے کہ ان میں سے معروف اور معتبر ائمہ لغت و فقہ نے داڑھی کی کثرت و بہتات کے ساتھ مزید قیود بھی لگائی ہیں جو ان الفاظ کا حقیقی تقاضا ہے، کہ اسے اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے، یعنی نہ کترایا جائے اور نہ اسے طول وعرض سے سنوارا ہی جائے۔

لازمی بات ہے کہ جب اعفاء، توفیر، اِیفاء، اِرخاء اور ارجاء مترادف اور ہم معنی الفاظ ہیں تو پھر کثرت و بہتات کے ساتھ مذکورہ قیود بھی ملحوظ رکھی جائیں گی، اور داڑھی کو اس کی اصلی صورت میں برقرار رکھنا ہی واجب ہوگا۔ اور اس میں بلا دلیل کسی حد کا تعین درست نہ ہوگا اور نہ کسی قسم کا استثنا ہی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم فرضیت اور وجوب کے لیے ہوتا ہے اِلا کہ کسی صحیح قوی دلیل سے وجوب سے پھیرنے والا کوئی قرینہ موجود ہو، جبکہ یہاں اس قسم کا کوئی قرینہ موجود نہیں۔

لیکن افسوس!

عمران موصوف نے مسئلے کی اصل صورت ہی بگاڑ دی، مذکورہ چند صحابہ کرام اور بعض اسلاف کے عمل کی بنیاد پر احادیثِ رسول اور ائمہ لغت کی توضیحات و

تحقیقات کو بھی اپنے مخصوص نظریے کے سانچے میں ڈھال لیا۔ اور ان کا بھی وہی معنی و مفہوم متعین کرلیا جس کی آبیاری اور نشر واشاعت کا وہ بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں کہ ''احادیث میں داڑھی کے حوالے سے جتنے الفاظ بیان ہوئے ہیں سب کے معنی داڑھی کو بڑھانے اور لمبا کرنے کے ہیں۔'' ان کے نزدیک مطلقاً بڑھانا مقصود نہیں بلکہ موصوف نے لمبا کرنے اور بڑھانے کی ایک حد متعین کردی کہ اِعفاء کا مطلب ایک مشت تک داڑھی بڑھانا ہے نہ کہ اسے اس کی حالت پر چھوڑنا ہے۔ چلو خیر سلف کے بعض آثار کی بنا پر اپنے موقف کے مطابق مذکورہ تخصیص بھی کر لیتے تو کوئی بڑی بات نہ تھی، جیسا کہ بعض محققین نے کیا ہے لیکن موصوف نے تو حد ہی کردی کہ لغوی تصریحات و تحقیقات ہی سے انحراف کرلیا اور کلامِ رسول اور اس کے مقصود کا جنازہ نکال دیا۔

۵۔ جیسا کہ ہم نے دعوی کیا کہ مذکورہ صحابہ کرام کا داڑھی کٹانا ایک اجتہادی عمل تھا، اس کا ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ اِعفاء کی تعبیر و توضیح یا اس کی مراد متعین کرنے میں عمل کے علاوہ ان کا کوئی قول نہیں ملتا۔ اگر قولاً بھی اِعفاء کی وضاحت کردیتے تو ہم اختلاف نہ کرتے، جیسا کہ خف کے معنی کے تعین میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے عمل کے علاوہ قول بھی منقول ہے۔

سیدنا انس بن مالک کی قولی توضیح:

علامہ دولابی نے ''الکنی و الأسماء'' میں روایت کی ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے اون کی جرابوں پر مسح کیا اور فرمایا:

''إنهما خفَّانِ ولکنهما من صوف''

''یہ دونوں خُف ہیں فرق اتنا ہے کہ یہ دونوں اون کے ہیں۔''

اب پوری روایت ملاحظہ فرمائیں: ازرق بن قیس کہتے ہیں:

"رأيت أنس بن مالك أحدث فغسل وجهه ويديه، ومسح علی جوربين من صوف، فقلت: أتمسح عليهما؟ فقال: إنهما خفان، ولكنهما من صوف"[1]

"میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ وہ بے وضو ہو گئے، تو انھوں نے اپنا منہ اور دونوں ہاتھ دھوئے (اور باقی وضو کیا) اور اون کی جرابوں پر مسح کیا، میں نے کہا: کیا آپ ان پر مسح کرتے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا: یہ دونوں خف ہیں لیکن اون سے بنے ہوئے ہیں۔"

محل استدلال یہ ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اون کی جرابوں پر مسح کیا، پھر قولی طور پر اون کی ان جرابوں کو مسمائے خف میں شامل کیا، یعنی انھیں بھی خف ہی قرار دیا، جس سے معلوم ہوا کہ ان کا حکم بھی خف (چمڑے کے موزوں) ہی کا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سیدنا انس بن مالک کے قول و فعل کی روشنی میں چمڑے اور غیر چمڑے کے موزوں پر مسح کرنے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

علامہ احمد شاکر کا استدلال:

مذکورہ اثر کے متعلق علامہ احمد شاکر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: یہ حدیث سیدنا انس سے موقوفاً مروی ہے، یعنی ان کے فعل اور قول پر مبنی ہے، وجہِ استدلال یہ ہے کہ انھوں نے صرف فعل پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس بات کی تصریح بھی فرمائی کہ یہ جرابیں بھی خف ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ یہ اون کے ہیں۔

سیدنا انس بن مالک اہل زبان ہیں، جبکہ اس وقت تک ابھی عجمیت کا

---

[1] الكنى والأسماء، ۱/ ۱۸۱. اسے محدث احمد شاکر نے صحیح الاسناد کہا ہے۔

عمل دخل نہیں ہوا تھا اور نہ مختلف زبانوں کا باہمی اختلاط ہی۔[1]

تو وہ واضح کرتے ہیں کہ "خُف" کے معنی اس سے عام ہیں کہ یہ صرف چمڑے کے ہوں۔ اِعفاء کے متعلق بھی اگر ایسی تصریح ملتی ہوتی تو ہم بالیقین کہتے کہ ابن عمر وغیرہ بھی عرب ہیں، اہلِ زبان ہیں، فصیح اللسان ہیں، اس لیے مٹھی بھر داڑھی رکھنا بھی اِعفا میں شامل اور یہ بھی سنت ہے۔ اس طرح عام اہل لغت اور ان کے درمیان کوئی تضاد نہ رہتا، تطبیق ممکن تھی، کہ داڑھی کو اس کی طبعی حالت پر چھوڑے رکھنا بھی اعفاء وتوفیر ہے اور کم از کم ایک مشت داڑھی رکھنا بھی اعفاء ہے اور اس سے کم داڑھی رکھنا حکمِ اِعفاء کے منافی ہے لیکن حقیقتِ حال ایسے نہیں۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کا عمل باعثِ اشکال رہا ہے:

بہرحال اسی لیے متقدمین ومتاخرین دیگر علماء کرام نے بھی ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے آثار اور عمل کو باعثِ اشکال سمجھا ہے۔

1 علامہ زیلعی حنفی "نصب الرایة" (۲/ ٤٥٧) میں لکھتے ہیں:

"ویشکل علی هذه الآثار حدیث "أعفوا اللحی" وهو فی الصحیحین"

یعنی صحیحین میں مروی حدیث "أعفوا اللحی" "داڑھیوں کو چھوڑ دو" ان آثار کے مقابلے میں باعثِ اشکال ہے۔

مقصد واضح ہے کہ حدیث میں تو اعفاء لحیہ کا حکم ہے، جبکہ مذکورہ آثار اس کے مخالف ہیں۔ نیز علامہ زیلعی بھی اعفاء کے مفہوم اور حدیث کے تقاضا کو خوب سمجھتے تھے، تبھی تو اشکال وارد کیا، یہ فکر صرف اہل الحدیث کی نہیں۔

[1] المسح علی الجوربین، ص: ۱۳.

امام طبری کی تصریح:

2 حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس مختلف فیہ مسئلے کے اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قال الطبري: ذهب قوم إلى ظاهر الحديث فكرهوا تناول شيئ من اللحية من طولها ومن عرضها، وقال قوم: إذا زاد على القبضة يؤخذ الزائد" [1]

"ایک جماعت کا رجحان حدیث کے ظاہر کی طرف ہے، اس لیے انھوں نے داڑھی کے طول وعرض سے کچھ بھی کاٹنا مکروہ سمجھا ہے، اور علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ اگر داڑھی مشت سے زائد ہو تو زائد کاٹی جا سکتی ہے۔"

غور فرمائیں! علماء کی مذکورہ ایک جماعت نے ان آثار کو احادیث اعفاء کے مخالف سمجھا ہے تو کراہت ظاہر کی ہے۔

ابن بطال کا بیان:

3 علامہ ابن بطال شارح صحیح البخاری امام طبری کا قول نقل کرتے ہیں:

"إن قال قائل ما وجه قوله ﷺ: «أعفوا اللحى» وقد علمت أن الإعفاء الإكثار وأن من الناس من ترك شعر لحيته اتباعا منه لظاهر هذا الخبر تفاحش طولا وعرضا" [2]

"اگر کوئی قائل یہ کہے کہ فرمانِ رسول "داڑھیوں کو چھوڑ دو" کی کیا توجیہ ہوگی؟ جبکہ آپ جان چکے ہیں کہ اعفاء سے مراد اکثار، یعنی

---

[1] فتح الباري، اللباس، باب إعفاء اللحى، (ح: ٥٨٩٢) تحفة الأحوذي، (ح: ٢٧٦٣)

[2] شرح ابن بطال، اللباس، باب إعفاء اللحى.

داڑھی کو بکثرت رکھنا ہے، اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اگر اس حدیث کے ظاہری معنی ومفہوم کی پیروی کرتے ہوئے اپنی داڑھی کے بال ترک کردیں تو طول وعرض کے لحاظ سے بہت لمبی ہو جائے گی۔''

عبارت ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان صحابۂ کرام کے عمل کو مرفوع حدیث کے خلاف یا متعارض سمجھا جاتا رہا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ مشت سے زائد داڑھی کٹانے کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں، جس پر اس امت کے سلف صالحین متفق ہوں کہ جس کا خلاف جائز نہ ہو جیسا کہ صاحب مضمون نے یہ تاثر قائم کیا اور اس پر زور دیا ہے۔

نیز علامہ ابن بطال لکھتے ہیں:

"والصواب أن يقال: إن قوله ﷺ « أعفوا اللحى » على عمومه إلا ماخص من ذلك"[1]

''درست بات یہ ہے کہ کہا جائے: رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی ''داڑھیاں بڑھاؤ'' اپنے عموم پر ہے، مگر جس کی اس سے تخصیص ہو جائے۔''

آپ اس حوالے سے پورا موضوع پڑھیے، آپ کو رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ کی روشنی میں کسی تخصیص یا استثناء کی دلیل نہیں ملے گی، اور تخصیص یا استثناء کا حق صرف شریعت کو حاصل ہے اور شریعت نام ہے قرآن و حدیث کا۔ صحابی کا قول وفعل جب اجتہاد پر مبنی ہو اور حکماً مرفوع نہ ہو تو وہ دین وشریعت نہیں ہوتا۔

[1] أيضا، (ح: ٥٨٩٣)

4 علامہ عراقی رحمہ اللہ "طرح التثریب" میں "إعفاء اللحیة" کا مفہوم اور حدیث کے دیگر الفاظ کی تشریح کے بعد لکھتے ہیں:

"واستدل به الجمهور على أن الأولٰى ترك اللحية على حالها وأن لا يقطع منها شيئ، وهو قول الشافعي وأصحابه، وقال القاضي عياض: يكره حلقها وقصها وتحريقها (تحذيفها) وقد اختلف هل لذلك حد؟ فمنهم من لم يحدد شيئاً في ذلك إلا انه لايتركها لحد الشهرة ويأخذمنها وكره مالك طولها جدا، ومنهم من حدد بما زاد على القبضة فيزال ومنهم من كره الأخذ إلا في حج أو عمرة"

"اس حدیث کے ساتھ جمہور (علمائے کرام) نے استدلال کیا ہے کہ اولیٰ و افضل یہ ہے کہ داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے، اور اس میں سے کچھ نہ کاٹا جائے، یہ امام شافعی اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ قاضی عیاض کہتے ہیں: داڑھی کو مونڈنا، کاٹنا اور اسے جلانا (حذف اور ختم کرنا) مکروہ ہے۔ اور ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا داڑھی کی کوئی حد متعین ہے؟ بعض نے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی، ہاں مگر اسے حدِ شہرت کے لیے نہ چھوڑے بلکہ اس میں سے کچھ کاٹ لے۔ امام مالک نے اس کا بہت زیادہ لمبا ہونا مکروہ سمجھا ہے۔ اور بعض نے مشت سے زائد کی حد مقرر کی ہے کہ اس سے بڑھ جائے، تو کاٹ لے۔ بعض نے حج وعمرہ کے سوا اسے کاٹنا مکروہ سمجھا ہے۔"

أولاً: اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

ثانیاً: شروع سے اعفاء کے معنی کو ترجیح اور تقدیم حاصل رہی ہے۔ نیز ابن عمر رضی اللہ عنہما

وغیرہ کے فعل کو احادیث مرفوعہ کے معارض اور مخالف سمجھا جاتا رہا ہے۔

دریں صورت ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ کی روشنی میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اس آیت اور دیگر نصوص کی روشنی میں ہم یہی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت، قول و فعل اور تقریر داڑھی کو اس کی طبعی حالت پر چھوڑنا ہی ہے۔

محدث مبارکپوری کی تحقیق:

زائد ازمشت داڑھی کٹانے کے قائلین کے استدلال کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وأما قول من قال إنه إذا زاد على القبضة يؤخذ الزائد واستدل بآثار ابن عمر و عمر و أبي هريرة فهو ضعيف، لأن أحاديث الإعفاء المرفوعة الصحيحة تنفي هذه الآثار، فهذه الآثار لا يصلح للاستدلال بها مع وجود هذه الأحاديث المرفوعة الصحيحة، فأسلم الأقوال هو قول من قال بظاهر أحاديث الإعفاء وكره أن يؤخذ شيء من طول اللحية وعرضها“[1]

”رہا ان لوگوں کا قول جو کہتے ہیں کہ جب داڑھی مٹھی سے زائد ہوجائے تو زائد کو کاٹ لیا جائے، انھوں نے ابن عمر، عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے آثار سے استدلال کیا ہے، تو یہ قول و استدلال ضعیف اور کمزور ہے۔ کیونکہ مرفوع اور صحیح احادیثِ اعفاء (جو داڑھی چھوڑنے پر دلالت کرتی ہیں) ان موقوف آثار کی نفی کرتی ہیں۔ لہٰذا

---

[1] تحفة الأحوذي، شرح حديث، (ح: ٢٧٦٣)

ان احادیث صحیحہ کے ہوتے ہوئے ان آثار سے دلیل اخذ کرنا صحیح نہیں، چنانچہ صحیح اور سالم قول ان لوگوں کا ہے جو احادیث اعفاء کے ظاہر کے قائل ہیں (یعنی ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑ دینے کے قائل ہیں) اور کہتے ہیں کہ داڑھی کے طول و عرض سے کچھ بھی بال (کاٹ) لینا مکروہ ہے۔''

حکم رسول کی توضیح و تفسیر کی چند مثالیں:

حقیقت یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا یہ ذاتی اجتہاد ہی تھا، کیونکہ اسے حکمِ رسول کی مراد و توضیح تب کہہ سکتے جب اس حوالے سے منقول شرعی نصوص اور ان کے عمل کے درمیان اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ درحقیقت نص کی تفسیر و توضیح وہ ہوتی ہے، جس سے شارع علیہ السلام کے مقصود پر زد نہ آئے، نہ وہ متروک ہو اور نہ اس سے تضاد و اختلاف ہی پیدا ہو۔

پہلی مثال:

مثلاً: خیارِ بیع کا مسئلہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے:

«البیعان بالخیار مالم یتفرقا»[1]

''خرید و فروخت کرنے والے دونوں اشخاص کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے جب تک وہ دونوں الگ نہ ہوں۔''

یہاں احناف اور شوافع کا اختلاف ہے کہ حدیث میں مذکور تفرُّق (علیحدگی) سے مراد آیا تفرق بالأبدان ہے یا تفرق بالکلام ہے، یعنی مجلس میں خرید وفروخت کے عہد و پیمان کے پکا ہونے کے لیے (جبکہ اختیار کی مہلت اور

[1] صحيح البخاري، (ح: ٢٠٧٩) و صحيح مسلم، (ح: ١٥٣٢)

مدت طے نہ ہو) آیا مجلس کا برخاست ہونا مراد ہے یا اس مجلس میں کسی اور موضوع پر بات چھڑنا مراد ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما راویِ حدیث ہیں، جب کسی سے بیع وشراء کرتے تو بیع پکی کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے اور مجلس سے نکل کر پھر واپس آجاتے تاکہ بیع فسخ کرنے کا احتمال ختم ہوجائے۔ اسے تفریق بالأبدان کہتے ہیں۔

یہاں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مجلس سے اٹھ کر چلے جانا اور پھر واپس آنا اس بات کا قوی ترین قرینہ ہے کہ حدیث میں مذکور تفرق سے تفرق بالأبدان ہی مراد ہے۔ حقیقت میں اپنی روایت کی عملی توضیح یہ ہے۔ حدیث میں موجود تفرق کے تعین میں ابہام تھا، آیا کون سا تفرق مراد ہے؟ تفرق بالابدان یا تفرق بالکلام؟ تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے عمل سے اس اشکال وابہام کو رفع فرما دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود کا عملی طور پر خود تعین کردیا۔

غور فرمائیں کہ حدیث میں اِعفاء، یعنی داڑھی کو اس کی طبعی حالت پر چھوڑنے کا حکم ہے جبکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ اسے کٹاتے تھے۔ تو اسے مرفوع حدیث اور حکم رسول کی عملی تفسیر کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

دوسری مثال:

اسی طرح عاشورا کے روزے کا مسئلہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ روزہ رکھا بلکہ تاوفات رکھتے رہے، اس کی ترغیب دی اور ایک سال کے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سنائی۔ چونکہ اس طرح یہود وغیرہ سے مشابہت لازم آتی تھی اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہش کا اظہار فرمایا کہ زندگی رہی تو آئندہ سال نویں کا روزہ رکھوں گا۔ یہاں بغرض مخالفت دسویں کے ساتھ نویں کا روزہ رکھنا

مقصود تھا۔ اس سے بعض لوگوں نے دسویں کا نسخ سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ موقف درست نہیں (اس کی مختلف وجوہات ہیں جن کے ذکر کا یہ محل نہیں)۔

پتے کی بات یہ ہے کہ اصحاب الرسول میں سے کوئی شخص بھی اس نسخ کا قائل نہیں اور نہ اس سے کوئی نسخ سمجھا ہے، بلکہ خود راویِ حدیث، جو کہ بغرض مخالفت نویں کے روزے کی مشروعیت کے ناقل اور اس کے راوی ہیں، کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ نویں اور دسویں دونوں کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو، جیسا کہ بسند صحیح مروی ہے۔ امام عبدالرزاق فرماتے ہیں:

"أخبرنا ابن جريج، أخبرني عطاء أنه سمع ابن عباس يقول في يوم عاشوراء: خالفوا اليهود وَ صوموا التاسع والعاشر" [1]

مقصد یہ ہے کہ صحابی کے اس قسم کے قول وفعل کو ازقبیل تفسیر وتوضیح یا روایت کا بیان قرار دیں گے۔ اب اس سے دسویں کا نسخ بھی لازم نہیں آتا، مخالفت کا مقصود بھی پورا ہوجاتا ہے اور راوی اور روایت کے درمیان اختلاف بھی پیدا نہیں ہوتا۔

اس روایت کے حوالے سے ہمارے شیخ محترم حافظ محمد شریف حفظہ اللہ ۔ومتعنا الله بطول حياته وعلمه۔ نے ایک اہم اور بنیادی نکتے کی طرف توجہ دلائی کہ اخبار میں نسخ نہیں ہوتا (جیسا کہ اصول کی کتابوں میں ہے)، وگرنہ خبر کا کذب لازم آتا ہے۔ چونکہ عاشورا کے روزے کی حدیث میں فضیلت بھی مروی ہے جو ایک خبر کی حیثیت رکھتی ہے، اگر اسے منسوخ قرار دیں تو روایت کا کذب لازم آتا ہے اس لیے نسخ کا قول مردود ہے۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق، ٤/ ٢٨٧. و سنن البيهقي، ٤/ ٢٨٧.

تیسری مثال:

امام دولابی رحمہ اللہ کی کتاب الکنیٰ و الأسماء کے حوالے سے گزرا ہے کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے وضو کیا اور آخر میں چمڑے کے موزوں پر مسح کیا اور پھر انھیں خُف قرار دیا۔ حالانکہ مسح اون کی جرابوں پر کیا تھا، لیکن انھوں نے خُف کے مفہوم کی اپنے قول سے بھی سائل کے سوال کی بنا پر توضیح فرما دی۔ اور سائل کے ذہن میں جوربین کے متعلق جو اشکال تھا اسے رفع فرما دیا۔

بات لمبی ہوگئی مختصر یہ کہ مذکورہ تینوں اور اس قسم کے دیگر آثار کو حدیث کی عملی تفسیر و توضیح قرار دیا جا سکتا ہے، جس میں آپ کو راوی کے عمل اور حدیثِ رسول میں کوئی اختلاف و تضاد نظر نہیں آئے گا۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا مشت سے زائد داڑھی کٹانا:

مشکل امر یہ ہے کہ آخر ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابۂ کرام (ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم) مشت سے زائد داڑھی کیوں کٹاتے تھے؟

اس حوالے سے بہت غور کیا، زیرِ بحث موضوع ممکنہ حد تک پڑھا، لیکن یہ اشکال بدستور قائم رہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ آپ کی حدیث کی قصداً مخالفت کیونکر کر سکتے ہیں جبکہ اتباعِ سنت کے حوالے سے وہ ایک نمونہ اور آئیڈیل شخصیت ہیں۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا معاملہ بھی یہی ہے۔ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اور مقصد کو نہیں سمجھ پائے۔ یا اعفاء کے مفہوم سے نعوذ باللہ ناواقف تھے، بلکہ وہ تو عربی النسل اور خود فصیح اللسان تھے۔ اس کا جو جواب فریق مخالف نے دیا، مذکورہ تمام بحث سے اندازہ ہوگا کہ ہم اس سے متفق نہیں ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس بات پر انشراح صدر ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا مشت سے

زائد داڑھی کٹانے کا مذکورہ عمل ذاتی اجتہاد ہی تھا، جس کی بنیاد بھی رسول اللہ ﷺ سے حد درجہ محبت کا اظہار ہی تھا۔

مزید وضاحت:

ان کے متعلق آتا ہے کہ ایک دفعہ اپنے رفقاء کے ساتھ تھے، ایک جگہ بیٹھے، پھر اٹھ کھڑے ہوئے، پوچھنے پر جواب دیا کہ میں نے اس جگہ پر رسول اللہ ﷺ کو پیشاب کرتے دیکھا ہے، حاجت تو نہ تھی لیکن سنت پر عمل کے لیے ایسے کیا ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ کے وہ طبعی اور جبلی اوصاف جن سے آپ قدرتی طور پر متصف تھے، مثلاً: مسکرانے کی کیفیت، چال ڈھال اور طریقۂ کلام وغیرہ، ہر دور کے متبعین سنت نے اسے تکلفاً اپنانے کی کوشش بھی کی ہے، اگرچہ طبعاً یہ ان کا خاصا نہ تھا لیکن مقصد اتباع اور آپ علیہ السلام سے حد درجہ محبت کا اظہار تھا۔ اس کا سبب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں اور معجم طبرانی کبیر وغیرہ کی حسن لغیرہ درجے کی حدیث ہے، فرمایا:

«یا أیها الناس إنما العلم بالتعلم والفقه بالتفقه...»[1]

یہ صحیح حدیث بھی آتی ہے:

«إنما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم...»[2]

یعنی علم صرف سیکھنے سے آتا ہے، بردباری اور حلم بھی سیکھنے سے اور تکلفاً پیدا کرنے سے آجاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حلم کوئی اکتسابی چیز نہیں، یہ ایک طبعی

[1] صحيح الترغيب للألباني، ١/ ١٦.

[2] السلسلة الصحيحة للألباني، (رقم: ٣٤٢)

اور جبلی وصف ہوتا ہے، لیکن حدیث کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ حلیم شخص کی نقل کرنے اور ویسا مزاج بنانے سے بالآخر انسان حلیم اور بردبار بن ہی جاتا ہے۔ اور بھی کئی ایسے عمدہ اوصاف ہیں جنھیں تکلفاً اختیار کیا جاسکتا ہے۔ محنت سے بہت کچھ سیکھا اور اپنایا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک:

اس حوالے سے مختلف روایات آتی ہیں، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کان عظیم اللحیة"[1] "رسول اللہ ﷺ کی داڑھی بڑی تھی۔"

نیز فرماتے ہیں:

"كَانَ ضخم اللحية"[1] "آپ کی داڑھی بھاری تھی۔"

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كَانَ كثير شعر اللحية"[3] "آپ کی داڑھی کے بال بہت زیادہ تھے۔"

سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"کان رسول اللہ ﷺ کث اللحية"[4]

"رسول اللہ ﷺ کی داڑھی گھنی تھی۔"

علماء کی تحقیقات وتصریحات کی روشنی میں پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کے حوالے سے جو مستند روایات آتی ہیں ان کا لب لباب اور مفہوم یہ ہے کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی، موٹی اور گولائی میں تھی، معتدل ومتوسط

---

[1] السلسلة الصحيحة للألباني، (رقم: ٢٠٥٢) صحيح الجامع، (رقم: ٤٨٢٠)

[2] مسند أحمد، ١/ ١٢٧، ١٤٣.

[3] صحيح مسلم، (ح: ٢٣٤٤)

[4] شمائل ترمذي، ص: ٨

تھی، لمبی نہ تھی، صاحب مضمون کے بقول ''معتبر علمائے کرام کے اقوال کے مطابق آپ ﷺ کی داڑھی مشت سے زیادہ نہ تھی۔'' کیونکہ اپنے طبعی حجم کے مطابق تھی ہی اُتنی، زیادہ لمبی نہیں ہوئی۔ ہم نے کچھ ایسے افراد دیکھے ہیں جن کی داڑھی پوری مٹھی کے بقدر بھی نہیں ہوتی۔ مشاہدے کی بات ہے کہ اگر داڑھی کو اس کی طبعی اور اصل حالت پر رہنے دیا جائے تو زیادہ نہیں بڑھتی، نہ بہت زیادہ لمبی ہی ہوتی ہے۔

ایک عمدہ توجیہ:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے بارے میں مشت سے زائد داڑھی کٹانے کی کوئی پختہ وجہ یا سبب تو معلوم نہیں ہوسکا، البتہ بعض قرائن کی روشنی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے دیگر امور میں پیروی کی طرح رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک میں بھی اتباع کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ وہ شرعاً اس کے مکلّف نہ تھے۔

ہمارے خیال میں وہ اپنی داڑھی کی لمبائی بھی اتنی ہی رکھتے جتنی واقع میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی داڑھی دیکھی اور اپنے ذہن و اجتہاد کے مطابق اسے رسول اللہ ﷺ کے حکم اِعفاء کے منافی نہ سمجھا، یقیناً ان کے سامنے یہ آیت بھی تھی: ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب: ٢١]

اس لیے ہمارے نزدیک سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے اجتہاد کی بنیاد یہی چیز ہوسکتی ہے۔ اس میں اتباع کا جذبہ بھی ہے اور آپ علیہ السلام سے والہانہ حد تک محبت کا اظہار بھی، کہ عام احکام و امور میں تو اتباع کرتے ہی تھے لیکن انھوں نے آپ ﷺ کے ان طبعی اوصاف اور غیر اختیاری حلیے کو بھی اپنانے کی کوشش کی جو ان کے بس کی بات نہ تھی۔ گویا انھوں نے اپنے آپ کو اس ناحیے سے بھی رسول اللہ ﷺ کے ہم آہنگ کرنے کی سعی کی، یہی حال باقی دو تین صحابہ کرام کا

بھی ہوسکتا ہے۔ یہ توجیہ اس لیے کی ہے، کیونکہ ان کے اس عمل کی کوئی مستند مسنون دلیل نہیں ملتی۔

بعض علمائے کرام نے یہ اظہار فرمایا ہے (جیسا کہ اس کی کچھ تفصیل بعد میں آئے گی) کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کی کوئی نہ کوئی حدیث ہوگی جو انھیں معلوم تھی، تبھی انھوں نے یہ عمل کیا، لیکن یہ احتمال درست نہیں، اگر ان کے پاس اس عمل کی کوئی دلیل یا حدیث ہوتی تو لازماً ذکر فرماتے جیسا کہ عام احادیث میں اس قسم کا ثبوت ملتا ہے، اس لیے کسی دلیل کی عدم نقل اس کے عدم وجود کی دلیل ہے۔

کیا مشت سے زائد داڑھی کٹانا مسنون ہے؟

بالفرض اگر مذکورہ صحابۂ کرام کا مشت سے زائد داڑھی کٹانا حکمِ اِعفاء ہی کی عملی تفسیر ہے، یا موصوف کی رائے کے مطابق حکمِ اِعفاء کے منافی نہیں یا ان کے اس عمل کو اجتہاد اور ذاتی رائے پر محمول نہ کیا جائے تو کیا پھر اس حد تک داڑھی رکھنے کے عمل کو مسنون قرار دیا جاسکتا ہے؟

ہمارے نزدیک قطعاً نہیں۔ اس موقف کے حاملین بھی اس سے عموماً مشت سے زائد داڑھی کٹانے کا جواز ہی کشید کرتے ہیں، درجۂ سنّیت تک نہیں پہنچاتے (اور جواز کا فتویٰ بھی حکمِ تکلیفی کی ایک قسم ہے جو شرعی دلیل کے بغیر ممکن نہیں، اور صحابی کا قول یا عمل جو مرفوع حدیث کے حکم میں نہ ہو بلکہ اس کا ذاتی رجحان ہو اور حدیث مرفوع کے بظاہر خلاف ہو تو وہ شرعی دلیل نہیں بن سکتا)، اس لیے اگر کوئی اس درجے کی داڑھی کو مسنون قرار دے تو اسے اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور مزید تحقیق سے کام لینا چاہیے۔

تنبیہ:

اکثر لوگ بعض ضعیف روایات کی بنا پر اسے سنتِ رسول سمجھتے ہیں، ایسے لوگ ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ بات صرف ان کی ہے جو صرف ان چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور بعض تابعینِ عظام کے قول و عمل کی بنا پر مذکورہ جواز مہیا کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیق:

اس حوالے سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحقیق و ترجیح ملاحظہ فرمایئے، لکھتے ہیں:

"وأما الأخذ من اللحية فليس في السنة النبوية شيء من ذلك، فلا يجوز تسميته ذلك بالسنة"

"داڑھی کے کترانے (یا کاٹنے) کا سنت سے کچھ ثبوت نہیں ملتا، لہٰذا داڑھی کترانے (اور اس کی تراش خراش) کو سنت کا نام دینا جائز نہیں۔"

ایک اور قرینہ:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کے زیرِ بحث عمل کے اجتہاد پر مبنی ہونے کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اِعفاء کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کو بیان کرنے والے راوی ہیں:

"وكان هذا عنده الإعفاء"[2]

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲۱/ ۱۲۰.

[2] کتاب الترجل، ص: ۱۱.

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا اِعفاء ہی تھا۔''

امام احمد رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی مترشح ہوا کہ مذکورہ عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ذاتی رجحان ہی تھا، انھوں نے اس کی کوئی حدیث پیش نہیں کی، کیونکہ اِعفاء، اِیفاء وغیرہ کے قرآنی و حدیثی اور لغوی استعمالات کی روشنی میں مذکورہ عمل کی تائید نہیں ہوتی۔

تابعینِ عظام اور مسئلہ داڑھی:

فہم سلف کے حوالے سے ذہن میں رہے کہ ان کا مجموعی فہم قابلِ حجت ہے، جزوی فہم نہیں، خصوصاً جبکہ ان کا باہم اختلاف بھی ہو، اختلاف کی صورت میں انھی اسلاف کا رجحان یا عمل یا نظریہ قابلِ قبول ہوگا، جن کی سنت سے موافقت ہو۔ اجتہاد، یا نص کی عدم معرفت یا بعض دیگر وجوہات کی بنا پر اگر ان کا کوئی عمل یا فیصلہ سنت کے متضاد یا اس کے موافق نہ ہوگا تو وہ کیسے قابل قبول ہوسکتا ہے؟ درحقیقت واجب الاتباع تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ وہی صاحب شریعت ہیں، نہ کہ تابعین رحمہم اللہ، اس لیے صرف سلف کا مجموعی اور اتفاقی فہم ہی ہمارے لیے حجت ہے۔ اختلاف یا نصوص سے تصادم کی صورت میں حجت نہیں ہوگا، جیسا کہ زیرِ بحث مسئلے میں ہے۔

چونکہ مشت سے زائد داڑھی کٹانے کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور یہ اختلاف ہر دور میں رہا ہے۔ جیسا کہ متقدمین و متاخرین علماء و محدثین اور فقہاء کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے، اس لیے اس قسم کے فہم کو سنت کے مقابلے میں زبردستی نہ ٹھونسا جائے۔ کیونکہ ہمیں اس عمل کی مشروعیت کے لیے بسند صحیح ایک بھی مرفوع حدیث معلوم نہیں ہوسکی۔ متعدد وجوہات میں سے ان کے اس عمل کی

بنیاد اور وجہِ جواز کی ایک دلیل صحابہ کا مذکورہ عمل ہے۔ اور ہم بیان کر آئے ہیں کہ ان کا یہ عمل اپنی رائے پر مبنی تھا جس کی وجہ سے داڑھی کو اپنی طبعی حالت پر برقرار رکھنے کے احکام والی احادیث کی مخالفت لازم آتی ہے، اس لیے ہمارے نزدیک مشت سے زائد داڑھی کٹانے کا یہ عمل خلافِ سنت ہے۔ اگر اس مسئلے میں کسی قسم کے اجماع یا امت کے اتفاق یا سلف کے مجموعی اور کلی فہم اور عمل کی بات ہوتی تو ہم مذکورہ موقف ذکر کرنے کی قطعاً جسارت نہ کرتے۔

المختصر داڑھی کو اس کی طبعی اور اصلی حالت پر برقرار رکھنا واجب ہے۔ مشت سے زائد یا اس سے کم زیادہ داڑھی کاٹنا شرعاً فرامین رسول کی روشنی میں ناجائز اور معصیت ہے۔ جہاں تک بعض صحابہ کرام یا امت کے کچھ اسلاف کے عمل کی بات ہے تو سر آنکھوں پہ، لیکن چونکہ ان کے اس عمل کی بنیاد سنت پر نہیں اس لیے وہ ہمارے لیے حجت نہیں، اگرچہ وہ اپنے اس اجتہاد کی بنیاد پر عنداللہ ماجور اور سرخرو ہوں گے۔ وباللہ التوفیق و لا حول ولا قوۃ إلا باللہ۔

الشیخ محمد رفیق طاہر حفظہ اللہ (مدرس: جامعہ محمدیہ، گوجرانوالہ):

دین کیا ہے؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مکمل دین نازل فرما دیا ہے:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدۃ: ۳]

”آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پہ اپنی نعمت تمام کر دی ہے اور میں نے تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا ہے۔“

اور اہلِ اسلام کو اللہ تبارک وتعالی نے اسی نازل شدہ دین کی اتباع کا حکم دیا ہے اور غیر نازل شدہ کو دین سمجھنے یا دین قرار دے کر اس کی اتباع کرنے سے منع فرمایا ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [الأعراف: ٣]

”جو کچھ تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دیگر اولیاء کی پیروی نہ کرو، تم بہت کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔“

مآخذ شریعت کیا ہیں؟

اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ دین وحیِ الٰہی محصور و مقصور ہے۔ وحیِ الٰہی یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے سوا کچھ بھی دین نہیں ہے۔ تمام تر شرعی احکامات وحیِ الٰہی سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلف و خلف میں سے جس نے بھی مسائل شریعت اخذ کرنے کے اصول پہ کوئی چھوٹی یا بڑی کتاب تصنیف کی ہے شریعت کے مصادر اصلیہ میں صرف دو ہی چیزیں ذکر کیں یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ۔ کچھ نے بر سبیل اجماع کو بھی ایک تنزل ذیلی ماخذ کے طور پہ ذکر کیا ہے۔ لیکن انھوں نے اجماع کی یوں تعریف کی ہے کہ وہ کتاب وسنت سے مستنبط کسی مسئلے پر تمام تر فقہائے امت کا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اتفاق ہے۔ یعنی اس میں بھی اصل کتاب وسنت ہی ہے جس سے مسئلہ اخذ کیا جائے گا۔ ایسا نہیں کہ کوئی مسئلہ گھڑ لیا جائے، جس کی اصل نہ کتاب میں ہو نہ سنت میں اور پھر اس پہ اتفاق ہو جائے گا اور اسے

اجماع قرار دے لیا جائے۔

پھر کچھ لوگ اختلاف پہ عدمِ اطلاع کو بنیاد بنا کر اجماع کا دعوی کر بیٹھتے ہیں جو کہ دعوی بلا دلیل ہے۔ اور کچھ ایسے بھی ہیں، جنھوں نے ایک چوتھا ماخذ بھی گنوایا ہے جسے قیاس کہا جاتا ہے۔ لیکن وہ بھی جب اس کی شرح و تفصیل میں اترتے ہیں تو صحت قیاس کے لیے وحیِ الٰہی سے ہی مقیس علیہ تلاش کرتے ہیں اور پھر مقیس و مقیس علیہ کے مابین علت مشترکہ بدیہیہ یا منصوصہ تلاش کر کے قیاس کیا جاتا ہے۔ جبکہ باقی اہلِ علم قیاس کو مآخذ شریعت نہیں، بلکہ مآخذ شریعت سے استنباط کا ایک اصول قرار دیتے ہیں۔

الغرض اجماع ہو یا قیاس دونوں ہی وحیِ الٰہی یعنی کتاب و سنت کے محتاج ہیں، اور وحی کی بنیاد کے بنا ان کی کوئی وقعت و حیثیت نہیں۔ نتیجہ وہی نکلا کہ شریعت میں مأخذ و حجت صرف اور صرف وحیِ الٰہی ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ صرف وحی الٰہی کے ماخذ شریعت ہونے اور غیر وحی کے حجت نہ ہونے پہ امت کا اجماع و اتفاق ہے تو غلط نہ ہوگا۔ کیونکہ تمام علمائے امت نے اصولِ فقہ میں صرف اور صرف وحی کو ہی ماخذ شریعت یا حجت قرار دیا ہے۔ اگر وہ وحی کے سوا کسی اور شے کو بھی ماخذ مانتے ہوتے تو اصول فقہ کی کتب تصنیف کرتے ہوئے اس کا ذکر ضرور فرماتے، کیونکہ "تأخير البيان عن وقت الحاجة لا يجوز" اور پھر کوئی یہ بھی نہ سمجھے کہ کتاب وسنت کے سوا اصول فقہ کو حجت مان لیا گیا ہے۔ کیونکہ اصول فقہ یعنی کتاب وسنت سے مسائل استنباط کرنے کے ہوں یا احادیث و آثار کی صحت و سُقم کو پرکھنے کے سبھی وحیِ الٰہی سے مأخوذ ہیں۔

ہم وہ اصول بھی نہیں مانتے جس کی دلیل کتاب وسنت میں موجود نہ ہو۔

اور اگر اہل الحدیث کسی بھی اصولِ فقہ یا اصولِ حدیث کو اپناتے ہیں اور اس کی دلیل کسی کو معلوم نہیں تو وہ اہل الحدیث والسنہ سے ان کے اس اصول کی دلیل طلب کرسکتا ہے، اسے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا جائے گا۔ إن شاء اللہ.

استنباطِ احکام میں سلف کا منہج:

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ کا حل قرآن وحدیث سے نہ ملے تو کیا کیا جائے؟ پھر آثار صحابہ وتابعین کی ضرورت پڑے گی۔ ہم ان سے بھی یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ قیامت تک پیش آنے والے مسائل میں سے کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے، جس کا حل اللہ نے اپنی وحی میں نازل نہ کیا ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی مسئلہ کا حل نص کی عبارت میں ہوتا ہے تو کسی کا نص کے اشارہ یا اقتضاء یا دلالت میں۔ کوئی حل سبھی کو بآسانی نظر اور سمجھ آجاتا ہے اور کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو ہر کسی کو سمجھ نہیں آتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اصول سمجھا دیا ہے۔

﴿ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴾ [النحل: ٤٣]

''اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو۔''

یعنی اگر کسی مسئلہ کا حل کسی کو وحیِ الٰہی سے نہیں ملتا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسکا حل اللہ نے نازل نہیں فرمایا، بلکہ اللہ رب العالمین نے اس کا حل ضرور نازل فرمایا ہے۔ ہاں کسی کو نہیں ملتا تو وہ اس سے پوچھ لے جسے مل گیا ہے۔ دیگر اہلِ علم سے سوال کرے تاآنکہ اسے اس مسئلے کے حل کے لیے وحیِ الٰہی سے دلیل مل جائے: ﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِى عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴾

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مسائل کا حل اپنی رائے اور سوچ سے نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب وسنت سے مسئلہ کا حل استنباط کرتے اور اگر انھیں نہ ملتا تو وہ دیگر

اصحاب سے پوچھتے اور مسئلہ کو حل فرماتے۔ اور نبی مکرم ﷺ کی حیات طیبہ میں وہ آپ ﷺ سے استفسار فرماتے اور انھیں اس مسئلے کا حل مل جاتا۔

اور خود نبی مکرم ﷺ کے سامنے جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ سابقہ نازل شدہ وحی سے استدلال کر کے اس مسئلے کا حل بیان فرما دیتے۔ پھر اگر حل مکمل درست ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے برقرار رکھتے، اور اگر کوئی کمی رہ جاتی تو اس کی جلد ہی اصلاح کر لی جاتی، جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے:

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنبَرِ، فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قَاتَلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ، أَيُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنِّي سَيِّئَاتِي؟ قَالَ: نَعَمْ ثُمَّ سَكَتَ سَاعَةً، قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ آنِفًا؟ فَقَالَ الرَّجُلُ: هَا أَنَا ذَا، قَالَ: مَا قُلْتَ؟ قَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا مُقْبِلًا غَيْرَ مُدْبِرٍ، أَيُكَفِّرُ اللّٰهُ عَنِّي سَيِّئَاتِي؟ قَالَ: نَعَمْ، إِلَّا الدَّيْنَ، سَارَّنِي بِهِ جِبْرِيلُ آنِفًا"[1]

"سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ ﷺ منبر پہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے وہ عرض کرنے لگا: آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں صبر کے ساتھ اجر کی نیت رکھ کر آگے بڑھ کے لڑوں اور پیٹھ نہ پھیروں تو کیا اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف فرما دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! پھر کچھ ہی دیر گزری تو آپ ﷺ نے پوچھا: ابھی ابھی جس نے سوال کیا تھا وہ کہاں ہے؟ وہ شخص کہنے لگا: میں یہاں ہوں۔

[1] سنن النسائي، (ح: ٣١٥٥)

آپ ﷺ نے پوچھا: تو نے کیا کہا تھا: اس نے عرض کیا: آپکا کیا خیال ہے کہ اگر میں اللہ کے راستہ میں صبر کے ساتھ اجر کی نیت رکھ کر آگے بڑھ کے لڑوں اور پیٹھ نہ پھیروں تو کیا اللہ تعالی میرے گناہ معاف فرما دے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! مگر قرض (نہیں معاف ہوگا) ابھی ابھی مجھے جبریل علیہ السلام نے یہ بات بتائی ہے۔''

یعنی اگر کبھی رسول اللہ ﷺ سے مسئلہ بتانے میں کوئی کمی رہ جاتی تو اللہ تعالیٰ فوراً ہی دور فرما دیتے۔ اور درست فیصلہ کو برقرار رکھا جاتا جس سے اسے بھی تقریباً وحی ہونے کا درجہ مل جاتا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ آپ سے کسی نے مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ کے پاس اس مسئلہ کا حل موجود نہ تھا تو آپ نے توقف فرمایا: یا پھر مسئلہ کے حل سے معذرت کر لی اور اللہ تعالی نے وحی نازل فرما کر اس مسئلہ کا حل پیش کر دیا۔ سورۃ المجادلہ کی ابتدائی آیات اوران کا شان نزول اسی کی ایک بہترین مثال ہے۔

اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت نبی مکرم ﷺ سے مسئلہ حل کرنے میں سہو بھی ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی ازالہ فرما دیا۔ سورہ تحریم کی ابتدائی آیات سورہ عبس کا مطلع اور ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ [التوبة: ٤٣] وغیرہ اس کی واضح مثالیں ہیں۔

قصہ مختصر کہ پیش آمدہ مسئلے کا حل نکالنے کے لیے نبی مکرم ﷺ کا منہج وحیِ الٰہی سے استنباط کرنا یا وحی کے اترنے کا انتظار کرنا تھا۔ آپ ﷺ بحیثیت مجتہد سابقہ نازل شدہ وحی سے استنباط و استخراج مسائل بھی کرتے اور کبھی وحی کے آنے کا انتظار بھی، اور آپ کے اجتہادات میں خطأ وصواب دونوں موجود

تھے۔ جو بہر صورت آپ ﷺ کے لیے باعث اجر ہی رہے۔

اور اخذ شریعت کا یہی نبوی منہج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنایا اور اپنے مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرتے رہے۔ وحیِ الٰہی سے استنباط و استخراج کرتے، اہل ذکر سے استفسار کرتے، اور کبھی "لا أعلم" یا "لا أدری" کہہ کر اپنی لاعلمی کا اظہار فرماتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد اسی نبوی منہج کو ان کے شاگردوں یعنی تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین وائمہ دین نے اپنایا۔ اور اپنے بعد میں آنے والوں کی سہولت وآسانی کے لیے استنباط واستخراج مسائل کے وہ قوانین جنھیں براہِ راست کتاب وسنت سے اخذ کرنے کے لیے دقت فہم کی ضرورت تھی۔ آسان لفظوں میں اور تشریح وتوضیح کے ساتھ سمجھا دیے، تاکہ آنے والی نسلوں کو وحیِ الٰہی سے مسائل اخذ کرنے میں دشواری کا سامنا نہ ہو۔

منہج سلف کے نام پہ جعل سازی:

لیکن آج کل سلفیوں میں بھی تقلیدی نظریات کے حامل لوگ کچھ بڑھتے ہی جا رہے ہیں جو منہج سلف کا نام لے کر سلف کی تقلید کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر وبیشتر فہم سلف اور منہج سلف کے درمیان فرق پہچاننے سے بھی قاصر ہیں۔ آلِ تقلید کے چنگل میں ایسے پھنسے ہیں کہ ان کی ملمع سازی کو یہ سمجھ نہ سکے اور فتنہ تقلید کا شکار ہوگئے۔ حالانکہ یہ وہی تقلید ہے، جس کی مذمت میں سلف کی کتب بھری پڑی ہیں۔ ان نوخیز اہلِ علم کی تمہید یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چونکہ براہِ راست نبی مکرم ﷺ سے دین اخذ کیا تھا، لہٰذا وہ ہم سے زیادہ دین سمجھنے والے ہیں، اور چونکہ وہ ہم سے زیادہ دین سمجھنے والے ہیں، لہٰذا وہ غلطی نہیں کرسکتے، اور اسی بنا پر ان کے اقوال وافعال کی

دین میں بڑی اہمیت وحیثیت ہے۔ اور اس حیثیت کو اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ وحیِ الٰہی کے مقابل لا کھڑا کرتے ہیں۔ وحی کے مطلق کو موقوفات کی بنا پر مقید مانتے ہیں اور وحیِ الٰہی کے عام کی سلف کے افعال واقوال سے تخصیص کرتے ہیں۔

وحیِ الٰہی اور منہج صحابہ وسلف صالحین:

جبکہ وحی کے مطلق کو غیر وحی مقید نہیں کرسکتی اور نہ ہی وحی کے عام کی تخصیص وحی کے سوا کسی کو کرنے کی اجازت ہے۔ وحی اللہ کا حکم ہے جسے خالق نے مطلق رکھا، اسے مخلوق میں سے کوئی بھی مقید نہیں کرسکتا، نہ ہی اللہ کے عام قرار دیے ہوئے فیصلہ کو کوئی انسان خاص کرسکتا ہے۔ یہی نظریہ ومنہج صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی تھا۔ اسی لیے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے جب حج تمتع سے منع کیا تو انہی کے فرزند ارجمند سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہتے ہوئے اپنے والد گرامی کا فیصلہ رد کر دیا کہ:

"ءَ أَمْرَ أَبِي نَتَّبِعُ؟ أَمْ أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟"[1]

"کیا میرے والد گرامی کی بات کی ہم پیروی کریں گے یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی؟"

اور سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں زوراء کے بازار میں جمعہ کی نئی اذان شروع کروائی تو اسے:

"اَلْأَذَانُ الْأَوَّلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِدْعَةٌ"[2]

"جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔"

کہہ کر رد فرما دیا۔ اپنے سے پہلے اسلام لانے والے اسلاف کے غلط

[1] جامع الترمذي، (ح: ٨٢٤)

[2] مصنف ابن أبي شيبة، (ح: ٥٤٣٧)

اجتہادات کو رد کرتے ہوئے ان کی جلالتِ شان کو خاطر میں نہ لائے، کیونکہ یہ معاملہ دین کا ہے اور دین میں کسی متقدم یا متاخر کو حک واضافہ کی اجازت نہیں ہے۔ اور وحیِ الٰہی سے اخذ و اجتہاد اور استنباط و استخراج کا جتنا حق متقدمین کو ہے اتنا ہی متاخرین کو بھی ہے۔ بنا بر دلیل سلف کی بات کو مانا جائے گا اور دلیل کی بنا پر رد بھی کیا جائے گا۔ یہی منہج وطریق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد والوں نے بھی اپنایا کہ دین کو وہیں سے لیا جہاں سے اصحابِ رسول نے لیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کو مصدر شریعت نہیں قرار دیا۔ بلکہ امام مالک رحمہ اللہ تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرکے واضح الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:

"كُلٌّ يُؤْخَذُ قَوْلُهُ وَيُرَدُّ إِلَّا صَاحِبَ هَذَا الْقَبْرِ"

"ہر شخص کی بات مانی بھی جا سکتی ہے اور رد بھی کی جا سکتی ہے، لیکن اس قبر والے کی بات (مانی ہی جائے گی رد نہیں کی جا سکتی)۔"

لیکن آلِ تقلید کی روش ہے کہ وہ نبی کو اللہ کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں اور اصحابِ رسول کو نبی کا درجہ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سے مقصود اپنے ائمہ کی تقلید کے لیے راہ ہموار کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ یہ ایسی حقیقت ہے جسے تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی رفعت و شان کے باوجود شارع نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی عام حکم کو خاص کرنے یا کسی مطلق حکم کو مقید کرنے کا اختیار ان کے پاس نہیں، کیونکہ وہ بھی امتی ہی ہیں۔

صحابہ کرام معصوم عن الخطأ نہیں:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی جلالت شان کے باوجود انسان ہی تھے اور غلطیوں سے مبرا نہیں تھے۔ ان سے بھی کوتاہی ہو جاتی تھی۔ ہاں ان کی رفعت وعظمت

بارگاہِ الٰہی میں اتنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ پیشگی ہی معاف فرما دیے تھے اور اعلان فرما دیا تھا:

﴿ وَ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ﴾ [آل عمران: ١٥٢]

''اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمھیں معاف فرما دیا ہے۔''

اور ان سے رضا مندی کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ﴾ [التوبة: ١٠٠]

''اور مہاجرین و انصار میں سے پہلے سبقت لے جانے والے اور وہ بھی جنھوں نے خوش دلی سے ان کی پیروی کی اللہ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔''

اور پھر ان میں سے جو اصحاب بدر تھے ان کے بارہ میں تو خصوصی خوش خبری ملی کہ اللہ نے ان کی طرف جھانک کر دیکھا ہے اور فرمایا ہے:

«اِعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ» [1]

''تم جو بھی عمل کر لو، میں نے تمھیں بخش دیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بخشش و معافی کا اعلان کرنا یہ واضح کرتا ہے کہ وہ معصوم عن الخطأ نہیں تھے بلکہ ان سے غلطیاں ہو جاتی تھیں۔ اور صحابی کی شان غلطیاں نہ کرنا نہیں بلکہ صحابی کی شان اس کی غلطیوں کے معاف شدہ ہونے میں ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غلطیوں سے مبرا قرار دینا یا یہ عقیدہ رکھنا کہ ان سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی، ان کی توہین و گستاخی ہے۔ اور کتنی ہی ایسی

[1] صحيح البخاري، (ح: ٣٠٠٧)

احادیث ہیں، جن میں ملتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہتان، زنا، شراب نوشی کی سزا دی گئی اور خود نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان پہ حد جاری کروانے والے تھے۔ یہ سب صحیح احادیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدم معصومیت پہ دلالت کناں ہیں۔

وحیِ الٰہی اور عملِ صحابہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی شخص جب ایک روایت بیان کرے اور اس حدیث کے خلاف ان کا اپنا عمل ہو تو ایسی صورت میں کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حدیث کے راوی نے جو عمل کیا ہے وہی اس حدیث کا صحیح فہم ہے۔ جبکہ ایسا نہیں، کیونکہ فہم نص الگ شے ہے اور عمل الگ شے ہے۔ اگر اسی قاعدہ کو درست مان لیا جائے کہ حدیث کے راوی کے قول و عمل کو بلا دلیل ہی اس روایت کا فہم مان لیا جائے، جیسا کہ داڑھی والے مسئلہ میں کیا جاتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما داڑھی بڑھانے کے حکم نبوی والی روایت کے راوی ہیں۔ اور ان سے داڑھی کاٹنا ثابت ہے، لہٰذا داڑھی بڑھانے کا مطلب اس حد تک بڑھانا ہے، تو اس سے بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں۔ مثلاً

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حج کے ساتھ عمرہ کرنے یعنی حج تمتع کرنے والی حدیث کے راوی ہیں اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انھوں نے حج کیا، وہ حج تمتع کے عینی شاہد بھی ہیں۔ اس سب کچھ کے باوجود انھوں نے حج تمتع کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ تو کیا یہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حج تمتع سے منع کرنے کو حج تمتع کرنے کے جواز والی مرفوع روایات کے لیے قرینہ قرار دیا جائے گا؟ یا اسے راویِ حدیث کا فہم قرار دے کر حج تمتع کے منسوخ ہونے کا دعوی کیا جائے گا؟

حاشا و کلا......!!

شاید کوئی کہنے والا کہے کہ انھوں نے تو رجوع کر لیا تھا، لیکن بالفرض اگر انھوں نے رجوع کر بھی لیا تو جب تک انھوں نے رجوع نہیں کیا ایک آدھ سال یا ایک دو ماہ یا ایک دن ہی سہی، اتنی دیر تک ان کے اس فرمان شاہی کو شرف صحابیت کے باوصف، عشرہ مبشرہ بالجنہ میں شامل ہونے کے باوجود، دوسرے خلیفہ راشد ہوتے ہوئے بھی حجت و دلیل تسلیم نہیں کیا گیا، اور تو کسی نے کیا ماننا تھا ان کے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ہی ان کے فرمان کو رد فرما دیا۔[1]

انھوں نے یہ نہیں کہا کہ میرے والد گرامی سابقون الأولون میں شامل ہیں انھوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ وقت گزارا ہے یہ ان کا فہم ہے اور ہم ان کے فہم کے مطابق نبی کی بات کو سمجھیں گے بلکہ فوراً ہی ان کے غلط فیصلہ کی تردید فرما دی۔

اسی طرح ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مسئلہ رضاعت میں مروی حدیث:

«إِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ»[2]

''رضاعی رشتہ بھوک کی وجہ سے دودھ پینے پر قائم ہوتا ہے۔''

کی راویہ ہیں۔ جو اس بارہ میں واضح ہے کہ بچہ جب اس عمر میں دودھ پیئے جس عمر میں دودھ سے اس کی بھوک مٹ جاتی ہے یعنی مدت رضاعت میں تو پھر رضاعی رشتہ ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی دودھ پیئے تو رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ لیکن ان کا اپنا فتوی تھا کہ بڑی عمر کا بالغ شخص بھی اگر کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ اس عورت کا رضاعی بیٹا بن جائے گا۔[3]

---

1. جامع الترمذي، (ح: ٨٢٤)
2. صحيح البخاري، (ح: ٢٦٤٧)
3. سنن أبي داود، (ح: ٢٠٦١)

تو کیا یہاں بھی یہ کہا جائے گا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی روایت کو زیادہ سمجھتی تھیں اور رضاعتِ کبیر کے بارہ میں ان کا فتوی اس مرفوع روایت کا ان کا فہم ہے؟

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"مُطِرْنَا بَرَدًا وَأَبُو طَلْحَةَ صَائِمٌ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُ، قِيلَ لَه: أَتَأْكُلُ وَأَنْتَ صَائِمٌ؟ قَالَ: إِنَّمَا هَذَا بَرَكَةٌ"[1]

"ایک مرتبہ اولے پڑے، سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے روزہ رکھا ہوا تھا، وہ روزے کے باوجود اولے کھانے لگ گئے۔ کسی نے کہا آپ روزہ کی حالت میں یہ کھا رہے ہیں؟ فرمانے لگے یہ تو برکت ہے۔"

کیا اس سے روزہ دار کے لیے اولے کھانے کا جواز کشید کرنا درست ہوگا؟ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا فعل ہے، اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں ہے اور انس رضی اللہ عنہ سمیت کسی بھی صحابی سے سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے اس عمل پہ نکیر بھی ثابت نہیں ہے۔ پھر امام طحاوی نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی توجیہ بھی جید سند سے نقل کی ہے کہ وہ فرماتے تھے:

"لَيْسَ هُوَ بِطَعَامٍ وَلَا بِشَرَابٍ"[2] "نہ تو یہ کھانا ہے اور نہ ہی مشروب۔"

تو کیا ہم -یاروں- کی طرح اسے اجماع سکوتی کہہ کر روزہ دار کے لیے اولے کھانے کا فتوی صادر کر دیں؟ اور کہیں کہ قرآن میں روزہ دار کو کھانے پینے سے منع کیا گیا ہے اور ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے فہم کے مطابق جس پہ کسی صحابی نے تنقید نہیں فرمائی، برف کھانے کو استثناء حاصل ہے۔ بلکہ ہر وہ چیز جو معروف طور پہ مشروب یا طعام نہیں نگلی جاسکتی ہے۔ حاشا وکلا......!!!

[1] مسند أحمد، (ح:١٣٩٧١) وسنده صحيح.

[2] شرح مشكل الآثار، ٥/ ١١٥.

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج سے مناظرہ اور فہمِ صحابہ:

کچھ لوگ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے خوارج سے مناظرہ کو دلیل بناتے ہیں کہ انھوں نے خوارج سے کہا تھا۔

میں مہاجرین وانصار اور دامادِ رسول کی طرف سے آیا ہوں اور تمھیں اصحابِ رسول کے بارے میں بتانے آیا ہوں (کہ وہ کیسی عظیم ہستیاں ہیں کہ)ان کی موجودگی میں وحی نازل ہوئی، انھی کے بارے میں ہوئی اور وہ اس کی تفسیر کو تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ (تم میں ان میں سے کوئی نہیں ہے۔ میں تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں تاکہ ان کا پیغام تم تک پہنچاؤں اور تمھارا پیغام ان تک پہنچاؤں۔)

اور چونکہ انھوں نے صحابہ کی ان کے علاوہ پہ فوقیت بیان کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کا فہم حجت و دلیل ہے۔

جبکہ ایسا نہیں! کیوں کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خوارج کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی افضلیت و فوقیت ضرور بتائی، لیکن یہ نہیں کہا، چونکہ وہ تم سے افضل واشرف ہیں، لہٰذا ان کی بات ماننا تم پہ واجب ہے۔ بلکہ خوارج کی تاویلات اور اشکالات کا جواب وحی الٰہی سے ہی دیا۔ ملاحظہ فرمائیں:

میں نے پوچھا: بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد، داماد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے اسلام لانے والے پر تمھیں کیا اعتراض ہے؟ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ انھی کے ساتھ ہیں۔

کہنے لگے: ہمارے ان پر تین اعتراض ہیں۔ میں نے کہا: بتاؤ کون کون سے ہیں؟ کہنے لگے: انھوں نے دین کے معاملے میں انسانوں کو ثالث مانا،

حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ﴾ [الأنعام: ٥٧] ''حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے۔''

اللہ کے اس فرمان کے بعد لوگوں کا فیصلہ سے کیا تعلق؟! میں نے پوچھا: اور کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا: انھوں نے لڑائی کی اور قتل کیا لیکن نہ کسی کو قیدی بنایا، نہ ہی مالِ غنیمت حاصل کیا۔ اگر مخالفین کفار تھے تو انھیں قید کرنا اور ان کا مال لوٹنا حلال تھا۔ اور اگر وہ مومن تھے تو ان سے لڑنا ہی حرام تھا۔

میں نے پوچھا: اور کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا: آپ نے آپ کو امیر المومنین کہلوانے سے روک دیا۔ اگر وہ مومنوں کے امیر نہیں ہیں تو پھر لا محالہ کافروں کے امیر ہیں۔ میں نے کہا: اچھا، یہ بتاؤ کہ اگر میں تمھارے سامنے قرآن کریم کی کوئی محکم آیت پڑھوں یا نبی کریم ﷺ کی سنت تمھیں بتاؤں، جس کا تم انکار نہ کرسکو، تو اپنے موقف سے رجوع کرلو گے؟ کہنے لگے: کیوں نہیں!

میں نے کہا: جہاں تک تمھارے پہلے اعتراض کا تعلق ہے کہ دین کے معاملے میں لوگوں کو ثالث مانا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ وَ مَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ [المائدۃ: ٩٥]

''اے ایمان والو! تم حالت احرام میں شکار نہ مارو۔ اور جس نے جان بوجھ کر شکار مارا تو اس کا بدلہ مویشیوں میں سے اسی شکار کے ہم پلہ جانور ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل آدمی کریں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ﴾ [النساء: ۳۵]

''اور اگر تمھیں زوجین کے باہمی تعلقات بگڑ جانے کا خدشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے خاندان سے اور ایک عورت کے خاندان سے مقرر کرلو۔''

میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، بتاؤ! لوگوں کی جانیں بچانے اور ان کی آپس میں صلح کے وقت لوگوں کے فیصلے کی زیادہ ضرورت ہے یا چوتھائی درہم کی قیمت رکھنے والے خرگوش کی ......؟

کہنے لگے: یقیناً لوگوں کی جانوں کو بچانے اور آپس میں صلح کروانے میں (زیادہ ضرورت) ہے۔ میں نے پوچھا: پہلے اعتراض کا تسلی بخش جواب مل گیا؟ کہنے لگے: بے شک۔

میں نے کہا: جہاں تک تمھارے دوسرے اعتراض کا تعلق ہے کہ مخالفین سے لڑائی تو کی لیکن نہ قیدی بنایا، نہ مال غنیمت حاصل کیا۔ تو بتاؤ! کیا اپنی والدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو قیدی بنانا پسند کرتے ہو؟ کیا اسے بھی ایسے ہی لونڈی بنا کر رکھنا جائز سمجھتے ہو، جیسے دوسری لونڈیوں کو؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو تم کافر ہو۔ اور اگر یہ سمجھتے ہو کہ وہ مومنوں کی ماں نہیں ہے تو تب بھی تم کافر ہو اور دائرہ اسلام سے خارج ہو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ﴾

[سورة الأحزاب: ٦]

''بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے لیے ان کی اپنی ذات سے بھی

مقدم ہیں اور آپ ﷺ کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔''

اب تم دو گمراہیوں کے درمیان لٹکے ہوئے ہو۔ جس کو چاہو، اختیار کر لو۔ تم لوگ گمراہی کے گہرے غار میں دھنس چکے ہو۔ تمھارا یہ اعتراض بھی ختم ہوا؟ وہ کہنے لگے: جی ہاں!

میں نے کہا: جہاں تک تمھارے اس اعتراض کا تعلق ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نام کے ساتھ امیر المومنین نہیں لکھوایا تو رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر قریش سے اس بات پر صلح کی کہ ان کے درمیان ایک معاہدہ تحریر ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لکھو: یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔ وہ کہنے لگے: اگر ہم یہ مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو کبھی بھی آپ کو بیت اللہ سے روکتے، نہ آپ سے لڑائی کرتے۔ لہٰذا محمد بن عبد اللہ لکھوائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یقیناً میں اللہ کا سچا رسول ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاتے ہو، لیکن خیر، علی! محمد بن عبداللہ لکھو۔

تو رسول اللہ ﷺ علی رضی اللہ عنہ سے بدرجہا بہتر ہیں۔ یہ اعتراض بھی ختم ہوا؟ کہنے لگے: جی ہاں۔ یہ گفتگو سن کر بیس ہزار خارجیوں نے اپنے موقف سے رجوع کر لیا اور باقی چار ہزار رہ گئے جو قتل کر دیے گئے۔[1]

اس قصے میں کتنا واضح ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کے ہر اعتراض کا جواب قرآن وسنت سے دیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے محض صحابی ہونے کی وجہ سے ان کی حمایت نہیں کی، بلکہ ان کے موقف پہ دلیل ہونے کی وجہ سے ان کا ساتھ دیا۔

---

[1] مصنف عبد الرزاق، (ح: ۱۸۶۷۸)

اسی طرح خوارج نے جب ان کو عمدہ لباس زیب تن کیے ہوئے دیکھا تو فوراً اعتراض جڑ دیا۔ اس پر سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں دندانِ شکن جواب دیتے ہوئے فرمایا: اس سوٹ کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کر رہے ہو؟ حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو تو اس سے بھی اچھے سوٹ پہنے دیکھا ہے۔

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ [الأعراف: ٣٢]

''آپ ان سے پوچھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو زینت اور کھانے کی پاکیزہ چیزیں پیدا کی ہیں، انھیں کس نے حرام کر دیا؟''[1]

یعنی یہ آیت مباح زینت کی حِلّت بتانے کے لیے نازل ہوئی ہے تو کیسے تم اس کی مخالفت کرتے ہو اور اسے حرام ٹھہراتے ہو؟

الغرض مناظرہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فہم صحابہ کی حجیت پہ دلیل لینا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنے اس مناظرہ میں صرف اور صرف وحیِ الٰہی کو ہی حجت و دلیل بنایا ہے۔

کسی نص کے فہم اور فتوی میں فرق:

محدثین کے ہاں ایک متفقہ اصول چلتا ہے کہ کوئی ناقد محدث جس حدیث کو اپنے کسی موقف پہ بطور دلیل پیش کرے، وہ روایت اس کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ محدث کوئی فتوی دیتا ہے اور اسکا فتوی کسی

[1] المستدرك على الصحيحين، (ح: ٧٣٦٨)

ضعیف روایت کے موافق آ جاتا ہے۔فتوی دینے والے نے اپنے موقف پہ اس ضعیف روایت سے استدلال نہیں کیا ہوتا، بلکہ محض اتفاق ہی ہوتا ہے کہ جو بات اس نے کہی وہ کسی ضعیف روایت میں بھی موجود ہوتی ہے۔ایسے میں اس ناقد محدث کے موقف یا فتوی کی بنا پر اس ضعیف روایت کو جس کے موافق اس محدث کا موقف ہے اس ناقد کے نزدیک صحیح قرار دینا جائز نہیں ہوتا، کیوں کہ اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ اس نے یہ موقف کسی اور روایت یا آیت سے استدلال کر کے اپنایا ہو یہ الگ بات ہے کہ وہ استدلال صحیح ہے یا نہیں لیکن وہ اس ضعیف روایت کے موافق آ گیا۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و افعال کا معاملہ بھی ہے کہ کبھی کسی صحابی سے کوئی قول یا عمل ثابت ہوتا ہے اور ان کا وہ قول یا عمل کسی ضعیف روایت کے موافق آ جائے تو اس سے وہ ضعیف روایت صحیح نہیں بن جاتی۔ الا کہ صحابی اپنے اس قول یا عمل پہ اس روایت کو بطور دلیل پیش کرے۔

بعینہ کسی صحابی کا قول یا عمل اسی موضوع کی کسی روایت یا آیت کی تشریح و توضیح قرار نہیں پائے گا جب تک اس صحابی سے اس آیت یا روایت کو دلیل بنانا ثابت نہ ہو، کیونکہ عین ممکن ہے کہ صحابی نے وہ عمل کسی اور دلیل کے پیشِ نظر کیا ہو۔

بالکل یہی معاملہ اس داڑھی والے مسئلہ میں بھی ہے کہ صحابہ میں سے کسی نے ''وأعفوا'' کا معنی ایک مشت تک چھوڑنا نہیں کیا۔ بلکہ جنھوں نے کٹوانے کا عمل کیا انھوں نے ایک اور دلیل ''لیَقْضُوا تَفَثَهُمْ'' سے استدلال کیا کہ یہ بھی تفث میں شامل ہے۔ لہٰذا ان زائد بالوں کو بھی کاٹ دینا چاہیے۔ ان کا یہ استدلال درست نہیں تھا اس کی وضاحت ہم آگے چل کر کریں گے۔ إن شاء اللہ۔

مآخذ دین کے بارہ اس مختصر تمہید کے بعد اصل موضوع کی طرف چلتے ہیں کہ اسلام میں داڑھی کی مقدار کتنی ہے؟ اور اسے کاٹنے یا مونڈنے کا شرعی حکم کیا ہے۔ اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کا حکم کیا ہے؟

داڑھی بڑھانے کا حکم:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«انْهَكُوا الشَّوَارِبَ، وَأَعْفُوا اللِّحَى» [1]

"مونچھوں کو پست کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔"

یہی روایت بایں الفاظ بھی مروی ہے:

«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى» [2]

"مونچھوں کو خوب کاٹو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔"

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ» [3]

"مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو وافر کرو اور مونچھوں کو خوب کاٹو۔"

یہی روایت ان الفاظ سے بھی آئی ہے:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَوْفُوا اللِّحَى» [4]

"مشرکوں کی مخالفت کرو، مونچھوں کو خوب کاٹو اور داڑھیوں کو وافی بناؤ۔"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

1. صحيح البخاري، (ح: ٥٨٩٣)
2. صحيح مسلم، (ح: ٥٢٩)
3. صحيح البخاري، (ح: ٥٨٩٢)
4. صحيح مسلم، (ح: ٢٥٩)

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»[1]

''مونچھوں کو خوب رگڑ کر کاٹو اور داڑھیوں کو لٹکاؤ، اس طرح مجوسیوں کی مخالفت کرو۔''

ان تمام تر الفاظ: ''أعفوا، أرجوا، وفروا، أوفوا، أرخوا'' سے داڑھیوں کو مکمل کرنا، بڑھانا، لٹکانا، لمبا کرنا واضح ہوتا ہے۔ جو اس بات کے متقاضی ہیں کہ داڑھی کو اس کی اصل حالت پہ چھوڑ دیا جائے۔ ''وأعفوا'' کا معنی معاف کرنا بھی ہوتا ہے اور بڑھانا بھی، یہ دونوں معنی قرآن مجید اور لغت سے ثابت ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

سیدنا رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُولُ بِكَ بَعْدِي، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا، أَوْ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ، أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا صلی اللہ علیہ وسلم مِنْهُ بَرِيءٌ''[2]

''اے رویفع! شاید کہ زندگی تجھے میرے بعد لمبی مہلت دے، تو لوگوں کو خبردار کر دینا کہ جس نے اپنی داڑھی کو گرہ لگائی یا گلے میں دھاگہ ڈالا یا جانور کے گوبر یا ہڈی سے استنجاء کیا تو یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔''

اس روایت میں داڑھی کو گرہ لگانے سے ممانعت مذکور ہے جس سے داڑھی کی لمبائی واضح ہوتی ہے۔ کیونکہ مشت بھر داڑھی کو نہ تو گرہ آسانی سے لگتی ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، (ح: ۲٦۰) [2] سنن أبي داود، (ح: ۳٦)

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب داڑھی کو کاٹے بغیر، محض گرہ لگا کر چھوٹا کرنا سختی سے منع ہے تو اسے کاٹ کر چھوٹا کرنا کیونکر جائز ہوگا؟ ......فتدبر!!!

"واعفوا" کا معنی:

بعض الناس کا یہ زعم ہے کہ "وأعفوا اللحی" کا معنی: داڑھیوں کو معاف کردو، درست نہیں۔ بلکہ "وأعفوا" کا معنی صرف بڑھانا ہے۔ جبکہ ان کا یہ زعم باطل ہے۔ کیوں کہ اعفاء کا معنی بڑھوتری بھی ہوتا ہے اور معافی اور چھوڑ دینا بھی۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا فرمان ہے:

﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾

[البقرة: ۱۰۹]

"اہلِ کتاب میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد بھی کہ ان کے لیے حق واضح ہو چکا ہے اپنے دلوں کے حسد کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ تمھیں تمھارے ایمان کے بعد کفر کی حالت میں لوٹا دیں۔ سو انھیں معاف کریں اور درگزر کریں، حتی کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پہ خوب قادر ہے۔"

اگر اس آیت میں "فأعفوا" کا معنی بڑھانا کیا جائے، جیسا کہ بعض الناس کا خیال ہے تو نتیجہ کیا نکلے گا؟ غور فرمایئے!!!

اسی طرح اہلِ لغت نے بھی "إعفاء" کا یہ معنی نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وَفِيهِ أَنَّهُ أَمَرَ بِإِعْفَاءِ اللِّحَى هُوَ أَنْ يُوفِّرَ شَعَرُهَا وَلَا يُقَصَّ كَالشَّوَارِبِ، مِنْ عَفَا الشَّيْئُ إِذَا كَثُرَ وَزَادَ. يُقَالُ: أَعْفَيْتُهُ وَعَفَّيْتُهُ“[1]

”اسی معنی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے إعفاء لحیۃ کا حکم دیا۔ اور وہ اس کے بالوں کو بڑھانا اور مونچھوں کی طرح نہ کاٹنا ہے۔ یہ ”عفا الشیء“ سے ماخوذ ہے، جب کوئی شے بکثرت اور زیادہ ہو (تو یہ لفظ بولا جاتا ہے) اور ”أَعْفَيْتُهُ“ اور ”عَفَّيْتُهُ“ دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔“

علامہ ابن اثیر کی اس عبارت سے بھی واضح ہے کہ ”اعفائے لحیہ“ کا معنی ہے کہ اسے بڑھایا جائے کاٹا نہ جائے جس طرح مونچھیں کاٹی جاتی ہیں اور نہ کاٹنا معاف کرنے کے ہی معنی میں ہے۔

ابن فارس لکھتے ہیں:

”(عَفْو) الْعَيْنُ وَالْفَاءُ وَالْحَرْفُ الْمُعْتَلُّ أَصْلَانِ يَدُلُّ أَحَدُهُمَا عَلَى تَرْكِ الشَّيْءِ، وَالْآخَرُ عَلَى طَلَبِه. ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَيْهِ فُرُوعٌ كَثِيرَةٌ لَا تَتَفَاوَتُ فِي الْمَعْنَى. فَالْأَوَّلُ الْعَفْوُ عَفْوُ اللَّهِ تَعَالَى عَنْ خَلْقِهِ، وَذَلِكَ تَرْكُهُ إِيَّاهُمْ فَلَا يُعَاقِبُهُمْ، فَضْلًا مِنْهُ“[2]

””عفو“ عین فاء اور حرف معتل (واؤ) دو اصل ہیں ان میں سے ایک کسی چیز کو چھوڑنے پر دلالت کرتا ہے اور دوسرا (اصل) اس کی

[1] النهاية لابن أثير، ٣/ ٢٦٦

[2] مقاييس اللغة، ص: ٥٦.

طلب پر۔ پھر ان کی بہت سی فروعات ہیں جو معنی میں متفاوت نہیں۔ پہلا اصل ''عفو'' اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے عفو کرنا۔ اور وہ ہے انھیں چھوڑ دینا اور اپنے فضل کی بناء پر انھیں سزا نہ دینا۔

پھر مزید لکھتے ہیں:

''وَقَدْ يَكُونُ أَنْ يَعْفُوَ الْإِنْسَانُ عَنِ الشَّيْءِ بِمَعْنَى التَّرْكِ'' [1]

'' اور کبھی انسان کسی شے کو معاف کر دیتا ہے 'ترک' کے معنی میں ہے۔ (یعنی اسے چھوڑ دیتا ہے)۔''

پھر مزید لکھتے ہیں:

''وَقَالَ أَهْلُ اللُّغَةِ كُلُّهُمْ: يُقَالُ مِنَ الشَّعْرِ عَفَوْتُهُ وَعَفَيْتُهُ، مِثْلُ قَلَوْتُهُ وَقَلَيْتُهُ، وَعَفَا فَهُوَ عَافٍ، وَذَلِكَ إِذَا تَرَكْتَهُ حَتَّى يَكْثُرَ وَيَطُول.قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿حَتّٰى عَفَوْا﴾ [الأعراف: ٩٥]، أَيْ نَمَوْا وَكَثُرُوا .وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى مَا قُلْنَاهُ، أَنَّ أَصْلَ الْبَابِ فِي هَذَا الْوَجْهِ التَّرْكُ'' [2]

''تمام تر اہلِ لغت کا کہنا ہے کہ بالوں کے بارے میں ''عَفَوْتُهُ وَعَفَيْتُهُ'' کہا جاتا ہے۔ ''قَلَوْتُهُ وَقَلَيْتُهُ'' کی طرح، اور ''عَفَا فَهُوَ عَافٍ'' یہ سب اس وقت جب آپ انھیں چھوڑ دیں حتی کہ وہ بڑھ جائیں اور لمبے ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حَتّٰى عَفَوْا﴾ یعنی وہ بڑھے اور زیادہ ہوئے۔ اور یہ اسی بات پر دلالت کرتا ہے جو ہم نے کہی کہ اس وجہ میں باب کا اصل معنی ''ترک'' ہی ہے۔''

---

[1] مقاييس اللغة، ص: ٥٦.

[2] مقاييس اللغة.

ابن فارس کی ان عبارات میں تو بات نہایت ہی دوٹوک اور واضح ہے کہ اعفاء کا اصل معنی ہے معاف کرنا چھوڑنا یا ترک کرنا ہے۔ اور بڑھوتری یا اضافہ کا معنی اصل نہیں ہے، بلکہ ترک کا نتیجہ ہے۔ لیکن آفرین ہے بعض الناس پر کہ انھوں نے اصل معنی کا انکار کرتے ہوئے لازم معنی کو اصل معنی قرار دے دیا، یا ضيعة العلم... !!!

❁ ابن منظور رقم طراز ہیں:

"وعَفَا يَعْفُو إِذَا تَرَكَ حَقّاً، وأَعْفَى إِذَا أَنْفَقَ العَفْوَ مِنْ مَالِهِ، وَهُوَ الفاضِلُ عَنْ نَفَقَتِه.وعَفا القوم كَثُرُوا وَفِي التَّنْزِيل: حَتَّى عَفَوْا ؛ أَى كَثُرُوا. وعَفا النَّبتُ والشَّعَرُ وغيره يَعْفُو فَهُوَ عاف.كثُرَ وطالَ.وَفِى الْحَدِيثِ: أَنهﷺ، أَمَرَ بإِعْفَاء اللِّحى ؛ هُوَ أَن يُوفَّر شَعَرُها ويُكَثَّر وَلَا يُقَصّ كالشَّوارِبِ، مِنْ عَفا الشيئُ إِذَا كَثُرَ وَزادَ" [1]

"اور "عَفَا يَعْفُو" کا لفظ اس وقت بولا جاتا ہے جب حق چھوڑ دے۔ اور "أَعْفَى" جب اپنے مال سے "عفو" خرچ کرے اور وہ (عفو) نفقہ سے زائد مال ہے۔ اور "عَفا القومُ" یعنی قوم بڑھ گئی۔ اور قرآن مجید میں ہے: "حَتَّى عَفَوْا" یعنی وہ زیادہ ہو گئے۔ اور "وعَفا النَّبتُ والشَّعَرُ وغيره يَعْفُو فَهُوَ عافٍ" بولا جاتا ہے جب وہ (نباتات یا بال) زیادہ ہو جائیں اور لمبے ہو جائیں۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعفائے لحیہ کا حکم دیا ہے اور وہ اس کے بالوں کا وافر اور زیادہ ہونا اور مونچھوں کی طرح نہ کاٹنا

[1] لسان العرب.

ہے۔ یہ ”عَفا الشيئ“ سے ماخوذ ہے جب وہ کثیر اور زیادہ ہو۔“

علامہ ابن منظور کے کلام سے بھی اس بات کی صراحت ہوگئی کہ واعفوا کا معنی معاف کرنا چھوڑ دینا اور بالوں کو نہ کاٹنا ہے۔

اس کے علاوہ بھی تقریباً تمام تر اہلِ لغت اور شارحینِ حدیث نبوی نے اعفاء کا یہی معنی ذکر کیا ہے کہ اعفائے لحیہ کا معنی ہے داڑھی کو چھوڑ دیا جائے اور کسی قسم کی تراش خراش نہ کی جائے، جس کے نتیجہ میں وہ بڑھ جائے اور لمبی ہو جائے۔ طوالت کے خوف سے دیگر ائمہ لغت اور اسی طرح شارحینِ حدیث کے اقوال سے صرف نظر کی جا رہی ہے۔ ع

وگرنہ چمن میں سامان تنگیِ داماں اور بھی ہے!!!

الشیخ مفتی مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ (رئیس: شیخ حماد اسلامک سینٹر سبزہ زار لاہور):

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

میں کسی بھی آدمی کو داڑھی کٹوانے کا فتویٰ یا مشورہ کبھی نہیں دیتا۔ نبی ﷺ کے واضح فرامین میں عموم ہے اور داڑھی کے وافر کرنے اور بڑھانے کا حکم ہے، آپ کے قول سے اور عمل سے داڑھی کے کاٹنے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس لیے کسی کو کاٹنے کا فتویٰ یا مشورہ نہیں دیتا۔

الشیخ مفتی عبدالستار الحماد حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: مرکز الدراسات الاسلامیۃ، میاں چنوں):

داڑھی کے سلسلے میں چار باتوں کو سامنے رکھیں:

① یہ رسول اللہ ﷺ کا امر ہے اور امر وجوب کے لیے ہوتا ہے، الا یہ کہ کوئی قرینہ اس کے خلاف آجائے۔ اس کا کوئی قرینہ نہیں ہے کہ داڑھی کی کانٹ چھانٹ کر لی جائے، اس میں کوئی حرج نہیں۔

② دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں میں مخالت کرنے کے بارے میں کہا ہے اور ایک روایت میں صراحت ہے کہ وہ داڑھی کو کاٹتے ہیں اور مونچھوں کو بڑھاتے ہیں لہٰذا تم داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ۔اس بنا پر داڑھی کو کاٹنا یہود کی ہم نوائی ہے، تو اس سے بچنا چاہیے۔

③ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب ایران کے دو آدمی آئے جن کی داڑھی مونڈھی ہوئی تھی، تو رسول اللہ ﷺ باوجود اس کے کہ کافروں سے بھی حسن سلوک کرتے تھے، مگر آپ نے ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔جب ان کی حالت کا پتا چلا تو آپ نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کس نے کہا ہے کہ داڑھیوں کو کٹاؤ......؟ مجھے تو میرے رب نے یہ کہا ہے کہ میں داڑھی کو بڑھاؤں۔تو یہ ایران والے بھی یہی کام کرتے تھے، تو ہمیں ان کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے۔

④ چوتھی بات یہ ہے کہ داڑھی کو منڈوانا عورتوں سے مشابہت ہے اور عورتوں سے مشابہت کرنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل میں کہیں بھی اس بات کی گنجایش نہیں ہے کہ اس کی تھوڑی بہت کانٹ چھانٹ کر دی جائے۔ نبی کریم ﷺ کی جتنی بھی داڑھی تھی وہ کانٹ چھانٹ کے بغیر تھی۔اس کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھ لیں کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا تھا:

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ [النساء: ١١٩]

''اور میں ضرور انھیں حکم دوں گا کہ اللہ کی خِلقت کو بدلیں۔''

میرے نزدیک داڑھی سے چھیڑ چھاڑ کرنا، یہ اللہ کی خلقت کو بدلنا ہی

ہے۔ ہاں جہاں شریعت نے بدلنے کا کہا ہے وہاں ضروری ہے، مثلاً: ناخن کاٹنا، مونچھوں کو کاٹنا، زیرِ ناف بال صاف کرنا اور بغلوں کے بالوں کو اکھیڑنا وغیرہ، یہاں حکم آگیا ہے یہاں ہم تغیر لخلق اللہ کریں گے۔ جہاں بدلنے کا حکم نہیں اسے اپنی حالت پر رہنے دیں گے۔

لہٰذا داڑھی کے سلسلے میں جو رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، اس کو اپنی حالت پر رہنے دیا جائے، اس کو بڑھنے دیا جائے اور اس کی کانٹ چھانٹ نہ کی جائے۔ باقی جو حضرات عبداللہ بن عمر، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہم یا بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل پیش کرتے ہیں تو یہاں ایک اصول یاد رکھ لیں:

''اَلْعِبرَۃُ بِمَارَوَیٰ لَا بِمَا رَأَیٰ''

''اعتبار روایت کا ہوتا ہے درایت کا نہیں ہوتا۔''

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹ دیتے تھے تو اگر نبی کریم ﷺ کے ایک امر کی وضاحت صحابی اپنے عمل سے کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اس سے زیادہ رکھنی ویسے منع ہے، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، جو کاٹنے والے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ جو کاٹنا چاہیں وہ کاٹ لیں جو نہیں کاٹنا چاہتے، اس کے لیے کوئی پابندی نہیں ہے، یہ عمل زیادہ افضل ہے۔ پھر اگر صحابی کی بات کا ہی اتنا اعتبار کرنا ہے تو پھر اس سے زیادہ رکھنا ویسے ہی جرم ہے یا پھر مکروہ ہے۔ لہٰذا یہ تمام باتیں ایسی باتیں ہیں جو محلِ نظر ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ داڑھی اپنی اصل حالت پر چھوڑنی چاہیے، اس کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے اور نبی کریم ﷺ کے امر کو پورا پورا مانا جائے اور جو رسول اللہ ﷺ کے فرمودات ہیں، آپ کے معمولات ہیں ان کا جوں کا توں تسلیم کرلیا جائے۔ واللہ أعلم بالصواب.

الشیخ عبدالرحمٰن ضیاء حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: جامعہ تعلیم القرآن والحدیث، جھنگ):

جو اہلِ علم ایک مشت داڑھی رکھنے کے قائل ہیں یہ درست نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا جو فرمان ہے: «أعفوا اللحی» یہ ایک مشت کرنے سے اعفاء والا معنی نہیں رہتا۔ ایک مشت کرنا اعفاء کے منافی ہے، اس لیے یہ درست نہیں۔ ہاں اگر تقصیر کے بعد اعفاء والا مفہوم اس میں رہتا ہو تو پھر یہ درست ہے اور وہ اس صورت میں ہو سکتا ہے، اگر طول فحش ہو۔ یعنی حد سے زیادہ ہو، تو نیچے سے کاٹ لینے کے بعد بھی اعفاء والا معنی رہے، یعنی کثرت رہے۔ یہ صورت درست ہے۔ إن شاء اللہ تعالیٰ.

امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں جہاں یہ حدیث ذکر کی ہے وہاں اس کے معنی کی طرف بھی اشارہ کیا ہے: "عفوا: أي كثروا" تو اس سے "اعفی یعفی بمعنی أكثر يكثر" اکثار والا معنی ہے، جو کہ کثرت پر دلالت کرتا ہے کہ طول فحش کو کاٹنے کے بعد بھی کثرت والا معنی اس میں رہے، تو ایسی صورت درست ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی میں کثرت تھی اور آپ ﷺ کا سینہ بھرتی تھی، کثرت والا معنی اس کے اندر۔ اور احادیث میں "کث اللحیہ، ضخیم اللحیة" جیسے الفاظ آتے ہیں۔

داڑھی کاٹنے کے بعد اگر کثرت ختم ہو جائے تو پھر یہ درست نہیں۔ اور جو لوگ مشت تک داڑھی رکھتے ہیں اس میں کثرت والا معنی ختم ہو جاتا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

الشیخ احسان الحق شہباز حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: مرکز القادسیہ، لاہور):

داڑھی کٹوانے والے خود معاف کرنے والی حدیث کے راوی ہیں، اگر صحابی کا عمل حدیث کے خلاف ہے تو اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

1 یا اسے اصل مسئلے کا علم نہیں۔

2 یا اسے رخصت ملی ہوئی ہے۔

ہم نے جو دو صورتیں بیان کی ہیں، یہ شیخ الکل محدث گوندلوی رحمہ اللہ اور شیخ ابوالبرکات احمد رحمہ اللہ کے حوالے سے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ نگرانی ہوتا تھا، اس کے بجائے اگر یہ کہا جائے تو بہتر ہوگا۔ کچھ صحابہ کوئی عمل کریں کچھ کوئی اور، تو اجماع کیسے ہو گیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا کے احکام یاد رکھیں:

﴿ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴾ [الحشر: ۷]

﴿ لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ [الحجرات: ۱]

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب: ۲۱]

﴿ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ﴾ [الحجرات: ۲]

الشیخ مفتی عبدالرحمٰن عابد حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: جامعہ الدعوۃ الاسلامیہ، مرید کے):

مسلمان پر داڑھی مکمل رکھنا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی الفاظ کے ساتھ اس کا حکم دیا ہے:

"أوفوا، وأرخوا، وأرجوا، وفروا، و أعفوا. خالفوا المجوس والمشركين"

امام نووی رحمہ اللہ نے ان تمام الفاظ کا معنی یہی بیان کیا ہے کہ داڑھی جیسی اللہ تعالیٰ نے اگائی ہے اسے ویسی ہی رہنے دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اَمر وجوب اور فرضیت پر محمول ہے، کیونکہ فرضیت سے پھیرنے والی کوئی مرفوع چیز ثابت نہیں۔

بعض اسلاف کا مٹھی سے زائد داڑھی کاٹنا موقوف ہے، جس سے مندرجہ بالا امر کے صیغے استحباب یا ندب کی طرف پھیرنے کی دلیل نہیں بن سکتے۔

الشیخ عبید الرحمٰن محسن حفظہ اللہ (مہتمم و مدیر: جامعہ دار الحدیث کمالیہ، راجووال):

1. نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی اور لمبی بھی، حتی کہ پچھلی صف میں کھڑے صحابی جلیل داڑھی مبارک کی حرکت سے آپ کی تلاوت کا اندازہ فرما لیتے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں واضح طور پر موجود ہے۔
2. نبی کریم ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے داڑھی بڑھانے، چھوڑنے اور معاف کرنے کا حکم دیا، آپ علیہ السلام کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے آپ مسلم کلچر، اسلامی تہذیب اور مسلم تشخیص کا ایک اہم حصہ قرار دیتے تھے۔
3. داڑھی منڈوانے اور کٹوانے کو آپ ﷺ کفار سے تشبیہ قرار دیتے تھے۔
4. داڑھی منڈوانے، کٹوانے کی حرمت اور بڑھانے کے وجوب پر امام ابن حزم نے اجماع نقل کیا ہے۔
5. اس دور میں مسلم تشخص جہاں بری طرح مجروح ہوا ہے، وہاں داڑھی کی سنت مبارکہ پر بڑے حملے کیے گئے ہیں۔
6. کتنے فیصد مسلمان اس سنت پر عمل پیرا ہیں؟ اس صورتحال میں ہماری محنت اس سنت کے احیاء پر ہونی چاہیے نا کہ کسی اور رُخ پر۔
7. ایک مٹھی سے زائد بڑھی ہوئی داڑھی کٹوانا جائز ہے یا نہیں، اولاً: مجھے تسلیم ہے کہ اس میں قدیم اختلاف موجود ہے، لیکن بصد ادب جواز کے قائلین عظیم مشائخ سے التماس ہے کہ ذرا معاشرے پر نظر رہے، آپ کے اس فتویٰ

پر اس کی روح کے مطابق عمل کرنے والے کتنے فیصد لوگ ہوں گے؟ جب کاٹنے کا جواز فراہم کر دیا گیا تو پھر یہ سنت مبارکہ کٹتی ہی جائے گی، لہٰذا سد ذرائع کے پیشِ نظر وقت کا تقاضا کیا ہے اور مخاطبین و مدعوین کی دینی مصلحت کس میں ہے، اس نزاکت کو ضرور ملحوظ خاطر رکھیں۔ جزاك الله خيرا

الشیخ ہشام الٰہی ظہیر حفظہ اللہ (ابن علامہ احسان الٰہی ظہیر):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے داڑھی کٹوانا قطعاً ثابت نہیں۔ یہ محض صحابی رسول کا اجتہاد تھا، جس وجہ سے وہ مٹھی کے بعد داڑھی کٹاتے تھے اور صحابی کا صرف وہ فہم معتبر ہے جو شریعت کے عین مطابق ہو اور جو فہم شریعت کے مخالف ہوگا، ہم اس کے پابند نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی کسی صحابی نے داڑھی نہیں کٹائی۔ دیکھیں ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، کسی ایک سے بھی دکھا دیں جس نے داڑھی کٹائی ہو۔ رہی بات ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کٹائی ہے اور ایک لاکھ سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں دو تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذاتی عمل قابل قبول نہیں۔

یاد رہے! ابن عمر، ابو ہریرہ اور جابر رضی اللہ عنہم سے بھی حج و عمرہ کے موقع پر داڑھی کٹانا ثابت ہے اس کے علاوہ تمام صحابہ کرام داڑھی نہیں کٹاتے تھے۔

داڑھی کٹانا مشرکین و مجوس کے ساتھ تشبیہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین و مجوس کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ داڑھی کٹانے والے کفار و مشرکین کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے ہیں۔

اجماع اجماع کی رٹ لگائی ہوئی ہے کہ داڑھی کٹانے پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

وتابعین کا اجماع ہے، یہ بے بنیاد و بے حقیقت بات ہے۔ عجیب بات ہے کہ ایک صحابی کو خلیفہ بنانے پر اجماع نہیں ہوسکا تو یہاں دو تین صحابہ کی ذاتی رائے کو اجماع کا درجہ دیا جا رہا ہے...!!!

نبی کریم ﷺ کی اپنی تشریح کافی ہے میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں صرف نبی ﷺ کی تشریح پر چلنے والے کو کبھی قیامت کے دن رسوائی نہیں ملے گی...... یہ سب چور راستے بند کر دیں۔ اگر مجوزین علمائے کرام کا فہم قیامت کے دن غلط ثابت ہو گیا تو بہت مشکل ہو جانی ہے...... فکری گمراہی کا چور راستہ غیر نبی کی منفرد تعبیر وتشریح کو حجت ماننا ہے۔

الشیخ قاری صہیب احمد میر محمدی حفظہ اللہ (مدیر و شیخ الحدیث: کلیۃ القرآن والکریم والتربیۃ الاسلامیۃ، پھول نگر):

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بارك الله فيكم و يشكر سعيكم ويسلمكم بكل خير وعافية.

"اللجنة العلمية: من علماء الدعوة السلفية" اس مبارک مجموعے میں شریک ہونے والے تمام اہلِ علم، جو ہمارے سر کے تاج ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کی حفاظت فرمائے، اور عزتوں اور برکتوں سے نوازے۔ آمین

ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے جواز اور عدم جواز پر جو بحث اکٹھی کی گئی ہے۔ میرا ناقص مشورہ یہ ہے کہ جب تک یہ کبار علمائے کرام پر پیش نہ کی جائے، اس وقت تک اس کو پرنٹنگ پریس تک نہیں پہنچانا چاہیے۔
سطحی قسم کی آرا یا نو خیز علماء اگر چہ ہمارے لیے تو محترم ہوں گے، لیکن ان کی آراء کو کبار علمائے کرام کی آراء سے پالش کروانا زیادہ بہتر ہوگا۔

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ "فأعفوا" کا مطلب اور "أرخوا" کا مطلب، "وفروا اللحی" کا مطلب یہ ایک مشت سے زائد یا کم دونوں چیزوں میں انسان سمجھ سکتا ہے کہ کون سا معنی اس میں فٹ آتا ہے۔

اور اگر آثار ملتے ہیں تو "العبرۃ بما روی لا بما رای" کے تحت چند لمحات میں یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معاف کرنے کا حکم دیا ہے تو معاف کیا بھی ہے۔۔اس لیے میں انتہائی ادب سے گزارش کروں گا کہ اس طرح کی بحوث سے بہتر وہ بحوث قابلِ طباعت ہیں جو عقیدہ کے متعلق ہوں، یا وہ مسلمہ ایسے اصول وضوابط کے، اتباع رسول کے، سیرتِ مصطفیٰ کے اور عدل و انصاف کے متعلق ہوں، جن کو پھیلانے سے امت کا فائدہ بھی ہوگا۔ اس طرح کی علمی موشگافیوں سے عوام میں زیادہ ٹینشین بڑھے گی اور اگر یہ ناگزیر ہو جائے تو پھر کبار علماء کرام پر اس بحث کو پیش کر دیا جائے، پھر ان کے فرامین کی روشنی میں اس کا بندوبست کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے، عزتوں اور برکتوں سے نوازے اور محنتوں کو قبول فرمائے اور توشۂ آخرت بنائے۔

الشیخ انجینئر عبدالقدوس سلفی حفظہ اللہ (خطیب: مسجد اقصیٰ، اسلام آباد):

داڑھی کے مسئلے میں اعفائے کلی یعنی امام نووی رحمہ اللہ کے مطابق "تَرْکُھَا عَلَی حَالِھَا" والا میرا موقف ہے۔

حدیثِ اعفاء میں اہلِ کتاب کے عمل "یَقُصُّوْنَ لِحَاھُمْ" کے مقابلے میں اعفاء کا حکم تقاضا کرتا ہے کہ یہ حکم ہر طرح کے قص کو مانع ہے۔

الشیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ (مصنف کتبِ کثیرہ، انڈیا):

داڑھی کے بارے میں میرا موقف یہی ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے، ایک مشت کے بعد بھی نہیں کٹانی چاہیے۔

الشیخ مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ (ریسرچ فیلو، دارالسلام، لاہور):

داڑھی کے بارے میں بندہ عاجز کا موقف وہی ہے جو جمہور علمائے اہلِ حدیث کا ہے، یعنی اس کی حد بندی مٹھی سے کرنا درست نہیں، اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے قبضہ سے زائد کا ذکر آتا ہے ہم یہ ان کا اجتہاد سمجھتے ہیں۔

الشیخ عبداللہ بن ناصر حفظہ اللہ (مدیر: علماء اکیڈمی، اسلام آباد):

داڑھی کے بارے میں میرا موقف یہ ہے کہ اعفائے کلی اصل ہے اور اسی پر ہی ہر مسلمان کو پابند رہنا چاہیے۔ البتہ اگر اتنی طویل ہو جائے کہ اس کی وجہ سے اس کی جان کا خطرہ ہو تو اس کے لیے اس آیت کے تحت کچھ گنجایش موجود ہے:

﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ﴾ [البقرة: ۱۷۳]

”پس جو مجبور کر دیا گیا، اس حال میں کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ حد سے گزرنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔“

ایک دوسری آیت ہے:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ [البقرة: ۱۸۵]

”اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا ہے۔“

اور کوئی شخص داڑھی کاٹنے کے جواز کا موقف رکھتا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل یا کسی اور صحیح دلیل سے، استدلال کر کے تو اس کے تاویل کرنے کی وجہ

سے اس پر کوئی فتوی نہیں لگایا جاسکتا۔

الشیخ ظہیر احمد السعیدی حفظہ اللہ (خریج جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ):

میرے علم اور تحقیق کے مطابق پوری داڑھی رکھنا ہی سنت ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایات سے ثابت ہے۔ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت بھی ہے۔ اگر چہ بعض علمائے دین نے اس کی کانٹ چھانٹ کی اجازت بھی دی ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ: ”دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ“ کے تحت مسلمان کو شک و شبہ سے بچتے ہوئے پوری داڑھی رکھنی چاہیے۔

الشیخ عبدالصمد رفیقی حفظہ اللہ (ریسرچ سکالر: دارالسلام، لاہور):

بسم الله والصلاة والسلام على رسول الله، أما بعد!

میرے خیال میں میں نے کسی سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ لغتاً داڑھی کی کوئی بھی مقدار ہو تو وہ داڑھی ہوتی ہے، لہٰذا داڑھی جتنی بھی رکھ لی جائے، وہ داڑھی ہی شمار ہوگی اور سنت پر آپ نے عمل کر لیا۔ لیکن یہ بات اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ہمیں لغوی داڑھی رکھنے کا حکم نہیں دیا گیا، بلکہ شرعی داڑھی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تو جو لوگ یہ موجودہ بحث میں یہ نقطہ اچھال رہے ہیں میرے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ماشاء اللہ مرفوع احادیث آپس میں ایک دوسرے کی تشریح کرتی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اپنا عمل ہے تو وہ آپ کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ داڑھی کو بڑھاؤ، کتروانا نہیں ہے اس کو معاف کر دو۔ تو کوئی کہتا ہے کہ معاف کرنا کہاں سے آتا ہے تو جواب یہ ہے کہ اعفاء کا جو مادہ ہے وہ عفو ہے۔ اگر مادہ عفو ہے تو میرے خیال میں اس کا معنی گمشدہ نہیں ہو

سکتا، تو معاف کرنے کا حکم اس میں موجود ہے تو ہم اس کو ڈلیٹ نہیں کر سکتے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے داڑھی کٹوائی بھی نہیں ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو اس کا موقع نہیں ملا، کیوں کہ آپ کی داڑھی چھوٹی تھی، تو یہ اعتراض کوئی وزنی نہیں ہے۔ اس لیے وزنی نہیں ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے صرف جواز کو بیان کرنا ہوتا تو اپنی داڑھی سے بالکل تھوڑے سے بال کاٹ لیتے تاکہ آنے والے لوگوں کے لیے جواز نکل سکتا، مگر آپ ﷺ نے ایسا بھی نہیں کیا۔

رہی یہ بات کہ رسول اللہ ﷺ کی داڑھی سینے کے بالائی حصے کو ڈھانپتی تھی اور وہ بھی ایک مٹھی کے برابر تھی تو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے اگر مان بھی لیں کہ ایک مٹھی تک تھی تو کنگھی کرنے کی صورت میں داڑھی دراز بھی تو ہو سکتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ وہ سینے کے بڑے حصے کو ڈھانپتی ہو، کیونکہ بعض روایات میں داڑھی کے گھنے ہونے اور کثیر ہونے کا تذکرہ ہے تو تطبیق اس طرح ہو جائے گی کہ عام حالات میں سینے کے بالائی حصے تک ہوتی اور کنگھی کرنے کی صورت میں دراز ہو جاتی۔

رسول اللہ ﷺ اسوۂ حسنہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کو آنے والے حالات کا علم تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو شریعت کے عین مطابق بنایا تو جو داڑھی رسول اللہ ﷺ کو آ گئی ہے وہی اصل ہے اور ہمارے لیے نمونہ ہے۔

رہی موقوف روایات میں تو اس میں بھی متعدد احتمالات ہیں:

① پہلی بات یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام یہ نہیں ہے کہ ان سے گناہ ہو ہی نا، بلکہ ان کا مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔

اور یہ ان سے گناہ ہوا تھا، جیسا کہ حافظ عبدالمنان نور پوری رحمہ اللہ نے اپنے مقالات میں انھیں گناہ شمار کیا ہے۔لیکن یہ گناہ بھی ایسا ہے جس کو معاف کر دیا گیا ہے، کیونکہ ان کے لیے اسباب مغفرت بہت زیادہ جمع ہو چکے تھے۔بہر حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ خطاء اجتہادی شمار کی جاسکتی ہے۔یا وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ مقدار واجب ایک مٹھی ہے اس سے زیادہ نہیں ہے۔تو یہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اجتہادی غلطی ہے۔لیکن یاد رہے اس میں بھی ان کے لیے ایک اجر موجود ہے، کیونکہ وہ تمام بہترین نیتیں رکھنے والے لوگ تھے۔تو پہلی صوت میں اگر گناہ ہے تو معاف شدہ ہے۔

② دوسری بات یہ ہے کہ اگر تسلیم کر لیا جائے تو یہ ان کی اجتہادی غلطی ہوگی، تو اس میں یقیناً ان کے لیے ایک اجر ضرور موجود ہے۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ انھوں نے یہ کام اس لیے کیا ہو کہ امت کی خیر خواہی اور بیان جواز کے لیے یہ کام کیا ہے۔یاد رکھیں یہ ذکر کہیں بھی نہیں ملتا کہ انھیں کوئی مجبوری پیش آئی ہو، ممکن ہے انھیں کوئی مجبوری پیش آئی ہو اور ممکن ہے نہ بھی ہو۔جیسا کہ مصر کے بڑے بڑے قراء کرام کی داڑھیاں نہیں ہوتی اور تحقیق کے بعد پتا چلتا ہے کہ وہاں پابندی ہے اور یاد رہے کہ جواز پر بھی باقاعدگی اختیار نہیں کی جاتی۔

رہی یہ بات کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی نے منع نہیں کیا تو یہ اجماع ہو گیا تو یہ بات میرے خیال سے اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صریح الفاظ سے تو منع نہ کرتے ہوں، مگر حدیث سنا دیتے ہوں جیسا کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ آپ مطلق بات کرتے تھے نام لے کر تنبیہ کم ہی کیا کرتے تھے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اجماع ہے نہیں اور اگر اجماع مان بھی لیا جائے تو جواز کی حد تک اور جواز پر ہیشگی نہیں ہوتی۔

اگلی بات یہ ہے کہ مرفوع احادیث کے برابر موقوف کو نہ وزن دینا چاہیے اور نہ ہی سمجھنا چاہیے، کیوں کہ مرفوع مرفوع ہوتی ہے اور موقوف اگر اس کے برابر کی جائے تو یہ عدم توازن ہے تو یہ متوازن دلائل نہیں ہیں اور اگر کرنا ہی ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو اضطراری حالت پر محمول کیا جائے، انھوں نے اگرچہ اضطراری حالت پر کیا ہے یا نہیں مگر ہمیں چاہیے کہ مرفوع کے مقابلے میں موقوف حدیث کو اضطرار پر محمول کریں، لیکن اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میں داڑھی کو اس طرح اکرام نہیں کر پا رہا جس طرح حق ہے تو ایسا بندہ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو وہ علمائے کرام سے رابطہ کر سکتا ہے۔

میری دانست میں داڑھی سے متعلق جو دلائل ہیں یا جو دلائل دیئے جاتے ہیں تو میں نے کوشش کی ہے کہ موقف میں اعمال ہو اہمال نہ ہو۔ یعنی دلائل پر عمل ہو جاتا ہے اور ہر دلیل کو اس کی جگہ پر رکھنا آسان ہو جاتا ہے اور کسی دلیل کو مسترد کرنے کی نوبت نہیں آتی۔ هذا ما عندي والله أعلم بالصواب.

الشیخ محمد حسین میمن حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ تحفظ حدیث فاؤنڈیشن، کراچی):

داڑھی کے حوالے سے میرا موقف یہ ہے کہ جب موقوف اور مرفوع اکٹھے ہو جائیں تو لازمی سی بات ہے کہ موقوف پر مرفوع حدیث کو ترجیح ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی ابن عمر صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے داڑھی کاٹنا ثابت ہے، جس پر شیخ البانی رحمہ اللہ نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ اگر ایسی تمام روایات کو دیکھ لیا جائے تو چند باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

① پہلی بات یہ ہے کہ وہ صرف حج وعمرہ کے لیے کاٹتے تھے، عام حالات میں نہیں۔

② سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اتباع سنت کے شیدائی تھے، جیسا کہ بہت ساری روایات سے پتا چلتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی داڑھی زیادہ طویل نہیں تھی، جیسا کہ شمائل ترمذی سے ملتا ہے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ سمجھتے ہوں کہ میری داڑھی لمبی ہے جتنی رسول اللہ ﷺ کی تھی اتنی میں رکھوں، آپ ﷺ کی داڑھی سے میری داڑھی بڑی نہ ہو۔

③ جو بندہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل پر عمل کرتا ہے، تو وہ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حج اور عمرہ کے موقع پر کاٹتے تھے عام حالات میں نہیں۔ اگر کوئی ان کے عمل پر عمل کرتا ہے تو اس پر حرف گیری نہیں کی جائے گی، لیکن یہ بات یاد رکھیں کہ افضلیت مرفوع حدیث کو ہوتی ہے نہ کہ موقوف کو۔

④ چوتھی بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے جو الفاظ ہیں کہ داڑھی کو معاف کرو، داڑھی کو بڑھاؤ، اسے لٹکاؤ۔ یہ سارے الفاظ حکم ہیں اور حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے، اور داڑھی کو چھوڑ دینا یہ حدیث کے قریب ہے۔

⑤ یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ حج وعمرہ کے موقع سے پہلے وہ داڑھی کو معاف کرنے والی حدیث بیان کرتے ہوں مگر حج وعمرہ کے موقع پر وہ روایت ان کے ذہن میں نہ ہو۔

⑥ یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ پہلے داڑھی کٹواتے ہوں اور بعد میں انھوں نے داڑھی کٹوانا ترک کر دیا ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ میری ناقص رائے کے مطابق سب سے زیادہ صحیح

بات یہ ہے کہ مرفوع حدیث پر عمل کرتے ہوئے داڑھی کو معاف کیا جائے، لیکن جو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے دلیل پکڑتا ہے اور اس پر زیادہ نکیر نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس بارے میں سکوت اختیار کرنا چاہیے۔

الشیخ اسحاق زاہد حفظہ اللہ (صاحبِ زاد الخطیب، نزیل: کویت):

ایک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے کے جواز یا عدم جواز کے بارے میں میرا موقف یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح اوامر موجود ہیں کہ داڑھی کو بڑھاؤ، معاف کرو، لٹکاؤ... وغیرہ۔ اور مجوس اور مشرکین کی مخالفت کرو۔ ان اوامر کا تقاضا ہے کہ داڑھی کو معاف کر دیا جائے اور اسے نہ چھیڑا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل بھی اسی بات پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا افضل یہی ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور چھیڑا نہ جائے۔

تاہم اگر کوئی شخص بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کو دلیل بنا کر ایک مشت سے زائد داڑھی کو کاٹتا ہے اور ان کے طرزِ عمل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر ہی کی عملی تفسیر مانتا ہے تو اس پر نکیر نہیں ہونی چاہیے۔ کیونکہ اس نے سبیل المؤمنین سے انحراف نہیں کیا بلکہ اس کے اندر ہی ہے۔

الشیخ ڈاکٹر حسن مدنی حفظہ اللہ (مدیر التعلیم: جامعہ لاہور الاسلامیہ، ایڈیٹر: ماہنامہ "محدث"):

ایک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے کے بارے میں راقم کا موقف حسبِ ذیل ہے:

1. سب سے پہلے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہیں کہ داڑھی بڑھاؤ، اس کو معاف کردو۔ نبی کریم کا حکم وجوب کے لئے ہے اور اس کو وجوب سے بدلنے والا کوئی قرینہ یہاں موجود نہیں ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمیت سب

صحابہ کرام اسی پر عمل کرنے والے تھے۔ اور اس باب میں یہی اصل ہے۔
آپ کے فرامین یہ ہیں:
«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ» [1]
"مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب پست کرو۔"
«جُزُّوا الشوارب، وأرخوا اللِّحى، خالفوا المجوس» [2]
"مونچھوں کو خوب پست کرو، داڑھیوں کو لٹکاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

۲ جو شخص یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ یا آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم داڑھی زائد از مشت کٹواتے تھے، تو اس پر اس کی دلیل دینا لازمی ہے، کیونکہ اصل حکم ثابت ہو جانے کے بعد، اس کے خلاف (قطع) کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔
اور نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل ان روایات سے بھی ثابت ہے۔

❀ نبی کریم ﷺ کی داڑھی:
«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ كَثِيرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ» [3]
"رسول اللہ ﷺ کی داڑھی کے بہت زیادہ بال تھے۔"
"كَثُّ اللِّحْيَةِ" [4] "گھنی داڑھی (والے تھے)۔"

❀ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ:
"كَانَ أَبُو بَكْرٍ كَثُّ اللِّحْيَةِ" [5] "ابوبکر رضی اللہ عنہ گھنی داڑھی والے تھے۔"

❀ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ:

---

1. صحيح البخاري: (ح: ٥٨٩٢)
2. صحيح مسلم: (ح: ٢٦٠)
3. صحيح مسلم
4. سنن النسائي
5. شمس الضحى في إعفاء اللحى لشيخ عبدالحكيم مكي.

"وَسَبَلَتُهُ كَبِيرَةٌ، وَفِي أَطْرَافِهَا صُهْبَةٌ"[1]

"آپ کی داڑھی بڑھی تھی اور کنارے سرخی مائل تھے۔"

- سیدنا عثمان بھی کثیر اللحیۃ تھے۔[2]
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی لمبی اور بڑی تھی:

"عَظِيمُ اللِّحْيَةِ جِداً، قَدْ مَلَأَتْ مَا بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ"[3]

"بہت بڑی داڑھی تھی۔ تحقیق اس نے کندھوں کے درمیان (والے حصہ کو) بھر دیا تھا۔"

۳ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مثلاً: سیدنا عبداللہ بن عمر کے بارے میں صحیح بخاری میں آتا ہے کہ وہ حج کے موقع پر قبضہ سے زائد داڑھی کٹا دیا کرتے تھے:

"أَنَّهُ كَانَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ"[1]

تو اس حدیث مبارکہ سے محض اتنا علم ہوتا ہے کہ حج وعمرہ کے موقع پر آپ زائد از قبضہ داڑھی کٹا دیا کرتے تھے اور بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ حج کے مناسک میں سمجھتے ہوئے ایسا کرتے تھے۔ امام کرمانی رحمہ اللہ شارح بخاری فرماتے ہیں:

"لَعَلَّ ابْنَ عُمَرَ أَرَادَ الْجَمْعَ بَيْنَ الْحَلْقِ وَالتَّقْصِيرِ فِي النُّسُكِ فَحَلَقَ رَأْسَهُ كُلَّهُ وَقَصَّرَ مِنْ لِحْيَتِهِ لِيَدْخُلَ فِي عُمُومِ قَوْلِهِ تَعَالَى: مُحَلِّقِينَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ. وَخَصَّ ذَلِكَ مِنْ عُمُومِ قَوْلِهِ: وَفِّرُوا اللِّحَى فَحَمَلَهُ عَلَى حَالَةِ غَيْرِ النُّسُكِ"[5]

---

[1] تاريخ خلفاء ص: ٩٣) [2] تاريخ خلفاء، ص: ١٠٦.
[3] تاريخ خلفاء، ص: ١١٨. [4] صحيح البخاري
[5] فتح الباري، ١٠/ ٢٥٠.

''شاید کہ ابن عمر نے حج میں حلق اور تقصیر دونوں کو جمع کیا، اور اپنے سارے سر کو مونڈ لیا، اور اپنی داڑھی سے کچھ کاٹ لیا؛ تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول کے عموم میں شامل ہوجائیں: ''اپنے سروں کو مونڈوانے والے اور کٹوانے والے۔'' اور اللہ کے تعالیٰ کے قول کے عموم سے خاص ہے: ''داڑھیوں کو وافر کرو۔'' چنانچہ انھوں نے اسے حج کے علاوہ کسی حالت پر محمول کیا ہے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت قصر کو حج وعمرہ میں بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

''قُلْتُ: فَإِنَّا نَقُولُ: لَيْسَ عَلَى أَحَدِ الْأَخْذَ مِنْ لِحْيَتِهِ وَشَارِبِهِ، إِنَّمَا النُّسكُ فِي الرَّأْسِ''[1]

''چنانچہ ہم کہتے ہیں: کسی ایک کے لیے روا نہیں کہ اپنی داڑھی اور اپنی مونچھوں سے کچھ کاٹنا....''

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ:

''إِنَّهُ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ وَهُوَ يُرِيدُ الْحَجَّ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ رَأْسِهِ وَلَا مِنْ لِحْيَتِهِ شَيْئًا حَتَّى يَحُجَّ: قَالَ مَالِكٌ: وَلَيْسَ ذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ''

''یقیناً جب وہ عید الفطر گزار لیتے اور حج کا ارادہ فرماتے تو اپنے سر سے کچھ کاٹتے اور نہ ہی اپنی داڑھی سے کچھ کاٹتے تھے، یہاں تک کہ حج مکمل کر لیتے۔ امام مالک فرماتے ہیں: اور نہ ہی یہ لوگوں کے لیے جائز ہے۔''

---

[1] الأم، ۷/ ۲۵۳.

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے زائد از قبضہ داڑھی کو کاٹنے کا سوال ہوا تو سوال کیا کہ ابن عمر کب کاٹتے تھے، تو اس نے کہا حج کے موقع پر، تو شیخ نے فرمایا کہ جو بھی اس سے استدلال کرتے ہیں، وہ تو حج کے علاوہ بھی کاٹتے ہیں، پھر ان کو بھی حج کے موقع پر ہی کاٹنی چاہیے۔ پھر فرمایا:

"یُجِبُّ أَنْ یَکُونَ الْإِسْتِدْلَالُ مُطَابِقًا لِلدَّلِیْلِ"

"وہ پسند فرماتے ہیں کہ استدلال دلیل کے مطابق ہی ہونا چاہیے۔"

④ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ توفیر والی احادیث کو راوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی تفسیر و تشریح کی روشنی میں دیکھا جائے گا، لیکن اگر اس موقف کو تسلیم کر لیا جائے، تب پھر زائد از قبضہ داڑھی کٹوانا مستحب ہونا چاہیے، کیوں کہ نبی کریم کے احکامات کی تفسیر بقول راوی صحابی یہی بنتی ہے، حالانکہ زائد از قبضہ داڑھی کو کاٹنے کے استحباب کا کوئی بھی قائل نہیں، بلکہ ہمارے اہلِ حدیث بھائی بھی مکمل داڑھی کو ہی مستحب مانتے ہیں، اور زائد از قبضہ کو جواز پر محمول کرتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قصر لحیہ کا عمل وفّروا کی تفسیر نہیں بلکہ ﴿ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ﴾ کے مفہوم میں اسے شامل کرنا ہے۔ کیونکہ توفیر کا مطلب تو وافر ہی ہے، اور اعفاء کا مطلب اعفا ہے، اس میں کیا اشکال ہے؟ توفیر کو مشت بھر سے مقید کرنے کی شرعی دلیل کوئی نہیں۔

⑤ بعض لوگ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کو اجماع سکوتی باور کراتے ہیں اور پوری داڑھی کے عمل صحابہ کی دلیل مانگتے ہیں۔ تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توفیر کا حکم دیا اور صحابہ نے عمل کیا، اب یہی اسلامی شرعی حکم ہے اور اسی پر صحابہ کا عمل رہا، دلیل تو اس کے خلاف قطع یا قصر کی

مطلوب ہے، نہ کہ توفیر کی اور یوں بھی احادیث میں صحابہ کرام کی توفیرلحیہ والی روایات بہت سی ہیں، جیسا کہ اوپر ذکر ہوئیں، جبکہ قصر کی مستند روایت سیدنا ابن عمر کے سوا کسی کی نہیں اور وہ بھی مناسکِ حج کے طور، چنانچہ عام حالات میں توفیر کی مخالف روایت سرے سے موجود ہی نہیں۔ اور مذکورہ صحابہ کی پوری داڑھی کے عمل سے اجماع سکوتی کا دعویٰ باطل ہوگیا۔

6 سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی توفیرلحیہ والی حدیث کے راوی ہیں، اب ان کا اپنی روایت (فرمانِ نبوی) کو جانتے ہوئے یہ عمل کرنا واضح کرتا ہے کہ وہ عام حالات میں توفیرلحیہ پر ہی عامل تھے، جبکہ حج وعمرہ کے موقع پر بالوں کی تقصیر کے ساتھ ہی لحیہ کی تقصیر بھی کرا لیتے اور یہ ان کا اجتہادی موقف تھا۔

7 سیدنا ابن عمر کے اس موقف سے عام حالات میں داڑھی کٹانے کی کوئی دلیل ہی نہیں ملتی، چنانچہ اس حدیث کی بنا پر حج کے ماسوا داڑھی کٹانا بلا دلیل ہے اور ایسا کرنے والوں کے ذمہ دلیل ہے۔ جہاں تک مناسک حج وعمرہ میں ان کے موقف قصر لحیہ کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں اصول ہے کہ "اَلْعِبْرَةُ بِمَا رَوَىٰ لَا بِمَا رَاَىٰ" اس بنا پر ان کی روایت توفیرلحیہ کی اتباع کرنا ضروری ہوگا اور مناسکِ حج والے اجتہادی موقف میں ان کی اتباع نہیں کی جائے گی۔

8 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل بھی جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے۔ اس بارے میں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں کس قسم کے آثار ملتے ہیں۔ پھر فرمایا: جب کسی صحابی کا اجتہاد خلاف حدیث ہو تو اس کے عمل و اجتہاد کو دلیل بنانے کے بجائے اس کے

بارے میں اعتذار پیش کیا جائے کہ شاید ان کو اجتہاد میں غلطی لگ گئی ہوگی۔

اور احادیث رسول اللہ ﷺ اس مسئلے میں بالکل واضح ہیں۔

الشیخ مقبول احمد سلفی حفظہ اللہ (المکتب التعاونی للدعوۃ الارشاد وتوعیہ الجالیات بوسط بریدۃ، السعودیہ):

درج بالا صحیح وضعیف آثار کی روشنی میں یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ یک مشت سے زائد داڑھی کاٹنا جائز ہے، ہم مختلف انداز میں ان کا جواب لکھتے ہیں:

① اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن وحدیث میں وحی (جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے) اسی کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [الأعراف: ٣]

”جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو اور اس کے علاوہ دیگر اولیاء کی اتباع نہ کرو، تم لوگ بہت ہی کم نصیحت پکڑتے ہو۔“

② قرآن نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تمھارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾

[النساء: ٥٩]

"اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمھیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے۔ یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام بہت اچھا ہے۔"

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جب بھی اختلاف ہو جاتا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ اس کی بے شمار دلیلیں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب نبی ﷺ کی وفات کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اختلاف ہو گیا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقع سے منبر رسول ﷺ پر قرآنِ مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴾ [الزمر: ٣٠]

"بلاشبہ آپ فوت ہونے والے ہیں اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔"

نیز یہ آیت بھی تلاوت فرمائی:

﴿ وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَ مَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ [آل عمران: ١٤٤] قَالَ: فَنَشَجَ النَّاسُ يَبْكُونَ.[1]

"محمد (ﷺ) صرف رسول ہیں۔ آپ سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر آپ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، (ح: ٣٦٦٨)

کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔'' یہ سن کر لوگ بے اختیار رونے لگے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قائل نہ تھے، لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مذکورہ آیات سنی اور اپنی بات سے رجوع کر لیا اور کہنے لگے کہ یہ آیات پہلے میرے ذہن میں نہیں تھیں، لگتا ہے ابھی ابھی نازل ہوئیں ہیں۔

اس لیے ہمیں بھی داڑھی کے متعلق اس اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا چاہیے، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی ہمارے لیے قابلِ اتباع نظر آتا ہے۔

③ محدثین اور علمائے کرام نے یہاں اصولِ حدیث کا قاعدہ ذکر کر کے ایک جواب دیا ہے۔ چنانچہ ترمذی کے شارح عبدالرحمٰن مبارکپوری بھی لکھتے ہیں:

''وَأَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ: إِنَّهُ إِذَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ يُؤْخَذُ الزَّائِدُ، وَاسْتَدَلَّ بِآثَارِ ابْنِ عُمَرَ وَعُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہم فَهُوَ ضَعِيفٌ. لِأَنَّ أَحَادِيثَ الْإِعْفَاءِ الْمَرْفُوعَةِ الصَّحِيحَةَ تَنْفِي هَذِهِ الْآثَارَ. فَهَذِهِ الْآثَارُ لَا تَصْلُحُ لِلْاِسْتِدْلَالِ بِهَا مَعَ وُجُودِ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ الْمَرْفُوعَةِ الصَّحِيحَةِ، فَأَسْلَمُ الْأَقْوَالِ هُوَ قَوْلُ مَنْ قَالَ بِظَاهِرِ أَحَادِيثِ الْإِعْفَاءِ وَكَرِهَ أَنْ يُؤْخَذَ شَيْءٌ مِنْ طُولِ اللِّحْيَةِ وَعَرْضِهَا، وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ''[1]

[1] تحفة الأحوذي، ٨/ ٣٩.

”رہا ان لوگوں کا قول جو قبضہ سے زائد کو کاٹنے کا کہتے ہیں تو وہ ابن عمر، عمر اور ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہم) کے آثار سے استدلال کرتے ہیں۔ تو یہ استدلال ضعیف ہے، کیوں کہ مرفوع اور صحیح احادیث جو کہ داڑھی کو معاف کرنے پر دلالت کرتی ہیں ان موقوف آثار کی نفی کرتی ہیں۔ چنانچہ ان آثار کو مرفوع اور صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے حجت بنانا صحیح نہیں۔ پس سب سے درست قول اسی کا ہے جس نے ظاہر حدیث کو دیکھ کر داڑھی بڑھانے (معاف کرنے) کا کہا اور طول و عرض سے کچھ بھی کاٹنا مکروہ جانا۔ واللہ تعالی أعلم“

گویا اس سے معلوم یہ ہوا کہ صریح آحادیث کے ہوتے ہوئے آثار سے دلیل نہیں پکڑی جائے گی۔

۴۔ اوپر بعض صحابہ کا عمل بھی پیش کیا گیا اور ان دونوں صحابہ سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ داڑھی نہیں کاٹتے تھے۔ اس لیے ان صحابہ سے وہ روایت قبول کی جائے گی جو نبی ﷺ کی داڑھی کے متعلق ہے اور نبی ﷺ کے عمل کو راوی کے ذاتی عمل پہ ترجیح دی جائے گی۔

اس سے متعلق شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جس نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے دلیل پکڑی ہے کہ وہ حج میں مٹھی سے زیادہ داڑھی کاٹ دیا کرتے تھے، تو اس میں اس کے لیے کوئی حجت اور دلیل نہیں، کیونکہ یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اجتہاد تھا، جبکہ دلیل اور حجت تو ان کی روایت میں ہے نہ کہ اجتہاد میں۔ علمائے کرام نے صراحت سے بیان کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے

راوی کی روایت جو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہو وہ ہی حجت ہے، اور جب رائے اس کی مخالف ہو تو روایت رائے پر مقدم ہو گی۔"[1]

آخری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن علمائے کرام نے داڑھی کاٹنے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے ان کی اکثریت بھی ترکِ لحیہ کو ہی افضل قرار دیتی ہیں۔ بنا بریں صحیح اور درست موقف یہی ہے کہ داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دینا ہے، اس کی تراش خراش نہیں کرنی چاہیے جو کہ اللہ کے محبوب ﷺ کا عمل ہے اور متعدد صحابہ کرام اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے۔

الشیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: جامعہ امام بخاری، مقام حیات، سرگودھا):

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق احسن انداز میں کی ہے اور داڑھی کے ذریعے اسے زینت بخشی ہے، داڑھی جہاں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، وہاں اسوۂ رسول بھی ہے، یہ جہاں انسان کا فطرتی حسن ہے، وہاں اللہ کی شریعت بھی ہے، داڑھی جہاں قومی زندگی کی علامت ہے، وہاں اس کا صفایا مردانگی کی دلیل بھی ہے، داڑھی جہاں شعارِ اسلام ہے، وہاں محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا بھی ہے، داڑھی جہاں مرد کے لیے ظاہری حسن و جمال ہے، وہاں اس کے باطن کی تطہیر کا سبب بھی ہے، یہ تمام شریعتوں کا متفقہ مسئلہ ہے، یہ اسلامی تہذیب ہے، یہ وہ اسلامی وقار اور ہیبت ہے جس سے مرد و عورت کے درمیان تمیز ہوتی ہے، نیز اس سے مردوں اور ہیجڑوں کے درمیان امتیاز ہوتا ہے، یہ وہ دینی روپ ہے جس سے صالحین اور فساق و فجار کے درمیان فرق ہوتا ہے، یہ ایک فطرتی طریقہ ہے

[1] فتاوی و مقالات شیخ ابن باز، ۳۷۰/۸.

جو دلیل کا محتاج نہیں، نفسانی خواہشات، رسم و رواج اور ماحول سے مرعوب ہو کر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ زینت کو بدنمائی میں تبدیل کرنا بزدلی ہے، اس سے انسان اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿ أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَىٰهُ ﴾ [الجاثية: ٢٣]

''کیا آپ نے اس شخص کی طرف دیکھا ہے جس نے اپنے خواہشات کو معبود بنا لیا۔''

داڑھی منڈانا بالاجماع حرام ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی معصیت اور اس کی نعمتوں کی ناقدری ہے، اس کے رسول ﷺ کی مخالفت ہے، یہ اللہ کی تخلیق کے حسن و جمال کی تخریب کاری اور کفار سے مشابہت ہے۔

❁ داڑھی بڑھا کر اور مونچھیں کٹوا کر مشرکین کی مخالفت کرو:

1 سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

« خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَفِّرُوا اللُّحٰى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ »[1]

''مشرکوں کی مخالفت کرو، یعنی داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹو۔''

2 سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے یہی روایت ان الفاظ میں بھی آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مونچھوں کو ختم کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔''[2]

3 سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے یہی حدیث ان الفاظ سے بھی مروی ہے:

« خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفُوا اللُّحٰى »[3]

[1] صحيح البخاري، ٢/ ٨٧٥، (ح: ٥٨٩٢) صحيح مسلم، ١/ ١٢٩، (ح: ٢٥٩)
[2] صحيح البخاري، ٢/ ٨٧٥، (ح: ٥٨٩٣)
[3] صحيح مسلم، ١/ ١٢٩، (ح: ٥٤/ ٢٥٩)

"مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔"

❁ داڑھی رکھنا اور مونچھیں کاٹنا حکمِ رسول ہے:

4 یہ الفاظ بھی ہیں:

«أَنَّهُ أَمَرَ بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ»[1]

"آپ ﷺ نے مونچھیں کاٹنے اور داڑھیاں بڑھانے کا حکم دیا۔"

❁ داڑھی بڑھا کر مجوسیوں کی مخالفت کرو:

5 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللُّحٰى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»[2]

"مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں لٹکاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو۔"

امام ابو عوانہ رحمہ اللہ نے داڑھی کے وجوب پر باب قائم کیا ہے۔[3]

❁ داڑھی منڈانا مجوسیوں کا کام ہے:

6 سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُمْ يُوَفِّرُونَ سِبَالَهُمْ وَيَحْلِقُونَ لِحَاهُمْ، فَخَالِفُوهُمْ»[4]

"وہ (مجوسی) مونچھیں بڑھاتے اور داڑھیاں منڈاتے ہیں، تم ان کی مخالفت کرو۔"

اس حدیث کو امام ابن حبان نے "صحیح ابن حبان" (ح: ٥٤٧٦)

---

[1] صحيح مسلم، ١/ ١٢٩، (ح: ٥٣/ ٢٥٩)

[2] صحيح مسلم، ١/ ١٢٩، (ح: ٢٦٠)

[3] صحيح أبي عوانة، ١/ ١٣٤.

[4] مصنف ابن أبي شيبة، ٨/ ٥٦٦ـ ٥٦٧. المعجم الأوسط للطبراني، (ح: ١٠٥٥، ١٦٤٥) السنن الكبرٰى للبيهقي، ١/ ١٥١، شعب الإيمان للبيهقي، (ح: ٦٠٢٧) و سنده، صحيح.

میں صحیح کہا ہے۔

ق، حسن الحدیث ہے، اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"بل هو عند الأكثرين صدوق لا بأس به"[1]

"لیکن وہ اکثر محدثین کے نزدیک "صدوق، لا بأس به" ہے۔"

شاہ ولی اللہ الدہلوی الحنفی لکھتے ہیں:

"وَقَصُّهَا أَيِ اللِّحْيَةِ سُنَّةُ الْمَجُوْسِ وَفِيْهِ تَغْيِيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ"[2]

"داڑھی کو منڈانا مجوسیوں کا طریقہ اور تخلیقِ الٰہی میں تبدیلی ہے۔"

❁ داڑھی بڑھا کر اور مونچھیں کٹوا کر یہود و نصاریٰ کی مخالفت کرو:

7 سیدنا ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں:

"فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَقُصُّوْنَ عَثَانِيْنَهُمْ وَيُوَفِّرُوْنَ سِبَالَهُمْ قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: قُصُّوْا سِبَالَكُمْ وَوَفِّرُوْا عَثَانِيْنَكُمْ وَخَالِفُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ"[3]

"ہم نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! اہلِ کتاب تو اپنی داڑھیاں کٹواتے اور مونچھیں بڑھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔"

❁ داڑھی فطرتِ اسلام ہے:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] میزان الاعتدال للذهبي، ٤/ ١٤٦.

[2] حجة الله البالغة، ١/ ١٥٢.

[3] مسند الإمام أحمد، ٥/ ٢٦٤۔ ٢٦٥، وسنده، حسن. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ (فتح الباري: ١٠/ ٣٥٤)

”عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ : قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكِ، وَاسْتِنْشَاقَ الْمَاءِ، وَقَصُّ الْأَظْفَارِ، وَغَسْلَ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ (الْإِسْتِنْجَاءُ)، قَالَ زَكَرِيَّا: قَالَ مُصْعَبٌ وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةَ“[1]

”دس خصلتیں فطرتِ اسلامیہ میں سے ہیں: ① مونچھیں کاٹنا، ② داڑھی کو چھوڑ دینا، ③ مسواک کرنا، ④ وضو کرتے وقت ناک میں پانی چڑھانا، ⑤ ناخن کاٹنا، ⑥ انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، ⑦ بغل کے بال نوچنا، ⑧ زیرِ ناف بال مونڈنا، ⑨ استنجاء کرنا، راوی کا کہنا ہے کہ دسویں چیز مجھے بھول گئی ہے، شاید کہ کلی کرنا ہو۔“

داڑھی شعارِ اسلام ہے:

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”بَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ جَالِساً إِذْ جَاءَ رَجُلٌ شَدِيدُ سَوَادِ اللِّحْيَةِ“

”ایک دن نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص آیا، جس کی داڑھی گہری سیاہ تھی۔“

اس کے چلے جانے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ شخص کون تھا؟ عرض کی، نہیں۔ فرمایا:

«ذَاكَ جِبْرِيلُ، أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ»[2]

”وہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔“

---

[1] صحیح مسلم، ۱/ ۱۲۹، (ح: ۲۶۱)

[2] صحیح ابن حبان، (ح: ۱۶۸) وسندہ، صحیح.

رسول اللہ ﷺ کی داڑھی مبارک:

1 سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سر کے اگلے بال اور داڑھی کے (کچھ) بال سفید ہو گئے تھے، جب آپ تیل لگاتے تو وہ سفیدی معلوم نہیں ہوتی تھی اور جب بال بکھرے ہوئے ہوتے تھے تو سفیدی ظاہر ہوتی تھی:

"وَكَانَ كَثِيْرُ شَعْرِ اللِّحْيَةِ" "آپ کی داڑھی مبارک بہت گھنی تھی۔"

ایک شخص نے کہا کہ آپ کا چہرا تلوار کی طرح تھا، انھوں نے کہا، نہیں، بلکہ سورج اور اور چاند کی طرح تھا، آپ کا چہرا گول تھا، میں نے آپ کے کندھے کے پاس کبوتر کے انڈے کے برابر مہرِ نبوت دیکھی، جس کا رنگ جسم مبارک کے رنگ کے مشابہ تھا۔[1]

2 سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ، ضَخْمُ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ"[2]

"رسول اللہ ﷺ کا قد مبارک نہ بڑا تھا نہ چھوٹا، آپ کا سر مبارک بڑا اور داڑھی مبارک بھی بڑی تھی۔"

3 ہشام بن حبیش بن خویلد سے روایت ہے کہ امِ معبد کہتی ہیں:

---

1 صحیح مسلم: (ح: ٢٣٤٤)

2 مسند الإمام احمد، ١/ ٩٦، ١٢٧، و سنده، حسن. اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے "المستدرك للحاكم" (٢/ ٦٠٢) میں صحیح الاسناد اور حافظ ذہبی نے صحیح کہا ہے۔ اس کے راوی عثمان بن مسلم بن ہُرمُز کو امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ امام حاکم نے اس کی حدیث کی سند کی تصحیح کی ہے، یہ بھی توثیق ہے، لہٰذا امام نسائی رحمہ اللہ کی جرح مردود ہے۔

"وَفِي لِحْيَتِهِ كَثَاثَةٌ" [1] "نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔"

4 یزید الفارسی کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا تو اس کا ذکر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا، آپ نے کہا کہ رسولِ اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے، شیطان میری مشابہت اختیار کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا تو اس شخص کی صفت بیان کرسکتا ہے، جس کو تو نے خواب میں دیکھا ہے؟ کہا، ہاں! درمیانے قد والا، گندمی رنگ سفیدی کی طرف مائل، آنکھیں بڑی بڑی گویا کہ سرمہ ڈالا ہوا ہو، خوبصورت مسکراہٹ اور شکل، گول چہرہ: "قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ، قَدْ مَلَأَتْ نَحْرَهُ" داڑھی جو سینے کو بھرے ہوئے تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے، اگر تو جاگتے ہوئے آپ ﷺ کو دیکھتا تو ان صفات کے سوا اور صفات بیان نہیں کرسکتا تھا۔ [2]

---

1 المستدرك للحاكم، ۳/ ۹۔ ۱۱، و سنده، حسن. اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح الاسناد اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

2 طبقات ابن سعد: ۱/ ۴۱۷، مصنف ابن أبي شيبة، ۱۱/ ۵۶، ۵۱۵، مسند ابن أبي شيبة (الاتحاف، ح: ۸۵۰۷)، مسند الإمام أحمد، ۱/ ۳۶۱۔ ۳۶۲. مسند أبي يعلى (الاتحاف، ح: ۵۸۰۸)، الشمائل للترمذي، (ح: ۳۹۳) ابن عساكر (السيرة النبوية، ۱/ ۲۲۹۔ ۲۳۰) وسنده، حسن.

اس کا راوی یزید الفارسی حسن الحدیث ہے، اس کے بارے میں امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لا بأس به" اس میں کوئی حرج نہیں۔ (الجرح و التعديل: ۹/ ۲۹٤)

امام ترمذی رحمہ اللہ، (السنن، ح: ۳۰۸۶)، امام ابن حبان رحمہ اللہ، (الصحيح، ح: ٤۳) اور امام حاکم (المستدرك، ۲/ ۲۲۱، ۳۳۰) میں اس کی ایک حدیث کو صحیح کہا ہے، یہ اس کی توثیق ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

صحابہ کرام کی داڑھیاں:

کسی صحابیِ رسول سے داڑھی منڈانا قطعی طور پر ثابت نہیں ہے، بلکہ وہ داڑھیاں رکھتے تھے، جیسا کہ شرحبیل بن مسلم بیان کرتے ہیں:

"رَأَیْتُ خَمْسَةً مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ یَقُمُّونَ شَوَارِبَهُمْ وَیُعْفُونَ لِحَاهُمْ وَیَصُرُّونَهَا: أَبَا أُمَامَةَ الْبَاهِلِيَّ، وَالْحَجَّاجَ بْنَ عَامِرٍ الثُّمَالِيَّ، وَالْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِیکَرِبَ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ بُسْرٍ الْمَازِنِيَّ، وَعُتْبَةَ بْنَ عَبْدٍ السُّلَمِيَّ کَانُوْا یَقُمُّوْنَ مَعَ طَرَفِ الشَّفَةِ"[1]

"میں نے پانچ صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ مونچھوں کو کاٹتے تھے اور داڑھیوں کو بڑھاتے تھے اور ان کو رنگتے تھے، سیدنا ابوامامہ الباہلی، سیدنا حجاج بن عامر الثمالی، سیدنا مقدام بن معدیکرب، سیدنا عبداللہ بن بسر المازنی، سیدنا عتبہ بن عبد السلمی، وہ سب ہونٹ کے کنارے سے مونچھیں کاٹتے تھے۔"

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَأَمَّا شَعْرُ اللِّحْیَةِ فَفِیهِ مَنَافِعُ، مِنْهَا الزِّینَةُ وَالْوَقَارُ وَالْهَیْبَةُ، وَلِهٰذَا لَا یُرَی عَلَی الصِّبْیَانِ وَالنِّسَاءِ مِنَ الْهَیْبَةِ مَا یُرَی عَلَی ذَوِي اللُّحَی، وَمِنْهَا التَّمْیِیزُ بَیْنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ"[2]

---

[1] المعجم الكبير للطبراني، (ح: ٣٢١٨، ١٢/ ٢٦٢) مسند الشاميين للطبراني، (ح: ٥٤٠) و سنده، حسن. حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "و إسناده، جيد" اس کی سند جید ہے۔ (مجمع الزوائد: ٥/١٦٧)

[2] التبيان في أقسام القرآن، ص: ٢٣١.

"داڑھی کے کئی فوائد ہیں، مثلاً: اس میں مرد کی زینت ہے اور اس کا وقار اور تعظیم ہے، اس سے اس کی ہیبت ظاہر ہوتی ہے، اس لیے بچوں اور عورتوں میں وہ ہیبت اور وقار دکھائی نہیں دیتا جو داڑھی والے مردوں میں موجود ہوتا ہے، نیز داڑھی سے مرد اور عورت کے درمیان فرق اور پہچان ہوتی ہے۔"

فائدہ نمبر ①:

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا"[1]

"نبی کریم ﷺ داڑھی کو طول وعرض سے کاٹتے تھے۔"

تبصرہ:

اس کی سند سخت ترین ضعیف ہے، اس کے راوی عمر بن ہارون بلخی کو امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے کذاب کہا ہے۔[2]

امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ نے ضعیف الحدیث کہا ہے۔[3]

امام نسائی رحمہ اللہ نے متروک الحدیث کہا ہے۔[4]

اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے۔[5]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔[6]

حافظ منذری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ضعّفه الجمهور" اسے جمہور نے

① جامع الترمذي، (ح: ٢٧٦٢) شعب الإيمان للبيهقي، (ح: ٦٠١٩)

② الجرح والتعديل، ٦/ ١٤١، و سنده صحيح.

③ الجرح والتعديل، ٦/ ١٤١. ④ الكامل لابن عدي، ٥/ ٣٠.

⑤ الضعفاء و المتروكين، (ح: ٣٦٨) ⑥ التقريب، (ح: ٤٩٧٩)

ضعیف کہا ہے۔[1]

حافظ ہیثمی کہتے ہیں: "وقد ضعّفه أكثر النّاس"[2] اسے اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

نیز کہتے ہیں:

"وَالْغَالِبُ عَلَيْهِ الضُّعْفُ، وَأَثْنَى عَلَيْهِ ابْنُ مَهْدِيٍ وَغَيْرُهُ، وَلٰكِنْ ضَعَّفَهُ جَمَاعَةٌ كَثِيْرَةٌ"[3]

"اس پر ضعف غالب ہے، امام ابن مہدی وغیرہ نے اس کی تعریف کی ہے، لیکن اسے زیادہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔"

اس پر ابن مہدی کی تعریف ثابت نہیں ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی اس حدیث پر جرح نقل کی ہے۔[4]

حافظ ابن الجوزی لکھتے ہیں:

"هٰذَا الْحَدِيْثُ لَا يَثْبُتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"[5]

"یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔"

لہٰذا انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کا اس کے راویوں کو ثقہ قرار دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔[6]

فائدہ نمبر ۲:

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا مُجفلَ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ، فَقَالَ: عَلٰى مَا

① الترغيب والترهيب، ٤/ ٤٩٤.
② مجمع الزوائد، ١/ ٢٧٣.
③ مجمع الزوائد، ٢/ ١٩٨.
④ جامع الترمذي، (تحت حديث: ٢٧٦٢)
⑤ العلل المتناهية، ٢/ ١٩٧.
⑥ فيض الباري، ٤/ ٣٨٠.

يُشَوِّهُ أَحَدُكُمْ نَفْسَهُ أَمْس، قَالَ: وَأَشَارَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلٰی لِحْيَتِهِ وَرَأْسِهِ يَقُولُ: خُذْ مِنْ لِحْيَتِكَ وَ رَأْسِكَ“[1]

”نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا، اس کا سر اور داڑھی پراگندہ تھی۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک اپنے آپ کو کیوں بدنما بناتا ہے، آپ نے اپنی داڑھی اور سر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، اپنی داڑھی اور سر کے بالوں سے کاٹ۔“

تبصرہ:

اس کی سند سخت ترین ضعیف ہے، اس میں ابو مالک عبدالملک بن الحسین النخعی متروک راوی ہے۔[2]

حافظ ہیثمی کہتے ہیں:

”رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ عَنْ شَيْخِهِ مُوسٰى بْنُ زَكَرِيَّا التَّسْتَرِيِّ وَهُوَ ضَعِيفٌ“[3]

”اسے طبرانی نے اپنے شیخ موسیٰ بن زکریا تستری سے بیان کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔“

داڑھی منڈانے کی خرابیاں:

1 داڑھی منڈانا باعثِ لعنت ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

---

1 شعب الإيمان للبيهقي، (ح: ٦٠٢٠)

2 تقريب التهذيب، (ح: ٨٣٣٧)

3 مجمع الزوائد، ٥/ ١٦٤.

"سِتَّةٌ لَعَنْتُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ...... وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِيْ"[1]

"چھے آدمیوں پر میں بھی لعنت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرتا ہے...... (ان ملعون لوگوں میں سے ایک:) میری سنت کو چھوڑ دینے والا ہے۔"

اس کے راوی عبدالرحمٰن بن ابی الموال کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ثِقَةٌ مَشْهُوْرٌ"[2] "یہ مشہور ثقہ راوی ہے۔"

"قات المدنيين"[3] "یہ ثقہ مدنی راویوں میں سے ہے۔"

اس کا دوسرا راوی عبیداللہ بن عبدالرحمٰن بن موہب مختلف فیہ ہے، راجح قول کے مطابق وہ جمہور کے نزدیک حسن الحدیث ہے۔

یاد رہے کہ یہاں سنت سے مراد فرضی اور واجبی سنتیں، مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکاۃ، شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنا، داڑھی رکھنا وغیرہ ہیں۔

اب جو بھی شخص داڑھی منڈائے گا، وہ اس فرمانِ نبوی کے مطابق اللہ اور اس کے رسول کی لعنت کا مستحق ہو جائے گا۔

2 داڑھی منڈانا عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے اور عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا موجبِ لعنت ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ

---

[1] جامع الترمذي، (ح: ٢١٥٤، وسنده، حسن. اس حدیث کو امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ (صحیح ابن حبان، ح: ٥٧٤٩) اور امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ (المستدرك، ٢/ ٥٢٥)

[2] المغني، ٢/ ٤١٤. [3] فتح الباري، ١١/ ١٨٣.

وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ"[1]

"رسولِ کریم ﷺ نے عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔"

3 داڑھی منڈانا ہندوؤں، یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں اور مشرکوں کے ساتھ مشابہت ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ»[2]

"جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی، وہ (روزِ قیامت) انہی میں سے ہوگا۔"

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صالح کہا ہے۔[3]

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جید کہا ہے۔[4]

اور حافظ عراقی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔[5]

داڑھی منڈانا جب کافر اور باغی قوموں کا شعار ہے اور کفر کی رسم ہے تو کفار کے شعار اور ان کی رسومات کو اختیار کرنا، کیونکر صحیح اور درست ہوگا۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أَبْغَضُ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ ثَلَاثَةٌ: مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ، وَمُبْتَغٍ فِي

---

1. صحيح البخاري، (ح: ٥٨٨٥)
2. سنن أبي داود، (ح: ٤٠٣١) مسند الإمام أحمد (٢/ ٥٠) مصنف ابن أبي شيبة، ٥/ ٣١٣، شعب الإيمان للبيهقي، (ح: ١١٩٩) و سنده حسن.
3. سير أعلام النبلاء، ١٥/ ٥٠٩.
4. اقتضاء الصراط المستقيم، ١/ ٢٤٠.
5. تخريج أحاديث الأحياء، ١/ ٢٦٩.

الْإِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِءٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيقَ دَمَهُ"[1]

"اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین آدمی تین ہیں: ① حرم میں کج روی کرنے والا، ② اسلام میں کفر کی رسم تلاش کرنے والا ③ اور کسی آدمی کا ناحق خون بہانے کا متلاشی۔"

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک خط میں لکھا تھا:

"وَإِيَّاكُمْ وَالتَّنَعُّمَ وَزِيَّ الْعَجَمِ"[2]

"عیش پرستی اور عجمیوں کی وضع قطع اختیار کرنے سے بچو۔"

4 داڑھی منڈانا تمام انبیاء کی عملی طور پر مخالفت اور نافرمانی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [النور: ٦٣]

"جو لوگ اس (پیغمبر) کے امر کی مخالفت کرتے ہیں، انھیں ڈرنا چاہیے کہ ان کو کوئی آزمائش یا دردناک عذاب نہ آلے۔"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"وَجُعِلَ الذِّلَّةُ وَالصِّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي"[3]

"میرے حکم کی مخالفت کرنے والے پر ذلت و رسوائی مسلط کردی جاتی ہے۔"

---

[1] صحيح البخاري، (ح: ٦٨٨٢)

[2] مسند علي بن الجعد، (ح: ٩٩٥) وسنده، صحيح.

[3] مسند الإمام أحمد، ٢/ ٥٠، وسنده حسن، كما مر.

5 داڑھی منڈانا تمام صحابہ، تابعین، ائمہ دین اور اولیاء اللہ کی مخالفت ہے، ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾

[النساء: ١١٥]

''اور جو شخص (راہِ) ہدایت واضح ہوجانے کے بعد بھی رسول کی نافرمانی کرتا ہے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلتا ہے، ہم اسے پھیر دیتے ہیں جس طرف وہ پھرتا ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور بری ہے یہ جگہ ٹھکانے کے اعتبار سے۔''

6 داڑھی منڈانے والا نبی کریم ﷺ کی کئی سنتوں، مثلاً: وضو کرتے وقت خلال کرنے، داڑھی کو تیل لگانے، داڑھی کو کنگھی کرنے اور داڑھی کو رنگنے وغیرہ سے محروم ہوجاتا ہے۔

7 داڑھی منڈانے والا فاسق ہے اور داڑھی منڈوا کر لوگوں کو اپنے فسق پر گواہ بناتا ہے۔

8 داڑھی منڈانا ممنوع وحرام ہے اور فسق وفجور ہے، فسق وفجور کا اظہار گناہ ہے۔

9 اس حرام کام کے لیے حجام کو اجرت دی جاتی ہے اور حرام کام پر اس کا تعاون کیا جاتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ [المائدة: ٢]

''ایک دوسرے کا نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو، گناہ اور ظلم

وزیادتی کے کاموں پر تعاون نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔"

داڑھی منڈانے پر پیسہ خرچ کرنا باطل اور معصیت میں خرچ کرنا ہے، جو کہ فضول خرچی ہے، اس سے انسان شیطان کا بھائی بن جاتا ہے، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝٢٦ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوٓا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا﴾ [بني إسرائيل: ٢٧]

"فضول خرچی مت کرو، بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا۔"

10 یہ پیسے اور وقت کا ضیاع ہے۔

11 حجام کو داڑھی مونڈنے کا حکم دے کر برائی کا حکم دیا جاتا ہے۔

12 داڑھی منڈا کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی زینت کو قباحت میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ داڑھی منڈانے والا آیتِ کریمہ: ﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ [النساء: ١١٩] کے تحت اللہ تعالیٰ کو ناراض کرتا ہے۔

13 داڑھی منڈا کر زبانِ حال سے تخلیقِ الٰہی پر اعتراض کرتا ہے۔

14 داڑھی منڈانے والا آئینہ دیکھتا ہے تو قبیحِ شرعی کو اپنے زعم میں حسین سمجھتا ہے اور یہ گناہ ہے۔

15 اکثر داڑھی منڈانے والے وقار و تہذیب سے عاری ہوتے ہیں۔

16 داڑھی منڈانے والا زبانِ حال سے یہ باور کراتا ہے کہ معاذ اللہ نبی کریم ﷺ خوبصورت نہ تھے، کیونکہ آپ کے چہرہ پُر انوار پر داڑھی موجود تھی۔

17 اکثر داڑھی منڈانے والے داڑھی والوں کو حقارت اور نفرت کی نظر سے

دیکھتے ہیں۔

18 بسا اوقات داڑھی منڈانے والے داڑھی والے کو بکرا، چھیلا اور سکھ تک کہہ دیتے ہیں، یہ سنتِ رسول کا استہزاء ہے جو کہ واضح کفر ہے۔

19 غیر مسلم قومیں داڑھی منڈانے سے خوش ہوتی ہیں۔

20 داڑھی منڈانے والا اَذان اور اِقامت نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اس کا فسق اعلانیہ ہے، یہ سعادت اور اجر وثواب سے محرومی ہے۔

21 داڑھی منڈانے والا امامت کا اہل نہیں، کیونکہ وہ واضح فاسق ہے۔

22 داڑھی منڈانے والا ہیجڑوں جیسی شکل بنا کر اسلامی معاشرے کی عزت و وقار کو مجروح کرتا ہے۔

23 داڑھی منڈانا مثلہ (شکل وصورت کا بگاڑ) ہے اور مثلہ ممنوع وحرام ہے۔

سیدنا عبداللہ بن یزید الانصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنِ النُّهْبٰى وَالْمُثْلَةِ" [1]

"نبی کریم ﷺ نے ڈاکہ ڈالنے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔"

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَاتَّفَقُوْا أَنَّ حَلْقَ جَمِيْعِ اللِّحْيَةِ مُثْلَةٌ، لَا تَجُوْزُ" [2]

"امت کے علمائے کرام کا اتفاق و اجماع ہے کہ کہ داڑھی منڈانا مثلہ ہے (شکل وصورت کا بگاڑ ہے) اور یہ جائز نہیں ہے۔"

24 داڑھی منڈوانے والے کی اولاد اس گناہ کو گناہ نہیں سمجھتی، بلکہ اس میں ملوّث ہو جاتی ہے۔

---

1. صحيح البخاري، (ح: ٥٥١٦)
2. مراتب الاجماع، ص: ١٥٧.

25 داڑھی منڈانا سنتِ رسول ﷺ سے بے رغبتی ہے، جبکہ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»[1]

''جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی، وہ میرے طریقے پر نہیں ہے۔''

الشیخ خاور رشید بٹ حفظہ اللہ (مدرس: دارالعلوم محمدیہ، لوکو ورکشاپ، لاہور):

داڑھی کے حوالے سے میرا موقف وہی ہے جو عام علمائے اہلِ حدیث کا ہے کہ داڑھی رکھنا ضروری اور واجب ہے اور اسے کٹانا ہرگز درست نہیں ہے، غلط اور ناجائز ہے۔

الشیخ محمد افضل محمدی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: مدرسہ تعلیم القرآن، حیدرآباد):

ایک مشت داڑھی کاٹنے کے بارے میں مجھے جو بات سمجھ آئی ہے، وہ یہ ہے:

1 سب سے پہلے ہم محمد ﷺ کے فرامین کے پابند ہیں اور آپ ﷺ کی واضح احادیث کا تقاضا یہی ہے کہ ہم داڑھی کو بالکل نہ کاٹیں خواہ ایک مشت سے زائد ہی کیوں نہ ہو جائے۔

2 کسی صحابی کا کوئی عمل اگر مرفوع حدیث سے ٹکرا جائے اور تطبیق کی کوئی صورت نہ ہو تو ہم صحابی کے اس عمل کو چھوڑ کر مرفوع حدیث پر ہی عمل کریں گے جبکہ اس صحابی کو کسی وجہ کی بنا پر معذور سمجھیں گے۔

3 داڑھی کو بالکل نہ کاٹنے کی مرفوع روایات بیان کرنے والے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود حج اور اس کے علاوہ مواقع پر ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹتے تھے تو اس صورت میں ہم محدثین کے اصول کو اپنائیں گے کہ راوی کا

---

[1] صحیح ابن خزیمۃ، (ح: ۱۹۷) وسندہ صحیح.

عمل اگر روایت سے ٹکرا جائے تو حدیث کو لیا جائے گا نہ کہ راوی کے عمل کو۔

4 آخر کیا وجہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے متبع سنت صحابی اپنی ہی روایت کردہ حدیث کی مخالفت کرتے رہے......؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان احادیث کا جو مطلب سمجھا اس گہرائی تک ہم نہیں پہنچ سکے......؟ کیا ہماری فقہ الحدیث ایک جلیل القدر اور مشہور متبع سنت صحابی سے زیادہ ہے......؟

5 میں اپنا موقف واضح طور پر پہلے ہی نکتے میں بیان کر چکا ہوں البتہ چوتھے نکتے میں بیان کردہ سوال کے جواب میں مجھ جیسے ایک ادنیٰ طالب حدیث کے پاس سوائے چپ کے اور کچھ نہیں۔ لہٰذا میں صرف اتنا کہوں گا کہ ایک مشت سے زائد کاٹنے والے پر ہم بدعت وغیرہ کا کوئی فتویٰ نہیں لگا سکتے۔

الشیخ ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن حفظہ اللہ (لیکچرار: انجینئرنگ یونیورسٹی، لاہور):

داڑھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور اسلام کا شعار ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بڑھانے اور معاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔

کسی بھی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی داڑھی کو کٹوایا ہو یا اس کی سیٹنگ کروائی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر پڑتی تھی۔ بحیثیت مجموعی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی قولی و فعلی سنت کے مطابق تھا۔

لہٰذا داڑھی کٹوانے کے لیے کسی ایک صحابی کے خاص موقعے کے عمل کو حجت نہیں بنایا جا سکتا۔ واللہ أعلم.

الشیخ ابن بشیر الحسینوی حفظہ اللہ (مدیر: مرکز احمد بن حنبل، قصور):

داڑھی کو کسی بھی طرح کاٹنا غلط ہے اور سنت کے خلاف ہے۔

الشیخ انور شاہ راشدی حفظہ اللہ (مدیر: جامعہ دار الرشاد، سندھ):

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

داڑھی کے حوالے سے احادیث مبارکہ بخاری ومسلم وغیرھما میں آپ ﷺ سے اسے معاف کرنے کا حکم مروی ہے۔ چونکہ مجوس وغیرہ داڑھی کا صفایا کرتے تھے آپ نے ان کی مشابہت سے بچنے کے لیے اسے معاف کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

آثار میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے ایک مشت سے زائد داڑھی کو خاص موقع پر کاٹنے کا ذکر آیا ہے، جس سے بعض علمائے کرام کے نزدیک داڑھی کی مقدار کی تعیین ایک مشت کے برابر ہے...... چونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما خود داڑھی چھوڑنے والی حدیث کے راوی ہیں اور ان کا اپنا عمل کاٹنا ہے...... یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ جان بوجھ کر آپ ﷺ کی مخالفت کریں...... خصوصاً وہ اتباع سنت کے شیدائی تھے...... تو ایسے میں ان کا یہ عمل مرفوع حدیث کی تشریح ہے۔

بات یہ ہے کہ ہمیں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جلالت علمی اور سنت سے محبت کرنے میں کوئی کلام نہیں...... لیکن ان کے عمل یعنی کاٹنے کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، اب ان وجوہات میں یہ لازم نہیں کہ وہ صائب بھی ہوں...... چونکہ ایک طرف مرفوع حدیث اپنے معنی میں بالکل واضح ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل جس میں معنی کی تعیین میں کوئی اجتہاد ہو تو لازمی نہیں کہ وہ اپنے اجتہاد (یعنی حدیث کے معنی کی تعیین) میں صائب بھی ہوں...... چونکہ غلطی سے مبرا کوئی بھی نہیں، مجتہد صائب بھی ہوسکتا ہے اور خطا بھی۔ لہٰذا اس احتمال کو ترک کرتے ہوئے ہم

حدیث مرفوع کے ظاہر کو ترجیح دیتے ہیں جو اپنے مفہوم میں عدم القص پر واضح ہے۔ لہٰذا ہماری رائے یہ ہے کہ داڑھی کو معافی دینی چاہیے۔ هذا ما عندي والعلم عند ربي، والله أعلم بالصواب.

الشیخ مبشر احسن وانی المدنی حفظہ اللہ (پی ایچ ڈی اسکالر، کشمیر):

داڑھی بڑھانے یا تراشنے کے بارے میں ناچیز کا موقف یہ ہے:

① جو بات صحیح احادیث سے ثابت ہوتی ہے وہ بس یہی ہے کہ داڑھی کھلی چھوڑ دی جائے، اور جو شخص اس پر عمل پیرا ہو وہی اصل واجب پر قائم ہے۔

② اگر کوئی اس سے شرعاً عاجز ہو تو: "لا واجب مع العجز" کے اصول کے تحت وہ معذور ہے، اور عذر ختم ہوتے ہی وہ واجب اَدا کرے۔

③ جو لوگ داڑھی کے شرعی حکم سے بے خبری کی بنا پر چہرے کی خوبصورتی بڑھانے کی غرض سے عمداً داڑھی تراشتے یا مونڈھتے ہیں تو وہ نصیحت کے محتاج ہیں، تاکہ وہ اس حرام کام کے ارتکاب سے باز آئیں، اگر ایسا شخص بات مان لے تو ٹھیک ورنہ اسلامی حکومت کا قاضی اسے سزا دے۔

④ جو شخص داڑھی کے شرعی حکم سے تو واقف ہے، البتہ حکم نبوی کی توہین کرتا ہے، تو اسے توبہ کا موقع دیا جائے، اس پر حجت پوری کی جائے، اگر مان جائے تو ٹھیک، وگرنہ اسے قاضیِ وقت سزا دے۔

⑤ اگر کوئی ایک مشت سے زیادہ اس وجہ سے تراشے کہ اس کے پاس ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل دلیل ہو، تو اسے سمجھایا جائے، اگر وہ مطمئن ہو جائے تو ٹھیک، اگر مطمئن نہ ہو تو جب تک وہ مطمئن نہ ہو تب تک اسے معذور تصور کیا جائے گا۔

⑥ ایک مشت سے زائد داڑھی تراشنے کو مطلقاً سلف کی طرف منسوب کرنا محل نظر ہے۔

⑦ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے حج میں یہ مروی ہے کہ وہ ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹ دیتے تھے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسے سر کے حلق اور قصر پر قیاس کر کے داڑھی کا بھی قصر کرتے تھے، چونکہ وہ فیشن یا کبوتری شکل کا چہرہ بنانے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔

⑧ داڑھی لمبی چھوڑنے کی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے، اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ مطلقاً ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹتے تھے، تو اس کا معنی یہ ہے کہ راوی کا عمل اس کی روایت میں ٹکراؤ ہے، اور جب یہ صورتحال ہو تو اصول یہ ہے کہ راوی کی روایت ہی اس کے ذاتی عمل پر مقدم کی جائے گی۔

⑨ کیا ان تمام نصوص کو جن میں داڑھی لمبی چھوڑنے کا وجوب معلوم ہوتا ہے، انھیں صرف ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ذاتی مبنی بر اجتہاد عمل کی بنیاد پر چھوڑ دیا جائے گا؟

حق تو یہ تھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے عذر تلاش کر کے خود صحیح وصریح احادیث پر عمل کرتے ہوئے داڑھی لمبی چھوڑ دی جاتی، اور کبوتر کی دم کی صورت جیسی داڑھی سے توبہ کی جاتی۔

⑩ داڑھی سے محبت کیجیے یہ رحم دلی کی علامت ہے، عجیب بات یہ ہے کہ غیر مسلم اسے دہشت گردی کی علامت گردانتے ہیں، لہٰذا ان بھائیوں سے عرض ہے جنہوں نے داڑھی رکھی ہے کہ داڑھی کی لاج رکھیں، اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے داڑھی اور داڑھی والے سب بدنام ہوتے ہیں۔

الشیخ اقبال بن رمضان قصوری حفظہ اللہ (مدرس: دار الحدیث جامعہ کمالیہ، راجووال):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

- «أعفو اللحی»
- «أرخوا اللحی»
- «أوفوا اللحی»

عثمان بن خالد مرجالوی حفظہ اللہ (خویدم: اللجنة العلمية: من علماء الدعوة السلفية):

ہمارے لیے اسوہ ونمونہ رسول مکرم ﷺ ہیں، ان پر جو بھی نازل ہوا ہم اس کی اتباع کے پابند ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [الأعراف: ۳]

''تم پیروی کرو اس چیز کی جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ (کسی بھی) اولیاء کی پیروی نہ کرو۔ تم لوگ بہت تھوڑی نصیحت حاصل کرتے ہو۔''

لہٰذا رسول اللہ ﷺ کے داڑھی کے متعلق جو ارشادات وفرمودات وارد ہوئے ہیں، ان کی روشنی میں کسی بھی صورت داڑھی کو کاٹنا، مونڈنا قطعاً جائز نہیں... مزید براں نبی رحمت ﷺ کی موجودگی میں کسی ایسے صحابی کا نام ہمارے علم میں نہیں جو داڑھی کاٹتا یا مونڈتا ہو۔ والله أعلم وعلمه أتم وأكمل وأحكم وأبرم.

الشیخ زید حارث حفظہ اللہ (جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ):

داڑھی کے حوالے سے علمائے اہلِ حدیث کا صحیح اور معتدل موقف یہی ہے کہ اسے اوپر، نیچے، دائیں اور بائیں کسی بھی جگہ سے بالکل بھی نہیں کاٹنا چاہیے۔

محدثِ مدینہ فضیلۃ الشیخ محسن العباد حفظہ اللہ جو مسجد نبوی میں تیس سال سے

کتبِ حدیث پڑھا رہے ہیں اور پچاس سال سے جامعہ اسلامیہ میں پڑھا رہے ہیں، ان کا بھی یہی موقف ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

باقی رہی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی بات کہ وہ ایک مشت کے بعد داڑھی کٹا دیتے تھے اور چند دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ واقعی کٹاتے تھے مگر حدیث کے الفاظ کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرے الفاظ بھی داڑھی کو چھوڑنے کے بارے میں ہی ہیں مگر "أرخوا" جو لفظ ہے، یہ ایسا لفظ ہے جس کا معنی مطلق چھوڑنا ہی ہے، اس میں تقصیر کا معنی نہیں آ سکتا۔ اور یہ لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور داڑھی کو بالکل معاف کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو بنیاد بنا کر داڑھی کو کاٹنا درست نہیں ہے۔
اس بارے میں شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ داڑھی کاٹتے تھے تو انھوں نے بہت اچھی بات کہی ہے:

﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَآ أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴾ [القصص: ٦٥]

"اور اس دن وہ انھیں آواز دے کر کہے گا: تم نے رسولوں کا کیا جواب دیا۔"

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا کہ تم نے رسولوں کی کتنی کو دعوت کو قبول کیا......؟ مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن انبیاء و رسل کی اتباع کا سوال ہو گا صحابہ کرام کی اتباع کا نہیں......!

الشیخ حافظ اکرام اللہ واحدی حفظہ اللہ (خریج: جامعہ ابی بکر، کراچی):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی سنت داڑھی کو معاف کرنا ہے۔ لہٰذا داڑھی

کو کاٹنا تراشنا یا ایک مٹھ سے کم یا زیادہ کا جواز درست معلوم نہیں ہوتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے؛ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَ أَوْفُوا اللِّحَى»[1]

"مونچھوں کو خوب اچھی طرح کاٹو اور داڑھی کو وافر کرو۔"

اس حدیث کے معنی ومفہوم میں بعض علماء کی آراء ملاحظہ فرمائیں:

❁ علامہ ابن حجر العسقلانی:

"(وفرو اللحى) أي: أتركوها وافرة"[2]

"وفروا اللحى: یعنی داڑھیوں کو وافر مقدار میں چھوڑ دو۔"

❁ امام نووی:

"فَحَصَلَ خَمْسُ رِوَايَاتٍ أَعْفُوا وَأَوْفُوا وَأَرْخُوا وَأَرْجُوا وَوَفِّرُوا وَمَعْنَاهَا كُلُّهَا تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنَ الْحَدِيثِ الَّذِي تَقْتَضِيهِ أَلْفَاظُهُ وَهُوَ الَّذِي قَالَهُ جَمَاعَةٌ مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالْمُخْتَارُ تَرْكُ اللِّحْيَةِ عَلَى حَالِهَا وَأَلَّا يَتَعَرَّضَ لها بتقصير شيء أَصْلًا"[3]

"پانچ روایات ملتی ہیں: "أعفوا، أوفوا، أرخوا، أرجوا، وفروا" اور ان تمام کا معنی یہ ہے کہ داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے، حدیث سے یہی ظاہر ہے اور حدیث کے الفاظ بھی اسی

---

1. صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة، (ح: ٦٠٢)
2. فتح الباري، ١٠/ ٣٥٠.
3. شرح صحيح مسلم للنووي، ٣/ ١٥١.

بات کا تقاضا کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے بلکہ ان کے علاوہ کئی اور علماء کا بھی۔ اور افضل و پسند یہ ہے کہ داڑھی کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے اور اس میں کسی قسم کی کانٹ چھانٹ نہ کی جائے۔"

✿ شیخ ابن صالح العثیمین:

"اَلْقَصُّ مِنَ اللِّحْیَةِ خِلَافُ مَا أَمَرَ بِهِ النَّبِیُّ ﷺ فِیْ قَوْلِه (وَفِّرُوا اللُّحَی)، (أَعْفُوا اللُّحَی)، (أَرْخُوا اللُّحَی) فَمَنْ أَرَادَ اِتِّبَاعَ أَمْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاتِّبَاعَ هَدْیِهِ ﷺ، فَلَا یَأْخُذْ مِنْهَا شَیْئًا، فَإِنَّ هَدْیَ الرَّسُوْلِ ﷺ أَنْ لَا یَأْخُذ مِنْ لِحْیَتِهِ شَیْئًا، وَکَذٰلِكَ کَانَ هَدْیُ الْأَنْبِیَاءِ قَبْلَهُ"[1]

"داڑھی کو کاٹنا رسول اللہ ﷺ کے ان تمام اوامر "وفروا اللحی، "أعفوا اللحی" اور "أرخوا اللحی" کے خلاف ہے۔ پس جو کوئی بھی آپ کے حکم اور طریقہ کی اتباع چاہتا ہے وہ اپنی داڑھی سے کچھ نہ کاٹے، کیونکہ آپ ﷺ کا طریقہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی داڑھی سے کچھ نہ کاٹتے تھے بلکہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاء کا بھی یہی طریق تھا۔"

الشیخ صفدر عثمانی حفظہ اللہ (مدیر: ادارہ تحقیقات عثمانیہ، گوجرانوالہ):

اس بارے میں چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

① داڑھی رکھنا فرض ہے۔

[1] مجموع الفتاوی، ۱۱/ ۸۲.

② ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ شریعت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی آیت ہے:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ [الأعراف: ٣]

"تم پیروی کرو اس چیز کی جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ (کسی بھی) اولیاء کی پیروی نہ کرو۔ تم تھوڑے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔"

③ باقی رہا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تو وہ ایک موقع کے ساتھ خاص تھا، ہمارے لیے وہ بھی دلیل نہیں بن سکتا۔

الشیخ یوسف قصوری حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: جامعہ امام بخاری، قصور):

داڑھی کاٹنا حرام ہے۔

الشیخ شاہد شبیر حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: جامعہ بدر الہدیٰ، واہنڈو):

میں یہی سمجھتا ہوں کہ مکمل داڑھی رکھنی چاہیے۔ باقی رہا مسئلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار کا تو اس میں بھی مرفوع روایت کو ہی ترجیح دی جائے گی۔

الشیخ یحییٰ عارفی حفظہ اللہ (مدرس: دار العلوم المحمدیہ، لوکو ورکشاپ لاہور):

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے:

- «أعفوا اللحى»
- «أرخوا اللحى»
- «أوفوا اللحى»

ان احادیث سے پتا چلتا ہے کہ داڑھی کٹانا حرام ہے، جس طرح داڑھی رکھنا فرض ہے، اسی طرح داڑھی کٹانا حرام ہے۔

الشیخ طارق جاوید عارفی حفظہ اللہ (ریسرچ فیلو: دار السلام، لاہور):

داڑھی ایک مشت سے کم ہو یا زیادہ ہو، اس کو ہرگز نہیں کاٹنا چاہیے اور دلائل بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ داڑھی کو نہ کاٹا جائے۔ عمران الٰہی کا جو مضمون ضیائے حدیث میں شائع ہوا، میں اور ابو الحسن عبدالخالق صاحب اس مضمون کا باقاعدہ جواب لکھ رہے ہیں۔[1]

الشیخ عطاء الرحمٰن حفظہ اللہ (شاہدرہ، لاہور):

بڑے بڑے علماء کی اس محفل میں مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کا اپنا موقف پیش کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے، ہم تو علماء اور مشائخ کے علم سے مستفید ہوتے ہیں اور میرا میلان ان علماء کے قول کی طرف ہے جو ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔

الشیخ زبیر شیخ حفظہ اللہ (مدرس: الجامعۃ الاسلامیۃ، ملتان):

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و عمل ہمارے لیے حجت اور دلیل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [الأعراف: ۳]

''تم پیروی کرو اس چیز کی جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ (کسی بھی) اولیاء کی پیروی

[1] ابو الحسن عبدالخالق اور عمران الٰہی حفظہما اللہ کے مضمون اسی کتاب میں موجود ہیں۔

نہ کرو۔ تم تھوڑے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔"

الشیخ شاہ فیض حفظہ اللہ (مدرس: جامعہ ابی بکر الاسلامیہ، کراچی):

رسول اللہ ﷺ سے داڑھی کٹوانا قطعاً ثابت نہیں ہے نہ قولاً اور نہ ہی فعلاً اور نہ ہی تقریراً۔ ایک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے کا عمل صرف دو تین صحابہ کا ہے وہ بھی قرائن کی روشنی میں مخصوص پس منظر میں ہے، یعنی علی الاطلاق نہیں ہے ان کے انفرادی عمل سے قاعدہ بنا لینا اور جواز نکالنا محل نظر ہے۔

الشیخ عبدالرؤوف حفظہ اللہ (خریج: جامعہ اسلامیہ نصر العلوم، گوجرانوالہ):

مسئلہ ہذہ میں عدمِ جواز کے پہلو کو ہی اختیار کیا جائے۔

الشیخ ابوسفیان عباس میر محمدی حفظہ اللہ (مصنف کتبِ کثیرہ):

سنت کی ایک قسم "سنتِ ترک" بھی ہے، اس کے تحت داڑھی نہ کٹوانا اور نہ منڈوانا سنت نبوی ہے، اور یہی میرا موقف ہے۔

الشیخ اسلم بن عنایت اللہ حفظہ اللہ (مدرس: جامعہ شمس الہدیٰ، ڈسکہ):

داڑھی کے حوالے سے احوط موقف یہی ہے کہ داڑھی کو معاف کر دیا جائے۔

الشیخ یاسر فاروق حفظہ اللہ (خریج: مرکز التربیۃ الاسلامیۃ، فیصل آباد):

اس میں ہمارے موقف کی مجال ہی نہیں، نصوص قاطعہ کا وہی مفہوم و مقتضی ہے، جو اصولی ہے، جواز کے دلائل بہر حال ان کے سامنے ناکافی ہیں۔

الشیخ نوید احمد بن عبدالرحمٰن حفظہ اللہ (مدرس: جامعۃ الدعوۃ الاسلامیۃ، مریدکے):

داڑھی کے بارے میں میرا موقف مکمل داڑھی رکھنے کا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے۔ باقی جو عمل ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان کیا جاتا ہے تو وہ

ایک اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے۔ اور ویسے بھی مرفوع حدیث کے مقابلے میں صحابی کے عمل کو ترجیح نہیں دی جائے گی یہ مسلمہ قاعدہ ہے۔ اور اگر کوئی زیادہ ہی اصرار کرے تو وہ حج کے موقع پر داڑھی کاٹ لے ایک مشت سے زیادہ۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی حج کے موقع پر ہی داڑھی کاٹتے تھے۔

الشیخ عبدالرحمٰن ثاقب حفظہ اللہ (خطیب: مرکزی جامع مسجد اہلِ حدیث، سکھر):

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو اپنانے پر پابند کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب: ٢١]

''البتہ تحقیق تمھارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گھنی اور بڑی تھی اور اپنی اصلی حالت پر تھی، یعنی کہ اس میں تراش خراش نہ تھی۔ اور آپ نے ''إعفاء اللحية'' کا حکم دیا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَ أَوْفُوا اللِّحَى))[1]

''مونچھوں کو خوب اچھی طرح کاٹو اور داڑھی کو وافر کرو۔''

اس کے علاوہ متعدد احادیث ملتی ہیں، جن کی روشنی سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ داڑھی کو بالکل معاف ہی کرنا چاہیے۔

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے داڑھی کٹوانے کا آتا ہے ان کا یہ عمل حکماً

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب خصال الفطرة (ح: ٦٠٢)

مرفوع نہیں ہے کیونکہ کسی نے بھی اپنے مذکورہ عمل کے لیے کوئی دلیل یا حدیث پیش نہیں کی۔ایک مشت سے زائد داڑھی کٹوانے پر امت کا اجماع بھی نہیں رہا، بلکہ ہر دور میں اختلاف رہا ہے۔بعض اسلاف سے اگرچہ اس کا جواز ملتا ہے تو دیگر اسلاف سے اس کی کراہت بھی منقول ہے، بلکہ کٹانے کی نسبت داڑھی کو اس کی طبعی حالت پر برقرار رکھنے اور اسے اولیٰ قرار دینے والے ہر دور کے جمہور علمائے کرام ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان علماء و محدثین اور فقہائے عظام کے نزدیک بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعینِ کرام کے داڑھی کٹانے کا عمل ان کا اجتہاد اور ذاتی رائے تھی یہ عمل سنت نہ تھا۔

اسلام قرآن و سنت کا نام ہے، ہمارے لیے صرف اور صرف حجت شرعی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔یعنی کہ آپ کے اقوال، افعال اور تقریرات ہی اصل دین ہے اس کے مقابلے میں کسی بھی شخص (خواہ صحابی ہی کیوں نہ ہو یا اس سے نچلے درجے کا کوئی بھی شخص ہو) مگر جب اس کا قول و فعل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے متصادم ہو۔

الشیخ ابوبکر بن محمد افضل اثری حفظہ اللہ (مدرس: جامعہ احسان الاسلامیہ، کراچی):

ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین واضح ہیں: ”أوفوا......وفروا“

الشیخ ابوہریرہ فاروقی حفظہ اللہ (مدیر: مرکز ابن تیمیہ، بہاولپور):

دلائل کی رو سے الحمدللہ مکمل طور پر اس بات پر اتفاق ہے کہ داڑھی کے بارے کسی قسم کی بھی رعایت نہیں ہے اور داڑھی کا مکمل رکھنا واجب ہے اور اللہ کے فضل سے اسی پر اطمینان ہے۔

الشیخ ابو ثمامہ محمد یعقوب جامعی حفظہ اللہ (مذہبی راہنما: انڈیا):

ایک مشت سے زائد کاٹنے والا عمل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا حج اور عمرہ میں ان کا ذاتی عمل ہے۔ لہٰذا ایک مشت سے زائد داڑھی کٹانا بھی حرام ہے۔ ہمارے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اسوہ اور نمونہ ہے۔

الشیخ خبیب الرحمٰن حفظہ اللہ (ریسرچ فیلو: ادارۃ العلوم الأ ثریہ، فیصل آباد):

داڑھی کو معاف کردیا جائے جس طرح کہ حدیث میں ذکر ہے۔ اور جس چیز کو معاف کردیا جائے پھر اس کا کاٹنا کیسے جائز ہوگا......!

الشیخ ابو انس مختار مدنی حفظہ اللہ (مدرس: مرکز الدعوۃ السّلفیہ، ستیانہ بنگلہ، فیصل آباد):

داڑھی کے بارے میں درست بات یہی ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے لیکن اس کو سنوارنا اور صاف رکھنا بھی ضروری ہے۔

لیکن تتبع الرخص کے بغیر اگر کسی کی تحقیق یہ ہے کہ ایک مشت بھی جائز ہے تو اس پر مختلف قسم کے متشددانہ فتووں سے گریز کرتے ہوئے اپنا موقف بالدلائل ذکر کرنے پر اکتفا کیا جائے اور ایسے متنازعہ مسائل میں دوسروں کی رائے کا بھی احترام کیا جائے۔

الشیخ ارشاد الحسن ابرار حفظہ اللہ (مدرس: معہد اللغۃ، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ):

"اِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَاجِبٌ وَلَا يَجُوزُ الْأَخْذُ مِنْهَا. لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَ بِهَا وَبِإِعْفَائِهَا، وَالْأَمْرُ يَدُلُّ عَلَى الْوُجُوبِ، كَمَا شَرَحَ النَّبِيُّ ﷺ قَوْلَهُ وَفِعْلَهُ"

"داڑھی کو معاف کرنا واجب ہے اور اس سے کاٹ لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے اور اسے معاف کرنے

کا بھی۔ اور حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ نے اپنے قول وفعل سے اس کی تشریح کی ہے۔''

الشیخ ابو محمد خرم شہزاد حفظہ اللہ (مدرس: جامعہ محمدیہ، شیخوپورہ):

بعض لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذاتی عمل لے کر داڑھی کٹواتے ہیں تو یہ غلط ہے، کیونکہ حجت تو قرآن وسنت ہے، کسی بھی صحابی کا ذاتی فعل حجت نہیں ہے اور حدیث میں داڑھی کو بڑھانے اور اسے معاف کرنے کا حکم ہے، لہٰذا داڑھی کو اس کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے، اس میں کسی قسم کی کانٹ چھانٹ نہ کی جائے۔

امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا:

''بے شک رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مقابلے میں کسی کی رائے کی کوئی وقعت وحیثیت نہیں۔''[1]

مزید امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی مخالفت کرتی ہے وہ ساقط ہے اس (حدیث رسول) کے مقابلے میں کوئی رائے اور قیاس نہیں ٹھہر سکتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے قول کے ساتھ اس عذر کو ختم کر دیا ہے لہٰذا آپ ﷺ کے امر ونہی کے ساتھ کسی کے لیے کوئی امر قبول نہیں۔''[2]

اسی طرح سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت میں حج تمتع اور قران سے منع کیا کرتے تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر فرمایا:

---

[1] كتاب السنة للمروزي، ص: ٩٤.

[2] الأم للشافعي، ٢/ ١٩٣.

''میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کو کسی کے قول سے نہیں چھوڑ سکتا۔''[1]

اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ زندہ رکھے تو دین اسلام پر اور موت دے تو شہادت کی۔ آمین یارب العالمین.

الشیخ مظفر شیرازی حفظہ اللہ (شیخ الحدیث: مرکز عمر بن عبدالعزیز، سیالکوٹ):

ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے میری طرف سے دوٹوک جواب یہ ہے کہ داڑھی کو کسی بھی حوالے سے نیچے سے، اوپر سے، خط کرانا اور ایک مشت سے زائد داڑھی کٹانا قطعاً اور کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ اور فرامین گرامی بہت واضح ہیں، بلکہ وہ ایک نص کا درجہ رکھتے ہیں، جس میں کسی دوسرے معنیٰ کا کوئی احتمال نہیں ہے۔ احادیث میں واضح طور پر موجود ہے کہ داڑھی کو چھوڑ دینا، معاف کرنا، بڑھانا اور لٹکانا یہ بہت واضح الفاظ ہیں۔

ایک اور بات یہ ہے کہ داڑھی رکھنے سے مشرکوں اور مجوسیوں کی کھلی مخالفت ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وفعل سے ثابت کیا کہ داڑھی کو بالکل معاف کرنا چاہیے، پوری زندگی میں خواہ حج کا موقع ہو یا عمرے کا، یا عام حالات ہوں داڑھی کو نہیں کاٹا، نہ کانٹ چھانٹ اور نہ ہی ایک مشت کے بعد ترمیم وغیرہ کی۔ اور یہ سب سے واضح بات ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیے۔

تمام دلائل اور خود رسول اللہ ﷺ کے قول وعمل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ داڑھی کو اس کے حال پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔

---

[1] صحیح البخاري، کتاب المناسك.

الشیخ ابو المنجد العزام حفظہ اللہ (مدرس: دار الحدیث جامعہ کمالیہ، راجووال):

وَفِي الصَّحِيحَيْنِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللُّحَى خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ»، وَفِي صَحِيحِ الْبُخَارِيِّ: عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَوَفِّرُوا اللُّحَى خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ» وَفِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ: «جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللُّحَى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ» فَالْوَاجِبُ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ أَنْ يَمْتَثِلَ أَمْرَ اللهِ فِي إِعْفَاءِ لِحْيَتِهِ وَ تَوْفِيرِهَا، وَقَصِّ الشَّارِبِ وَإِحْفَائِهِ، وَلَا يَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِ أَنْ يَغْتَرَّ بِكَثْرَةِ مِنْ مَنْ خَالَفَ هَذِهِ السُّنَّةِ وَبَارَزَ رَبَّهُ بِالْمَعْصِيَةِ"

"صحیحین میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ نبی ﷺ سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ، مشرکین کی مخالفت کرو۔ اور صحیح بخاری میں نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ، مشرکین کی مخالفت کرو۔ اور صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں لٹکاؤ، مجوس کی مخالفت کرو۔ سو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ داڑھی بڑھانے، زیادہ کرنے اور مونچھوں کو کاٹنے میں اللہ کے حکم کی بجا آوری کرے اور کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ سنت کی مخالفین کی کثرت اور اپنے رب کی معصیت کے ساتھ مقابلہ کرنے والوں کی کثرت سے دھوکا کھائے۔"

الشیخ قاضی گل فراز ریاضی حفظہ اللہ (خرتج: جامعہ ریاض العلوم، دہلی۔ انڈیا):

داڑھی پر میرا موقف یہ ہے کہ داڑھی رکھنا سنت ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اور داڑھی کاٹنا سنت کے خلاف ہے جو روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی پیش کی جاتی ہے وہ ان کا ذاتی عمل تھا اور دوران حج کا عمل تھا۔

لہٰذا حدیث کے ہوتے ہوئے کسی صحابی کا ذاتی عمل قابل حجت نہیں ہے۔

الشیخ امتیاز الٰہی حفظہ اللہ (گوجرانوالہ):

داڑھی کے بارے میں بات جاری ہے، داڑھی کے بارے میں سنت اور معروف یہی ہے کہ اسے معاف کر دیا جائے۔ اور معافی یہی ہے کہ بالکل کسی قسم کی تراش خراش نہ کی جائے اور یہی بات سنت سے ثابت ہے۔

اس کے علاوہ کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار پیش کیے جاتے ہیں کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم داڑھی کی تراش خراش کرتے تھے یا تو وہ روایات ضعیف ہیں یا پھر مرفوع نہیں بلکہ صحابی کا عمل ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق داڑھی کو معاف کرنے کا ہی ملتا ہے، اور اس کی تراش خراش نہ کرنا بہتر ہے۔

البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ داڑھی کو خوشبو، تیل اور کنگھی کرتے رہنا چاہیے۔

الشیخ اعجاز بن حسن حفظہ اللہ (جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ):

”والذی ظهر لنا: عدم جواز الأخذ من اللحية، لا من طولها، ولا من عرضها، لا شعرات كثيرة، ولا قليلة، بل تترك على حالها، وأن هذا هو ظاهر الأحاديث النبوية الصحيحة، والتي بأمر فيها النبي صلی اللہ علیہ وسلم باعفاء اللحى، وارخائها“

”اور وہ جو داڑھی سے نہ لینے کا جواز ہمارے لیے ظاہر ہے، نہ اس

کے طول سے، نہ اس کے عرض سے، نہ زیادہ بال اور نہ کم بال، بلکہ اسے اس کی حالت پر چھوڑا جائے گا اور احادیثِ نبویہ صحیحہ کا یہی ظاہر ہے اور جس بارے میں نبی کریم ﷺ نے بڑھانے اور لٹکانے کا حکم دیا ہے۔"

الشیخ عبد الرحمٰن حماد حفظہ اللہ (خریج: مرکز الدعوۃ الاسلامیہ، مریدکے):

داڑھی کا جو مسئلہ ہے اس میں اس کو کاٹنا، کٹوانا، کتروانا اور مونڈنا میں ان تمام کاموں کو گناہ سمجھتا ہوں۔ اس کو معاف کرنے کا حکم ہے اور یہی صحیح بات ہے۔ باقی داڑھی کو منڈوانا خطرناک گناہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ [التین: ٤]

"البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا۔"

مجموعہ میں اس پر کافی دلائل بھی دیے گئے ہیں کہ داڑھی کو معاف ہی کرنا چاہیے کاٹنا اور کتروانا نہیں چاہیے اور یہ گناہ ہے، اللہ نہ کرے کہ داڑھی کو کٹوانے کا گناہ اس بندے کو مرنے کے بعد بھی نہ پہنچتا رہے۔

الشیخ موہب الرحیم حفظہ اللہ (مدیر: دارالکتب عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ):

داڑھی کے متعلق میری رائے تو یہی ہے کہ اس کو بالکل بھی کاٹنا نہیں چاہیے، ایک مشت سے زائد ہو یا ایک مشت سے کم ہو، اور اسی بات کو میں واجب سمجھتا ہوں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس حکم کو خاص کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ اور بہت سارے مقامات پر اس جیسی نظائر ملتی ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل حدیث کے خلاف ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

کے کئی اعذار ہیں جن اعذار کی وجوہ سے ہمیں پتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم اور ماجور ہیں ہر صورت میں، لیکن ہمارے لیے یہ گنجائش نہیں ہے کہ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کی وجہ سے حدیث پر عمل ترک کر دیں۔

مجموعہ میں بحث کے دوران بھی بعض علماء نے کہا تھا کہ "وفروا"، "وأعفوا" یہ جو الفاظ ہیں یہ مطلق ہیں، تو اگر ایک مشت جتنی داڑھی بھی رکھی جائے تو "وفروا" اور "وأعفوا" پر عمل ہو جاتا ہے، یہ بات ٹھیک نہیں ہے، "وفروا" اور "وأعفوا" مطلق ہیں، انھیں مطلق ہی رکھنا چاہیے، ایک مشت کر کے تو ہم نے ان الفاظ کو مقید کر دیا، جو اعتراض شیخ ضیاء اللہ برنی اور شیخ ابو ہشام ضیاء حفظہما اللہ نے کیا ہے، یہ کافی کمزور معلوم ہوتا ہے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ بعض لوگوں کی داڑھی ناف تک چلی جاتی ہے، بیٹھتے ہوئے دقت ہوتی ہے، بسا اوقات قضائے حاجت کرتے وقت دقت ہوتی ہے تو ان آیات کے تحت:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ [البقرة: ١٨٦]

"اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ [الحج: ٧٨]

"اور اس نے تمھارے لیے دین میں کوئی تنگی پیدا نہیں کی۔"

ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کی اس طرح طول فحش داڑھی ہو جائے، اس کے لیے داڑھی کو چھاتی تک اور مناسب مقام تک کاٹنا ان شاء اللہ

اس کی اجازت ہے، اس میں ان شاء اللہ کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، امید ہے ایسے بندے سے اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا اگر وہ داڑھی کو کاٹتا ہے۔

الشیخ فاروق الرحمٰن یزدانی حفظہ اللہ (مدرس: جامعہ سلفیہ، فیصل آباد):

داڑھی کٹانا درست نہیں ہے اور جو لوگ داڑھی کٹاتے ہیں وہ فیشن کرتے ہیں۔

الشیخ ضیغم الاسلام حفظہ اللہ (مدرس: مرکز عمر بن عبدالعزیز، سیالکوٹ):

نبی مکرم ﷺ کے فرامین مبارکہ سے جو بات سمجھ آتی ہے وہ یہ ہے کہ داڑھی رکھنا ہر مسلمان مرد پر فرض ہے اور اسے طول عرض سے تراشنا، اکھیڑنا یا مونڈنا بالکل حرام ہے۔

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے مٹھی بھر سے زائد کٹوانے کا جواز اخذ کرنا درست نہیں۔ اس کی مندجہ ذیل وجوہات ہیں:

1 اللہ تعالیٰ نے ہمیں وحی کی اتباع کا پابند کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [الأعراف: ٣]

”تم پیروی کرو اس چیز کی جو تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ (کسی بھی) اولیاء کی پیروی نہ کرو۔ تم تھوڑے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔“

اور کسی صحابی کا وہ عمل جو قرآن وحدیث سے موافقت نہ رکھتا ہو، وہ وحیِ الٰہی کے تحت نہیں آتا۔ چنانچہ مرفوع اور صحیح احادیث کے ہوتے ہوئے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو حجت بنانا درست نہیں۔

2 ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم خود داڑھی سے متعلقہ نبی کریم ﷺ کا حکم روایت

کرتے ہیں، لہٰذا ہم یہی کہیں گے کہ یہ ان صحابہ کرام کا اجتہاد تھا اور ترجیح ان کی روایت کو ہوگی ان کے اجتہاد کو نہیں۔

الشیخ حفیظ الرحمٰن حفظہ اللہ (مدرس: کلیۃ القرآن والحدیث والتربیۃ الاسلامیۃ، پھول نگر):

"أعفوا"، "وفروا"، "أوفوا" اور "أرخوا اللحی" کی نصوص کی روشنی میں میرے نزدیک داڑھی کو طول وعرض سے کٹوانا جائز نہیں ہے۔

الشیخ احمد صدیق حفظہ اللہ (مدرس: کلیۃ القرآن والحدیث والتربیۃ الاسلامیۃ، پھول نگر):

داڑھی کی مقدار مشت یا اس سے کم وبیش قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں کہیں وارد نہیں ہوئی۔ بس "أعفوا اللحی" ہی آیا ہے۔ باقی موقوف دین میں حجت ودلیل نہیں، تاوقتیکہ وہ حکماً مرفوع نہ ہو۔

الشیخ محمد عرفان اسعد حفظہ اللہ (مدیر: جامعہ اسلامیہ سلفیہ، بکھر):

میں سمجھتا ہوں کہ داڑھی سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ کانٹ چھانٹ تراش وغیرہ کرنا بالکل درست نہیں۔ داڑھی مکمل اور اپنی اصلی حالت میں ہی سنت رسول ہے باقی سب فیشن ہے

الشیخ ابراہیم طاہر کیلانی حفظہ اللہ (ریسرچ فیلو: دار السلام، لاہور):

داڑھی سنن الفطرہ میں سے ہے، "عشر من الفطرة" میں "إعفاء اللحية" بھی ثابت ہے۔ تمام انبیاء سنن الفطرہ پر عمل پیرا تھے، لہٰذا تمام انبیاء کی داڑھی لمبی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک بھی پوری اور گھنی تھی۔ "كثير شعر اللحية، كث اللحية" احادیث سے واضح ثابت بات ہے۔

"أعفوا، وفروا، أرخوا"

یہ تمام الفاظ داڑھی بڑھانے پر واضح دلالت کرتے ہیں یعنی داڑھی کو

چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ زیادہ ہو جائے، اعفاء بمعنی ترک ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ کثرت ہے، اس لیے معنی مطلق ترک کریں، یا تکثیر نتیجہ بہر حال داڑھی مکمل اور پوری رکھنے کا حکم ہے۔

اعفاء میں طوالت کا مفہوم بھی لغت سے ثابت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے انفرادی عمل پر صحابہ کے سکوت کو اجماع کہنا ہرگز صحیح نہیں بلکہ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل پر اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ردعمل کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور فرامین کو بیان کیا ہے۔

اسی بنا پر مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے داڑھی کے متعلق روایات مروی ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ رکھنی مناسب ہوگی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت میں داڑھی رنگنے کا حکم دیا ہے اسے ترشوانے کا حکم نہیں دیا۔ (مجوسی اور نصاریٰ داڑھی منڈواتے تھے اور مشرکین مکمل داڑھی رکھتے تھے)۔

الشیخ رائے عثمان عباس حفظہ اللہ (خریج: جامعہ لاہور الاسلامیہ، لاہور):

مندرجہ ذیل نکات کی بنا پر یک مشت سے زائد داڑھی کی شرعی حیثیت بالکل درست معلوم ہوتی ہے:

① ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے حجت اور حرفِ آخر ہیں، آپ سے یک مشت سے زائد کی کٹائی وغیرہ ثابت نہیں۔

② احادیثِ مبارکہ کے الفاظ پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی لمبی گھنی ہو تو اس کی کانٹ چھانٹ بالکل غیر شرعی ہے۔ الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

"أرخوا، وأعفوا، أوفوا، وفروا" وغیرھم.

الشیخ سلمان نواز حفظہ اللہ (جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ):

حدیث میں معاف کرنے کا آیا ہے۔

الشیخ قاری عبد الرحمٰن حماد حفظہ اللہ:

داڑھی کو معاف کیا جائے تھوڑی یا زیادہ کترا دینے سے معافی تو اس کو نہیں کہتے، بلکہ ساری کو چھوڑنا بالکل نہ کتروانا یہی صحیح ہے۔

الشیخ ابو القاسم حافظ محمد عرفان حفظہ اللہ (جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ):

میرا موقف بھی یہی ہے جو ان ائمہ کرام کا ہے، جو بندہ داڑھی کٹواتا ہے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل کو دلیل بناتا ہے تو اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، وہ صحابی کے عمل کی پیروی کرتا ہے، جو ہمارے لیے نمونہ بھی نہیں ہے اور جو ذات ہمارے لیے نمونہ ہے، اس کے قول اور عمل کی دو چیزوں کی مخالفت کرتا ہے اور تیسری چیز باقی صحابہ کرام کے عمل کی بھی مخالفت کرتا ہے۔

الشیخ ثنا اللہ حفظہ اللہ (مدرس: جامعہ شمس الہدیٰ، ڈسکہ):

داڑھی کو معاف کر دیا جائے یہی مسنون ہے۔

الشیخ مجیب الرحمٰن قاسم حفظہ اللہ (مدرس: جامعہ بدر الہدیٰ، واہنڈو):

داڑھی کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین بڑے تاکیدی ہیں، اور مختلف الفاظ کے ساتھ آپ سے احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کو ترتیب وار ہم ذکر کرتے ہیں:

1. «قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللُّحَی»

"مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔"

2. «وَفِّرُوا اللُّحَی» "داڑھیوں کو وافر کرو۔"

3. «أَوْفُوا اللُّحَی» "داڑھیوں کو وافی بناؤ یعنی بڑھاؤ۔"

4. «أَرْخُوا اللُّحَی» "داڑھیاں لٹکاؤ۔"

نبی مکرم ﷺ کے ان الفاظ سے بات روز روشن کی طرح واضح ہوتی ہے کہ داڑھی کے بالوں کو ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔

الشیخ عبدالحق علوی حفظہ اللہ (مدیر: اسلامک انسٹیٹیوٹ آف سٹڈیز، مظفر آباد):

داڑھی منڈانا حرام ہے، کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَعْفُوا اللُّحى وَأَحْفُوا الشَّوارِبَ»

''داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ۔''

داڑھی منڈوانا اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی سنت کو چھوڑ کر مجوسیوں اور مشرکوں کے طریقہ کو اختیار کرنا ہے۔ داڑھی کی حد کے بارے میں گزارش ہے کہ اہلِ لغت نے ذکر کیا ہے کہ وہ تمام بال جو چہرے رخساروں گالوں اور ٹھوڑی پر ہوں وہ داڑھی میں شامل ہیں اور ان میں سے کسی حصہ کے بالوں کو لینا معصیت میں شامل ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات: ''أعفوا اللحی''، ''أرخوا اللحی''، ''وفروا اللحی'' اور ''أوفوا اللحی'' کا تقاضا ہے کہ داڑھی کے کسی حصہ کے بالوں کو لینا جائز نہیں ہے، لیکن معاصی میں بھی چونکہ تفاوت ہوتا ہے، لہٰذا داڑھی منڈوانا کترانے کی نسبت زیادہ بڑا گناہ ہے، کیونکہ اس میں زیادہ نمایاں اور بڑی مخالفت ہے۔

الشیخ فرقان الٰہی سیٹھی حفظہ اللہ (خطیب: مرکزی جامع مسجد، سیالکوٹ):

پہلی بات داڑھی کا مونڈنا گناہ کا کام ہے، کیونکہ یہ رسول کریم ﷺ کے حکم کی صریح مخالفت ہے جیسا کہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

''حَدَّثَنا مُحَمَّدُ بْنُ مِنْهالٍ، حَدَّثَنا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، حَدَّثَنا عُمَرُ

بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ.وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ"

''ہمیں محمد بن منہال نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہمیں یزید بن زریع نے بیان کیا، انھوں نے کہا ہمیں عمر بن محمد بن زید نے بیان کیا، وہ نافع سے اور وہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم مشرکین کے خلاف کرو، داڑھی چھوڑ دو اور مونچھیں کتر واؤ۔''

یاد رہے: ''الأمر للوجوب'' کے تحت داڑھی بڑھانا واجب ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سنت یعنی آپ کا عمل بھی اسی کا ہے، آپ علیہ السلام سے داڑھی کاٹنا ثابت ہی نہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے صحیح بخاری کی اسی حدیث کہ دوسرے حصے پر جہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حج کے موقع کا ایک عمل ملتا ہے کہ وہ ایک مٹھی سے زائد داڑھی کو کاٹ لیتے۔

"وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ"

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی (ہاتھ سے) پکڑ لیتے اور (مٹھی) سے جو بال زیادہ ہوتے انھیں کتروا دیتے۔''

یہ عمل عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا انفرادی فعل ہے اور اس کی مختلف توجیہات محدثین نے پیش کی ہیں۔ قول نبی اکرم ﷺ پر ایک صحابی کا عمل مقدم نہیں ہوسکتا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک نبی کریم ﷺ کا حکم ہے دوسرا آپ علیہ السلام کا عمل ہے یعنی حکم پر آپ کا عمل اس حکم کی خود تبیین ہے۔ بلکہ ایک روایت اور

ہے، جو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل کے مخالف ہے:

"جَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمَجُوسِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَحَلَقَ لِحْيَتَهُ، وَأَطَالَ شَارِبَهُ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: مَا هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا فِي دِينِنَا، قَالَ: فِي دِينِنَا أَنْ نَجُزَّ الشَّارِبَ، وَأَنْ نُعْفِيَ اللِّحْيَةَ"[1]

"مجوس کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس کی داڑھی مونڈھی ہوئی تھی اور مونچھیں بڑھائی ہوئی تھیں آپ ﷺ نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہی ہمارا دین ہے۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا: لیکن ہمارے دین میں یہ حکم ہے کہ ہم اپنی مونچھیں کم کریں اور داڑھی بڑھائیں۔"

داڑھی کی بابت میرا موقف کچھ اسی طرح بھی ہے کہ یہ مردوں کو آتی ہے لہٰذا انھیں رکھنی چاہیے عورتوں کو نہیں آتی ان کے لیے رخصت ہے کہ نہ رکھیں۔ اب بات واضح ہے داڑھی بڑھانا سنت بھی ہے اور حکم بھی۔

آصف اعوان حفظہ اللہ (ریسرچ فیلو: دار الأندلس):

داڑھی کے معاملے میں احوط تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے نہ کٹوایا جائے۔ یہی ترک الشبہات کا تقاضا ہے۔ تاہم اگر کوئی آثار صحابہ کے پیش نظر کٹوا بھی لیتا ہے تو اس پر کوئی سخت حکم نہیں لگانا چاہیے۔ واللہ أعلم بالصواب.

الشیخ محمد عظیم حاصل پوری حفظہ اللہ (مدیر: المحمدیہ ریسرچ سنٹر، حاصل پور):

داڑھی انبیاء کی سنت ہے، جن میں سرفہرست کائنات کے سب سے خوبصورت چہرے والے جناب محمد ﷺ شامل ہیں، آپ ﷺ نے داڑھی خود

[1] مصنف ابن أبي شيبة، (ح: ٢٥٥٠٢)

پوری اور مکمل بغیر طول وعرض کے پکڑنے کے رکھی اور اسی کا حکم دیا۔ گویا داڑھی بغیر کانٹ چھانٹ کے آپ ﷺ کی قولی اور عملی سنت ہے۔ جس پر عمل ہر صاحب ایمان پر فرض ہے۔ کیونکہ آپ ہی کی ذات ہمارے لیے واجب الاطاعت ہے۔

اس پر چند ایک دلائل یہ ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحٰى وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ»①

"مشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھیاں بڑھاو اور مونچھیں خوب پست کرو۔"

«انْهَكُوا الشَّوَارِبَ وَاَعْفُوا اللِّحَى»②

"مونچھیں خوب صاف کرو اور داڑھیاں چھوڑ دو۔"

«اَنَّهُ اَمَرَ بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ»③

"نبی ﷺ نے حکم دیا مونچھیں کٹانے کا اور داڑھیاں بڑھانے کا۔"

«عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ ... الخ»

"دس چیزیں فطرت سے ہیں مونچھوں کو کٹانا اور داڑھی کو بڑھانا۔"

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَاَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»④

"مونچھیں کٹاؤ اور داڑھیاں چھوڑ دو مجوس کی مخالفت کرو۔"

اور حدیث میں ہے:

«اَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَاَوْفُوا اللِّحَى»⑤

---

① صحيح البخاري.
② حواله مذكور.
③ صحيح مسلم و أبو داود.
④ سنن أبي داود و صحيح مسلم.
⑤ صحيح مسلم.

”مونچھیں صاف کرو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔“

«اَنَّهُ ﷺ كَانَ كَثَّ اللِّحْيَةِ»[1]

”آپ ﷺ کی داڑھی مبارک بھاری اور گھنی تھی۔“

«وَكَانَ كَثِيرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ»[2]

”آپ ﷺ کی داڑھی مبارک بہت زیادہ بالوں والی تھی۔“

حدیث میں اس مفہوم کو پانچ الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

”اَوْفُوْا، اَعْفُوْا، اَرْخُوْا، اَرْجُوْا، وَفِّرُوْا“

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مَعْنَاهَا كُلِّهَا تَرْكُهَا عَلٰى حَالِهَا هٰذَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنَ الْحَدِيْثِ الَّذِي تَقْتَضِيْهِ اَلْفَاظُهُ وَ هُوَ الَّذِي قَالَهُ جَمَاعَةٌ مِنْ اَصْحَابِنَا وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ“[3]

”ان سب کا معنی یہی ہے کہ داڑھی کو اس کی اصل حالت پر چھوڑ دیا جائے، اور یہی حدیث کا ظاہر اور الفاظ تقاضا کرتے ہیں اور یہی جمہور اور دوسرے علماء کا فتوی ہے۔“

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”اُتْرُكُوْهَا وَلَا تَتَعَرَّضُوْا لَهَا بِتَغْيِيْرٍ“[4]

”داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑ دو اور اس میں کوئی تبدیلی نہ کرو۔“

امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ذَهَبَ قَوْمٌ اِلٰى ظَاهِرِ الْحَدِيْثِ فَكَرِهُوْا تَنَاوُلَ كُلِّ شَيْءٍ مِنَ

---

(1) شمائل ترمذي. (2) صحيح مسلم.

(3) شرح مسلم للنووي، ١/ ١٢٩. (4) شرح مسلم للنووي، ١/ ١٢٩.

اللِّحيَةِ مِنْ طُولِهَا وَعَرْضِهَا"[1]

"ایک جماعت نے حدیث کے صریح مفہوم کو پسند فرمایا۔ اور طول و عرض سے کٹانا ناپسند کیا ہے۔"

قاضی عیاض فرماتے ہیں:

"يُكْرَهُ حَلْقُ اللِّحيَةِ وَقَصُّهَا وَتَحْرِيقُهَا... الخ"[2]

"داڑھی منڈوانا، کترانا، جلانا ناجائز ہے۔"

ابن عابدین حنفی کا کہنا ہے کہ:

"مٹھی سے کم داڑھی کاٹنا جیسا کہ آجکل مغرب زدہ اور عورتوں سے مشابہت رکھنے والے مرد کرتے ہیں کسی نے بھی اسے پسند نہیں کیا۔"[3]

نوٹ:

مرکز بحث روایت سیدنا ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا حج وغیرہ کے موقع پر کچھ زائد بالوں کا کاٹنا ہے، جبکہ داڑھی رکھنے اور اسے معاف کرنے والی روایات کے یہ راوی بھی ہیں۔ امام شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَلَا يَضُرُّهُ عَمَلُ الرَّاوِي بِخِلَافِهِ خِلَافاً لِجُمْهُورِ الْحَنَفِيَّةِ وَبَعْضِ الْمَالِكِيَّةِ لِأَنَّا مُتَعَبَّدُونَ بِمَا بَلَغَ اِلَيْنَا مِنَ الْخَبَرِ وَلَمْ نَتَعَبَّدْ بِمَا فَهِمَهُ الرَّاوِيُّ وَلَمْ يَأْتِ مَنْ قَدَّمَ عَمَلَ الرَّاوِي عَلَى رِوَايَتِهِ بِحُجَّةٍ تَصْلُحُ الِاسْتِدْلَالُ"[4]

"راوی کا عمل حدیث کے خلاف حدیث کو کوئی نقصان نہیں پہنچا

---

[1] طبري لابن جرير. [2] فتح الباري، ١٠/ ٢٨٢.

[3] رد المختار، ٥/ ٢٦١.

[4] إرشاد الفحول، ص: ٥٣، كتاب الأحكام ابن حزم.

سکتا۔ ''خلافا للحنفية''، ہم اتباع حدیث کے پابند ہیں، فہم روایت کے پابند نہیں۔ جو لوگ عمل راوی کو مقدم سمجھتے ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔''

علامہ عبد الرحمن مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''بعض لوگ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اقوال و آثار سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مٹھی سے زائد داڑھی کاٹ دینی چاہیے۔ جبکہ یہ استدلال کمزور ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح صحیح روایات اس کی نفی کرتی ہیں، ان میں مطلقاً داڑھیاں چھوڑنے کا حکم ہے۔ لہٰذا مرفوع اور صریح احادیث کے مقابلہ میں ان اقوال و آثار سے دلیل پکڑنا درست نہیں، اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ احادیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے داڑھی کو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ اور اس کے طول و عرض سے کچھ بھی نہ کاٹا جائے۔''[1]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں اور یہی راجح بات ہے۔

الشیخ احسان یوسف حسینوی حفظہ اللہ (مدرس: جامعہ امام احمد بن حنبل، قصور):

داڑھی کے بارے میں جو ہم نے کتبِ احادیث کو پڑھا اور اپنے اسلاف کو پڑھا اور سنا وہ یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کریں گے، انھیں کی پیروی کریں گے اور داڑھی کے کسی ایک بال کو بھی ہم نہیں تراشیں گے۔

یہ ایک بالشت والی بات ویسے ہی فضول لگتی ہے، اور رہا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل کرنا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حج اور عمرہ پر یہ عمل کیا ہے،

[1] تحفة الأحوذي، ٤/ ١١.

تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اپنا اجتہاد ہے، ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قطعاً کوئی حکم نہیں لگائیں گے، البتہ جو لوگ آج کل اس مسئلہ پر عمل کر رہے ہیں کہ ایک بالشت سے زائد داڑھی کاٹنا جائز ہے۔ یہ بات بالکل جائز اور درست نہیں۔

لوگ پہلے ہی دین سے زیادہ پیچھے ہٹنے کی کوشش کر رہے ہیں اس کے مقابلے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر زیادہ عمل پیرا ہوں، ہمیں کیا ضرورت ہے کہ بعض اسلاف کے شاذ قول لوگوں کے سامنے بیان کرنے کی......؟

استاد محترم شیخ ابن بشیر الحسینوی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب بالوں کا معاملہ میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو ایک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے قائل ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ ہم ہر اس شخص کے بارے میں یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ جو بھی ایک بالشت سے زائد داڑھی کٹاتا ہے وہ صریح غلطی پر ہے۔

الشیخ ریاض احمد عاقب اثری حفظہ اللہ (مدرس: مرکز ابن القاسم الاسلامی، ملتان):

پیارے پیغمبر محمد بن عبداللہ الہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے آخری فرستادہ رسول و نبی ہیں۔ ان کی اطاعت واتباع اہل ایمان پر فرض ہے۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت عالم گیریت کی حامل ہے۔ آپ علیہ السلام کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور آپ علیہ السلام کی تابعداری باعث نجات اور موجب رحمت ہے۔ آپ کی فرماں برداری باعث جنت اور موجب مغفرت ہے۔ آپ علیہ السلام کی تابع فرمائی محبتِ الٰہی اور سببِ ہدایت ہے۔ آپ علیہ السلام کی اطاعت باعثِ فوز و فلاح اور سچے ایمان کی علامت ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم اطاعت باعث ذلت اور موجب ہلاکت ہے۔

آپ علیہ السلام کی نافرمانی باعث خسران اور موجب ضلالت ہے۔ آپ علیہ السلام کے فرامین کی مخالفت باعث فتنہ اور مورد طعن وملامت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کو طاقِ نسیان بنانا ابطال صالحات اور احباط اعمال کا سبب ہے۔ آپ علیہ السلام کے فرمودات کو رد کرنا عذاب الیم کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور اقوال کا استہزاء واستخفاف سراسر خسارے اور گھاٹے کا سودہ ہے۔

مذکورہ بالا دعویٰ کے اثبات میں قرآن وحدیث میں بکثرت نصوصِ صحیحہ اور ادلہ صریحہ موجود ہیں۔ ہم صرف یہاں قرآن مجید کی چند نصوص ذکر کریں گے:

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت کے اثبات میں اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾ [الأحزاب: ٤٠]

”محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور تمام انبیاء (کے سلسلے کو) ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے۔“

رسالت محمدیہ کی عالم گیر رسالت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، فرمایا:

﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ا۟لَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ [الأعراف: ١٥٨]

"آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، جس کی بادشاہت تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ وہی زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے۔سو تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے امی نبی رسول پر جو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتا ہے۔ اور تم اس (رسول) کی اتباع کرو تا کہ تم راہ ہدایت پا جاؤ۔"

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع کی فرضیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴾ [المائدة: ٩٢]

"اور تم اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور احتیاط رکھو اگر تم اعراض کرو گے تو جان لو ہمارے رسول کے ذمے صرف واضح پہنچا دینا ہے۔"

اور آپ علیہ السلام کی اتباع کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾ [الأعراف: ١٥٨]

"اور تم اس (رسول) کی اتباع کرو تا کہ تم راہ ہدایت پا لو۔"

محمد رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، فرمایا:

﴿ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ﴾ [النساء: ٨٠]

"جو رسول (ﷺ) کی اطاعت کرے گا تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت

کی اور جو بے رخی اختیار کرے گا تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔"

مطیعِ رسول کے لیے جن انعامات و فوائد کا باری تعالیٰ نے اپنی لا ریب کتاب میں تذکرہ فرمایا ہے، ان میں چیدہ چیدہ حسبِ ذیل ہیں:

1 اطاعت رسول باعث رحمت۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ [النور: ٥٦]

"اور تم رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

2 اطاعت رسول باعثِ ہدایت ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴾ [النور: ٥٤]

"اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی تابع داری کرو، پس اگر تم نے روگردانی کی تو رسول کے ذمے تو صرف وہی ہے جو اس پر لازم کر دیا گیا ہے۔ اور تمھارے ذمے وہ ہے جس کے تم (مکلّف) بنائے گئے ہو۔ اور اگر تم رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو تم ہدایت پا جاؤ گے۔ اور رسول کے ذمے تو واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔"

3 اطاعت رسول باعث فوز فلاح اور نجات ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٥١﴾ وَ مَنْ

يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾

[النور: ٥١– ٥٢]

''اہلِ ایمان کا قول تو یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دی جاتی ہے، تا کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے، اللہ سے ڈریں اور تقویٰ اختیار کریں گے تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔''

ایک دوسرے مقام پر یوں فرمایا:

﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴾ [الأحزاب: ٧١]

''اور جو بھی اللہ ا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو پس وہ کامیاب ہوا، بڑا ہی کامیاب ہونا۔''

4 اطاعتِ رسول باعثِ جنت۔ فرمانِ عزوجل ہے:

﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [النساء: ١٣]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''

5 اطاعتِ رسول باعث بہترین رفاقت۔ ربِ کریم کا فرمان ہے:

﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾

[النساء: ٦٩]

''اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ جیسے نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ، اور یہ بہترین رفاقت ہے۔''

6 اتباعِ رسول موجبِ حبِ الٰہی اور باعثِ مغفرت۔ اللہ ذوالجلال کا فرمان گرامی ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [آل عمران: ٣١]

''کہہ دیں کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو، سو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

یہ تو رسول مقبول ﷺ کی اطاعت و تابع داری کا پہلو تھا، اب ذرا مخالف پہلو یعنی عدم اطاعت اور نافرمانی کا پہلو بھی ملاحظہ فرما لیجیے!

1 عدمِ اطاعت رسول باعث گمراہی و ضلالت۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ [الأحزاب: ٣٦]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ واضح گمراہ ہوگیا۔''

2 عدمِ اطاعتِ رسول باعثِ غارت اعمال۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ﴾ [سورة محمد: ٣٣]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال غارت و برباد نہ کرو۔''

3 مخالفتِ رسول باعثِ رسوائی و ذلت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِی الْاَذَلِّیْنَ ﴾ [المجادلۃ: ۲۰]

''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں سے ہیں۔''

4 عدمِ اطاعتِ رسول باعثِ جہنم اور موجبِ عذاب۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا وَ لَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴾ [النساء: ۱۴]

''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کردہ حدود تجاوز کرے اسے وہ آگ میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''

ایک مقام پر یوں فرمایا:

﴿ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴾

[النساء: ۱۱۵]

''جو شخص راہ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کی راہ چھوڑ کر کسی اور راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے پھیر دیتے ہیں، جدھر وہ پھرے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ (جہنم) لوٹنے کی بُری جگہ ہے۔''

5 نبی کریم ﷺ کے فرامین کی نافرمانی اور ان کے احکام سے سرتابی باعثِ فتنہ۔ فرمانِ ربانی ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ [النور: ٦٣]

''جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں انھیں فتنہ و آفت پکڑے یا انھیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔''

مندرجہ بالا آیات کریمات سے جہاں اطاعت رسول ﷺ کے فوائد و انعامات اور عدمِ اطاعت و مخالفت رسول کے نقصانات بیان ہوئے، وہاں رسول معظم ﷺ کی تشریعی حیثیت بھی اجاگر ہوئی، درحقیقت جس طرح کائنات سماوی میں کئی نظام شمسی ایسے نظام کا آفتاب اپنے نظام قطام کے آفتاب کی مرکزیت سے وابستہ ہے، یہی حیثیت ہر آیت مبارکہ میں رسول امین ﷺ کی ہے۔

آپ ﷺ مستقل ایک مطاع و مقتدا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت، نظام شریعت کا قیام، حدودِ الٰہی کی اقامت اور امت کا نظام تربیت کی بقا کا مضمر ہے۔ لٰہذا ہر حرکت، ہر عمل اور ہر فکر میں سلیم المطبع انسان کی توجہ کا مرکز محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کا ہونا ضروری ہے۔

اللہ عزوجل کی طرف سے محمد مصطفیٰ ﷺ کو تشریعی اختیارات حاصل ہیں۔ آپ علیہ السلام کے فیصلے انھیں فیصلوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے بعد کسی کو بھی اختیار باقی نہیں رہتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴾ [الأحزاب: ٣٦]

''اور کسی مومن مرد اور کسی مومنہ عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے

فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔“

رسول کریم ﷺ کے قول، بات، حدیث یا فیصلے سے اختلاف تو کجا دل میں تنگی و انقباض بھی محسوس کرنا ایمان کے سراسر منافی ہے۔ فرمان تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ [النساء: ٦٥]

”سو قسم ہے تیرے رب کی! یہ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف و مشاجرت میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ ان کے درمیان کر دیں، ان سے وہ اپنے دلوں میں کسی طرح کی تنگی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کریں۔“

قرآنِ مقدس میں اللہ تعالیٰ نے ایک جامع اصول بیان فرمایا ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر: ٧]

”جو چیز تمھیں رسول دے دے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کر دے، اس سے رک جاؤ۔“

یہ آیت مبارکہ میں ایک اہم اور جامع اصول بیان کر دیا گیا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اصول کو عام سمجھا ہے، جیسا کہ کتبِ حدیث میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ صحیح البخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ام یعقوب کا واقعہ ہے۔ یہاں تفصیل کا مقام نہیں ہے۔ صحیح بخاری میں مفصل واقعہ دیکھا جا سکتا ہے۔[1]

[1] صحيح البخاري، (ح: ٤٨٨٥)، صحيح مسلم، (ح: ٢١٢٥)

یہاں یہ واضح کرنا مطلوب ہے کہ یہ ایک جامع اصول ہے، اس میں وہ تمام اوامر و احکام شامل ہیں جو بارگاہ رسالت سے جاری ہوئے اور وہ تمام نواہی مراد ہیں جن کے متعلق رسالت مآب ﷺ کی طرف سے حکم امتناعی جاری ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کے من جملہ احکام و اوامر میں ایک تاکیدی حکم اور انتہائی اہم امر داڑھی بڑھانے کا ہے جس کے بارے میں آج مسلمان عذر کا شکار ہیں۔

بعض تو ایسے ہیں جو صریحاً اس فرمان رسول کی مخالت کرتے ہیں بلکہ داڑھی رکھنے والوں سے مزاق و استہزاء کرتے ہیں اور بعض دوسرے ایسے ہیں جو دور کی تاویلات کا سہارا لے کر داڑھی کاٹنے اور تراشنے کے قائل و فاعل ہیں اور تیسرا طبقہ ایسا بھی جنم لے چکا ہے کہ وہ لمبی داڑھی دیکھ کر شرم محسوس کرتا ہے اور لمبی داڑھی والے کو کاٹنے، تراشنے اور تہذیب کا درس دینے لگا ہے۔ یہ تمہیدی نگارشات تحریر کرنے کا یہی مقصد ہے کہ یہ طبقات اپنے فاسدہ خیالات سے رجوع کریں اور حکم رسول ﷺ کو دل و جان سے قبول کریں۔

امید واثق ہے کہ یہ کوتاہ اندیش داڑھی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے فرامین پر غور وفکر کریں گے۔

اب ہم داڑھی کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے تاکیدی حکم کا ذکر کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَ وَفِّرُوا اللُّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَفِي رِوَايَةٍ: أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللُّحَى»

”مشرکین کی مخالفت کرو اور داڑھی خوب بڑھاؤ اور مونچھیں پست کرو۔“

اور ایک روایت میں یوں فرمایا:

''مونچھیں اچھی طرح کاٹو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔''[1]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللُّحَى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ»[2]

''مونچھیں کاٹو اور داڑھی بڑھاؤ، مجوس کی مخالفت کرو۔''

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُصُّوا الشَّوَارِبَ وَ أَعفُوا اللُّحَى»[3]

''مونچھیں تراشو اور داڑھی بڑھاؤ۔''

یہ تمام احادیثِ صحیحہ کا تقاضا ہے کہ داڑھی رکھنا، بڑھانا اور اس کی حالت پر چھوڑنا فرض ہے اور اسے کاٹنا اور مونڈنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو داڑھی سے مزین کر کے انھیں عورتوں سے ممتاز کیا ہے۔ یہ داڑھی مردوں کی زینت اور شعار ہے۔ جو لوگ داڑھی منڈواتے ہیں وہ عورتوں سے مشابہت کرتے ہیں اور عورتوں سے مشابہت کرنا حرام ہے۔ لہٰذا داڑھی مونڈنا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے مشابہت کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''لَعَنَ رَسُولُ اللّٰهِ اَلْمُتَشَبِّهِينَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ''[4]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے مردوں پر لعنت کی ہے جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں اور ایسی عورتوں پر لعنت کی جو مردوں کی مشابہت

---

[1] صحیح البخاری(۵۸۹۲)، صحیح مسلم(۲۵۹) [2] صحیح مسلم، (ح: ۲۶۰)
[3] طبراني في الأوسط، ۱۰/ ۱۹۴، (رقم: ۹۴۲۲) [4] صحیح البخاري، (ح: ۵۸۸۵)

اختیار کرتی ہیں۔"

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَلَا مَنْ تَشَبَّهَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ» [1]

"وہ ہم میں سے نہیں جو عورتیں مردوں کی مشابہت کرتی ہیں اور جو مرد عورتوں سے مشابہت کرتے ہیں۔"

داڑھی منڈوانا اس لیے بھی حرام ہے کہ اس سے کفار و مشرکین اور یہود و نصاری کی مشابہت ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی مخالفت کا حکم دیا ہے، جیسا کہ گذشتہ احادیث میں یہ بات گزر چکی ہے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ہم نے کہا:

"إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَقُصُّونَ عَثَانِينَهُمْ وَيُوَفِّرُونَ سِبَالَهُمْ قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: قُصُّوا سِبَالَكُمْ وَوَفِّرُوا عَثَانِينَكُمْ وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ" [2]

"اہل کتاب اپنی داڑھی کاٹتے ہیں اور مونچھیں چھوڑتے ہیں تو آپ نے فرمایا: تم مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔"

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے پاس مجوس کا ذکر ہوا تو

[1] مسند أحمد، ۱۱/ ٤٦٢، (رقم: ٦٨٧٥) وصححه الشعيب الأرناؤوط.

[2] مسند أحمد، ٥/ ٢٦٤، وحسنه الحافظ في الفتح، ٢/ ٣٥٤، وصححه الألباني راجع الصحيحة، (ح: ١٢٤٥)

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّهُمْ يُوَفِّرُوْنَ سِبَالَهُمْ وَيَحْلِقُوْنَ لِحَاهُمْ فَخَالِفُوْهُمْ»①

''بے شک وہ اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں منڈواتے ہیں، لہٰذا تم ان کی مخالفت کرو۔''

داڑھی بڑھانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ فطرت کے عین مطابق ہے اور اسے کاٹنا، تراشنا اور مونڈوانا فطرت کے خلاف ہے۔ آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

«عَشْرَةٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ...»②

''دس خصال فطرت میں شامل ہیں جن میں سے مونچھیں تراشنا اور داڑھی بڑھانا بھی ہے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مِنَ فِطْرَةِ الْإِسْلَامِ: اَلْغُسْلُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَلْاستنان، وَأَخْذُ الشَّارِبَ وَإِعْفَاءُ اللُّحى، فَإِنَّ الْمَجُوْسَ تُعْفِي شَوَارِبَهَا وَتُحْفِيْ لُحَاهَا فَخَالِفُوْهُمْ خُذُوْا شَوَارِبَكُمْ وَأَعْفُوْا لُحَاكُمْ»③

''اسلام کی فطرت سے ہے: جمعہ کے دن غسل کرنا، دانتوں کا خلال کرنا، مونچھیں کاٹنا، داڑھی کو بڑھانا، سو یقیناً مجوسی اپنی مونچھیں بڑھاتے

---

① صحيح ابن حبان، (ح: ٥٤٥٢) و البيهقي فى السنن، ٧/ ١٥١، وفي الشعب، ٥/ ٢٢٢، فقال الألباني: هذا إسناده جيد. راجع الصحيحة، (ح: ١٨٣٤)

② صحيح مسلم، (ح: ٢٦١) و أحمد، ٦/ ١٣٨. و أبو داود، (ح: ٥٣) و الترمذي، (ح: ٢٧٥٧)، النسائي، ٨/ ١٢٦، ابن ماجه، (ح: ٢٩٣) و ابن خزيمة، (ح: ١٨٨)

③ صحيح ابن حبان، (ح: ١٢٢١) و بخاري في التاريخ الكبير، ١/ ١٣٩، (ح: ٤١٩) وجود إسناده الألباني في الصحيحة، ٧/ ٣٣١- ٣٣٢، (ح: ٣١٢٣).

ہیں اور داڑھیاں کاٹتے ہیں۔ سو تم ان کی مخالفت کرو، اپنی مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ۔“

داڑھی کاٹنا یا منڈوانا اس لیے بھی حرام ہے کہ اس سے تخلیقِ الٰہی کو بدلنا لازم آتا ہے۔ اور تخلیقِ الٰہی کا بدلنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شیطان کی فرمانبرداری ہے۔ ابلیسِ لعین نے کہا تھا:

﴿ وَ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴾ [النساء: ١١٩]

”اور یقیناً میں ضرور انھیں گمراہ کروں گا اور یقیناً میں ضرور انھیں آرزوئیں دلاؤں گا اور یقیناً میں ضرور انھیں حکم دوں گا، یقیناً وہ ضرور چوپاؤں کے کان کاٹیں گے اور یقیناً میں ضرور انھیں حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت کو بدلیں گے اور جو کوئی شیطان کو اللہ کے سوا دوست بنا لے، تو اس نے خسارہ اٹھایا واضح خسارہ۔“

اب جو داڑھی مونڈے یا کاٹے وہ اللہ کی تخلیق کو بدلتا ہے اور یہ شیطان لعین کا پیروکار ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے خوبصورتی کی وجہ سے اللہ کی تخلیق بدلنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔[1]

داڑھی رکھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ یہ حضرت انبیاء کی سنت ہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی کا اثبات قرآنِ مجید سے ہوتا ہے:

﴿ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَ لَا بِرَاْسِيْ ﴾ [طه: ٩٤]

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: صحیح البخاري، (ح: ٤٨٨٥)، صحیح مسلم، (ح: ٢١٢٥)

''میری داڑھی اور میرے سر کو نہ پکڑ۔''

تمام انبیاء مرسلین داڑھیوں سے مزین تھے۔جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ''دلائل النبوة'' میں ذکر کیا ہے۔[1] خود آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھنی داڑھی تھی اور بکثرت بال تھے۔[2]

آپ کی سیرت اور اسوہ ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔آج ہم غیروں کی نقالی میں اپنے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو بھول جاتے ہیں۔ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اسوہ پر ناز کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الأحزاب:٢١]

''البتہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (زندگی میں) تمھارے لیے بہترین نمونہ ہے۔''

مذکورہ بالا ادلہ قویہ داڑھی رکھنے اور بڑھانے پر واضح طور پر دلالت کر رہے ہیں۔ اطاعت رسول کے تناظر میں ہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سمع و اطاعت کرنا لازم و ضروری ہے، جیسا کہ اہلِ ایمان کا شیوہ ہے کہ وہ آپ علیہ السلام کی سمع و اطاعت کرتے ہیں۔ہمیں رسول اکرم علیہ السلام کے ان واضح فرامین کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔آپ علیہ السلام کے داڑھی رکھنے کے ان اوامر کی مخالفت کرنا عذابِ الیم کو دعوت دینا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ

---

[1] دلائل النبوة، ١/ ٣٨٥، وقال الحافظ ابن كثير: "اسناده لا بأس به". تفسير ابن كثير، ٣/ ٤٨٤، طبع مكتبه ابن تيميه.

[2] صحيح مسلم، (ح: ٢٣٤٤)، سنن النسائى، (ح: ٥٢٣٢) وصححه الألبانى. ومسند أحمد، ٢/ ١٠٢.

يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [النور: ٦٢]

''جو لوگ رسول کی مخالفت کرتے ہیں انھیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں انھیں فتنہ نہ آلے یا انھیں دردناک عذاب نہ آن پہنچے۔''

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا﴾

[النساء: ١١٥]

''جو شخص راہ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کی راہ چھوڑ کر کسی اور راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرے اور اسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔''

درج بالا دلائل سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ داڑھی مونڈنے کے ساتھ ساتھ اسے کاٹنا، تراشنا، اوپر، نیچے یا دائیں بائیں سے کترنا، ٹھپ کرانا، یا مشت رکھنا یہ سب خلافِ سنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے، جس کا تقاضا ہے کہ اسے اپنی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ یہی عین فطرت ہے۔ اس کی تراش خراش کرنا، کاٹنا، کُترنا وغیرہ فطرت کے منافی ہے اور مخالفتِ رسول کے زُمرے میں آتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''فَحَصَلَ خَمْسُ رِوَايَاتٍ: أَعْفُوْا وَأَوْفُوْا وَأَرْخُوْا وَأَرْجُوْا وَوَفِّرُوْا، وَمَعْنَاهَا كُلُّهَا تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا، هَذَا هُوَ الظَّاهِرُ مِنَ الْحَدِيْثِ الَّذِيْ تَقْتَضِيْهِ أَلْفَاظُهُ وَهُوَ الَّذِيْ قَالَهُ جَمَاعَةٌ

مِنْ أَصْحَابِنَا وَغَيْرِهِمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ"[1]

''تو اس طرح پانچ روایات ہوئیں: ''أعفوا وأوفوا وأرخوا وأرجوا و وفروا'' ان تمام الفاظ و روایات کے معنی یہ ہیں کہ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دینا، حدیث کے ظاہری الفاظ کا یہی تقاضا ہے، ہمارے اصحاب (شوافع) میں سے ایک جماعت اور دیگر علماء کا بھی یہی قول ہے۔''

اسی طرح علامہ شوکانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''قَوْلُهُ: وَفِّرُوا اللُّحى، وَهِيَ إِحْدَى الرِّوَايَاتِ، وَقَدْ مِنْ مَجْمُوعِ الْأَحَادِيْثَ خَمْسُ رِوَايَاتٍ: أَعْفُوا وَأَوْفُوا وَأَرْخُوا وَأَرْجُوا وَوَفِّرُوا، وَمَعْنَاهَا كُلُّهَا تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا''[2]

''آپ علیہ السلام کا فرمان کہ داڑھیاں بڑھاؤ اور یہ روایات میں سے ہے اور مجموعہ احادیث سے پانچ روایات جمع ہوتی ہیں کہ داڑھیاں چھوڑ دو، داڑھیاں بڑھاؤ، داڑھیاں دراز کرو، داڑھیاں لمبی کرو اور داڑھیاں پوری رکھو اور ان تمام کا یہی معنی ہے کہ اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔''

معلوم ہوا کہ احادیث سے ثابت شدہ الفاظ ''اعفاء، ایفاء، ارخاء، ارجاء اور توفیر'' کا تقاضا ہے کہ داڑھی کو اپنی فطرت پر چھوڑ دو۔ لہٰذا اسے مونڈنا، کترانا، کاٹنا، خط یا لفافہ بنانا، اوپر نیچے دائیں یا بائیں کسی بھی طرف سے ٹھپ بنوانا ناجائز ہے۔ اور یہ سب داڑھی بڑھانے کے حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے۔

[1] شرح مسلم للنووي، ١/ ١٢١. [2] نيل الأوطار، ١/ ١١٦.

یاد رہے! احادیث میں مذکور تمام الفاظ امر کے ہیں قاعدہ شرعیہ ہے:

"اَلْاَصْلُ فِی الْأَوَامِرِ هُوَ الْوَاجِبُ" "امر وجوب کے لیے ہوتا ہے۔"

یہاں امر کے صیغے داڑھی بڑھانے کے کی فرضیت پر دلالت کر رہے ہیں اور حقیقت وجوب سے ندب واستحباب کی طرف پھیرنے والا کوئی قرینہ نہیں ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

آپ داڑھی بڑھانے اور اس کو اپنی حالت پر چھوڑنے کا کہہ رہے کہ جبکہ جامع ترمذی میں حدیث ہے کہ آپ ﷺ طول وعرض سے داڑھی کاٹتے تھے اور خود راویِ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی داڑھی تراشتے تھے؟

الجواب:

جامع ترمذی کی جس روایت کا آپ نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

"أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَ طُولِهَا"[1]

یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔اس کی سند میں عمرو بن ہارون راوی ہے جو سخت ضعیف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بذاتہ خود حدیث ذکر کر کے امام بخاری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ عمرو بن ہارون کی روایت بالکل بے اصل ہے۔عمرو بن ہارون راوی پر سخت جرح ہے۔[2]

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔[3] یہ موضوع اور بے اصل روایت احادیث صحیحہ وصریحہ کا کس طرح مقابلہ کر سکتی ہے؟ لہٰذا اس قسم کی ضعیف حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے۔

---

[1] جامع الترمذي، (ح: ٢٧٦٢)

[2] تفصیل کے لیے دیکھیں: تهذيب التهذيب للحافظ ابن حجر العسقلاني، ٤/ ٣١٧.

[3] سلسلة الضعيفة، ١/ ٣٠٤.

باقی رہا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ذاتی فعل کہ وہ داڑھی ترواشتے تھے:

اولاً: یہ یاد رکھنا چاہیے کہ کسی بھی صحابی کا ذاتی فعل وہ مرفوع حدیث کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

احناف کے مایہ ناز محقق عالم دین عبدالحی لکھنوی حنفی لکھتے ہیں:

''صحابی کا قول وعمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اگرچہ صحابی کے قول کی سند صحیح بھی کیوں نہ ہو۔''[1]

احناف کے مناظر عالم دین سرفراز صفدر لکھتے ہیں:

''قول صحابی حجت نہیں۔''[2]

لہٰذا یہاں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل قابلِ حجت نہیں ہے۔

ثانیاً: ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے عمومی اور یہ استدلال کرنا بھی محل نظر ہے، کیونکہ ان کا فعل حج وعمرہ کے ساتھ خاص تھا، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اب اس سے عام حالات میں یہ کام شروع کر دینا کونسی دانش مندی ہے...؟

ثالثاً: ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فعل سے استدلال اس لیے بھی غلط ہے، کیونکہ:

''اَلْعِبْرَۃُ بِمَا رَوٰی لَا بِمَا رَأٰی''

''اعتبار مرفوع روایت کا ہوگا موقوف کا نہیں۔''

رابعاً: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قابلِ احترام ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا ہے، اور انھیں معاف کر چکا ہے، ان کی اجتہادی لغزشات بھی معاف ہیں۔ ہم میں سے کون ہے جو صحابی کا مقابلہ کر سکے۔ لہٰذا ہمیں ایسے استدلال کرنا زیب نہیں دیتے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ سے معافی ومغفرت کا ہر وقت طالبگار رہنا چاہیے۔

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھیں: التعليق الممجد، ص: ۹۹. غيث الغمام، ص: ۱۵۵.

[2] أحسن الكلام (۲/ ۱۴۲)

آخر میں استدعا ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے فرامین پر عمل پیرہ ہوکر داڑھی رکھنی چاہیے، کیوں کہ داڑھی رکھنا حضرات انبیاء و مرسلین کی سنت اپنانا، فطرتِ اسلام کو اپنانا، کفار و مشرکین اور شیطان کی مخالفت کرنا، عورتوں کی مشابہت سے بچنا اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور آپ علیہ السلام کے حکم کی تابع داری کرنا ضروری ہے۔

اور داڑھی مونڈنا، کاٹنا یا ترشوانا فطرتِ الٰہی و تخلیقِ الٰہی کو بدلنا، انبیاء و مرسلین کی سنت کی مخالفت کرنا، کفار و مشرکین اور خواتین کی مشابہت اختیار کرنا، شیطان کی فرمانبرداری کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو ٹھکرانا ہے۔

اب فیصلہ ہم نے کرنا ہے کہ ہم کس کے ساتھ ہیں......؟ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ یا شیطان اور اس کے چیلوں کے ساتھ......؟

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی تابع داری کرنے کی توفیق بخشے اور اس کی مخالفت سے بچائے رکھے اور ہمیں حق بات واضح ہو جانے کے بعد اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

الشیخ خالد بن بشیر مرجالوی حفظہ اللہ (مدرس وخطیب: جامعہ محمدیہ، اہل الحدیث، گوجرانوالہ):

داڑھی رکھنا اور اسے بڑھانا فرض ہے؛ جبکہ اسے مونڈنا، منڈانا کاٹنا اور کٹانا حرام اور گناہ ہے، نبی ﷺ نے داڑھیوں کو بڑھانے کا حکم دیا ہے، چند اَحادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»[1]

---

[1] صحيح البخاري، (ح: ٥٨٩٢)

''مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو وافر کرو اور مونچھوں کو خوب پست کرو۔''

۲۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«انْهَكُوا الشَّوَارِبَ، وَأَعْفُوا اللِّحَى»[1]

''مونچھوں کو خوب کاٹو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ۔''

۳۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ، وَأَوْفُوا اللِّحَى»[2]

''مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھوں کو خوب کاٹو اور داڑھیوں کو (بلا نقص) پورا کرو۔''

۴۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحَى خَالِفُوا الْمَجُوسَ»[3]

''مونچھوں کو کاٹو، اور داڑھیوں کو (بغیر لپیٹے) لٹکاؤ، مجوس کی مخالفت کرو۔''

حکم فرض اور وجوب کے لیے ہوتا ہے، اور کتاب وسنت میں ایسا کوئی قرینہ صارفہ نہیں جو توفیرِ لحیہ کے حکم کو فرض اور وجوب سے پھیر دے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول، فعل یا تقریر سے داڑھی کا کاٹنا ثابت نہیں، اور ہم صرف ربّ تعالیٰ

[1] صحيح البخاري، (ح: ۵۸۹۳)

[2] صحيح مسلم، (ح: ۲۵۹)

[3] صحيح مسلم، (ح: ۲۶۰)

کی نازل کردہ وحی کی اتباع کے مکلف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ [الأعراف: ۳]

''تم اس چیز کی پیروی کرو جو تمھاری طرف تمھارے رب کی طرف نازل کیا گیا ہے اور اس کے اولیاء کی پیروی نہ کرو۔ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔''

داڑھی کٹانے کے حوالے سے اگر کوئی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کا فعل اس لیے پیش کرتا ہے کہ وہ حدیثِ لحیہ کے راوی ہیں اور وہ اپنی روایت کو زیادہ سمجھتے ہیں! تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان کی ذکر کردہ حدیث کے مکلّف ہیں، ان کے عمل اور ان کی رائے کے مکلّف نہیں، حسب قاعدہ:

''اَلْعِبْرَةُ بِمَا رَوٰی، لَا بِمَا رَأٰی''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آیتِ تیمّم کے ناقل ہیں؛ لیکن اس بارے میں ان کی رائے اور فتویٰ مختلف ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

''عَنْ شَقِيقٍ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا، أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّي، فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [النساء: ۴۳] فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هٰذَا لَأَوْشَكُوا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَتَيَمَّمُوا الصَّعِيدَ. قُلْتُ: وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هٰذَا لِذَا؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَلَمْ

تَسْمَعُ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ: بَعَثَنِی رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فِی حَاجَةٍ، فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِی الصَّعِیدِ کَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، فَذَکَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ ﷺ، فَقَالَ: إِنَّمَا کَانَ یَکْفِیكَ أَنْ تَصْنَعَ هٰکَذَا، فَضَرَبَ بِکَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَی الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا ظَهْرَ کَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِکَفِّهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ یَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ؟ وَزَادَ یَعْلَی، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِیقٍ. کُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ وَأَبِی مُوسَی، فَقَالَ أَبُو مُوسَی: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ بَعَثَنِی أَنَا وَأَنْتَ، فَأَجْنَبْتُ فَتَمَعَّکْتُ بِالصَّعِیدِ، فَأَتَیْنَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَأَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا کَانَ یَکْفِیكَ هٰکَذَا. وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَکَفَّیْهِ وَاحِدَةً[1]"

"شقیق سے روایت ہے، فرماتے ہیں: میں عبداللہ (بن مسعود) اور ابوموسی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ابوموسی رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر ایک شخص کو غسل کی حاجت ہو اور مہینہ بھر پانی نہ پائے تو کیا وہ تیمّم کر کے نماز نہ پڑھے؟ شقیق کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ تیمّم نہ کرے اگرچہ وہ ایک ماہ تک پانی نہ پائے (اور نماز موقوف رکھے) ابوموسی رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا کہ پھر سورہ مائدہ کی اس آیت کا کیا مطلب ہوگا؟ "اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمّم کرلو" سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بولے کہ اگر لوگوں کو اس کی اجازت دے دی جائے تو جلدی ہی یہ حال ہوجائے گا کہ

[1] صحیح البخاري، (ح: ۳۴۸)، صحیح مسلم، (ح: ۳۶۸)

جب ان کو پانی ٹھنڈا معلوم ہوگا تو وہ مٹی سے تیمّم ہی کر لیں گے۔ اعمش نے کہا، میں نے شقیق سے کہا: تو تم نے جنبی کے لیے تیمّم اس لیے بُرا جانا۔ انھوں نے کہا: ہاں۔ پھر ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا آپ کو عمار رضی اللہ عنہ کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ قول معلوم نہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ سفر میں مجھے غسل کی ضرورت پڑ گئی، لیکن پانی نہیں ملا، اس لیے میں نے مٹی میں جانور کی طرح لوٹ پوٹ لیا، پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارے لیے صرف اتنا اتنا کرنا ہی کافی تھا اور آپ نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر ایک مرتبہ مارا، پھر ان کو جھاڑ کر بائیں ہاتھ سے داہنے کی پشت کو مل لیا، یا بائیں ہاتھ کا داہنے ہاتھ سے مسح کیا، پھر دونوں ہاتھوں سے چہرے کا مسح کیا۔''

پھر یہ بھی ہے کہ اہلِ کتاب اپنی داڑھیوں کو کاٹتے تھے اور ہمیں ان کی مخالفت کا حکم ہے۔ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَقُصُّونَ عَثَانِينَهُمْ وَيُوَفِّرُونَ سِبَالَهُمْ: قَالَ: فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: قُصُّوا سِبَالَكُمْ وَوَفِّرُوا عَثَانِينَكُمْ وَخَالِفُوا أَهْلَ الْكِتَابِ''[1]

''ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اہلِ کتاب داڑھی کٹاتے ہیں اور مونچھیں بڑھاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مونچھیں کٹا دو

[1] مسند أحمد، ٣٦/ ٦١٣ (٢٢٢٨٣)، قال شعيب الأرناؤوط: إسناده صحيح.

اور داڑھیاں بڑھا دو اور اہلِ کتاب کی مخالفت کرو۔“

لہٰذا کتاب وسنت کی نصوص اور اسوۂ رسول کا تقاضا یہ ہے کہ داڑھی کو اس کی اصل حالت پر چھوڑا جائے اور اس میں کسی طرح سے کوئی تراش خراش نہ کی جائے۔ هذا، والله أعلم بالصواب.

اللجنة العلمية: من علماء الدعوة السلفية

ایک نظر میں

علمائے سلف صالحین کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ ہر جائز مواقع پر دعوتِ دین حنیف کی خدمت اپنے لیے سعادت اور اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔

ماضی قریب میں کسی ایک عالم دین کی کسی مسئلہ کی بابت رائے معلوم کرنے کے لیے کئی دن خطوط کا سلسلہ جاری رہتا، یا کئی دِن پر خطر و پر خوار اَسفار سے دوچار ہونا پڑتا۔

تاہم اس بڑھتے ہوئے ترقی یافتہ میڈیا کے دور میں دعوتِ دین کا پرچار کرنا قدرے آسان ہوگیا ہے۔

سوشل میڈیا کی مختلف اَنواع میں سے ایک قسم وٹس ایپ بھی ہے۔ جسے ہمیں ایک دعوتی وتربیتی پلیٹ فارم سمجھنا چاہیے۔

وٹس ایپ پر چونکہ مختلف علاقوں کے علمائے کرام موجود تھے۔ ضرورت اس اَمر کی تھی کہ انھیں ایک مجموعہ میں، مجلس کی شکل میں شامل کیا جائے؛ تاکہ کسی بھی سوال پر باقی کبار مشائخ عظام کی آراء سے استفادہ کیا جا سکے۔

۲۶/۱۲/۲۰۱۵ میں راقم نے ”اللجنة العلمية: من علماء الدعوة السلفية“ سے موسوم ایک مجموعہ تشکیل دیا، جس میں بالخصوص ملکِ پاکستان کے کبار علمائے کرام کو مدعو کیا۔ فی الحال اس میں تقریباً ۲۵۰ علمائے کرام موجود ہیں۔ وللہ الحمد

بعض نجی مشغولیات سے عدم فرصت کے باعث دو موضوعات پر بحث و مباحثہ کے بعد ان کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے:

① یک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کی شرعی حیثیت (قائلین و مانعین کے دلائل کا باہم علمی و تحقیقی تجزیہ)

② بیوی کے نام کے ساتھ شوہر کا نام بلا واسطہ لگانا (عرفاً وشرعاً کیسا ہے......؟)

اللہ تعالیٰ تمام تر علمائے کرام کی جہود ومساعی قبول فرمائے اور انھیں دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے ہمکنار فرمائے۔ آمین یا أرحم الراحمين .

ابو اَبان حافظ عثمان بن خالد مرجالوی

خویدم: "اللجنة العلمية: من علماء الدعوة السلفية"

١٤/ جمادي الثاني/ ١٤٣٨ھ

یک مشت سے زائد داڑھی کاٹنے کے جواز وعدم جواز کی بابت سلف صالحین ﷭ سے ائمہ کرام ﷭ تک اس مسئلہ میں دونوں آراء موجود ہیں۔ تمام ادوار میں ہر دو فریق خلافِ رائے کا اظہار کرتے آئے ہیں۔

تاہم دورِ رواں میں اس مسئلہ کو بعض جدت پسند احباب نے کچھ زیادہ ہی پیچیدہ بنا دیا ہے، جس کے باعث عوام کیا علمائے کرام کی اکثریت بھی قولاً وفعلاً تشویش کا شکار ہے۔

واٹس ایپ (whatsapp) میں قائم مجموعہ بنام: **اللجنۃ العلمیۃ: من علماء الدعوۃ السلفیۃ**

کی جانب سے ملکِ پاکستان کے علمائے کرام ومفتیانِ عظام سے دونوں طرح کی آراء کو یکجا کرنے کے لیے برادرم حافظ زبیر بن خالد مرجالوی ﷾ کی خدمات حاصل کی گئیں ہیں۔ موصوف نے ماشاء اللہ بڑی محنت وجانفشانی سے نہ صرف اس ذمہ داری کو دل وجان سے قبول فرمایا، بلکہ بہ خود آغازِ کتاب میں اس بابت قدرے تفصیلی، علمی وتحقیقی مضمون رقم فرمایا۔ جزاہ اللہ خیراً

یہ بات مسلمہ ہے کہ اس مسئلہ کی بابت مجموعی طور پر ایک رائے قائم نہیں کی جاسکتی، بنابریں ہر دو آراء کو جمع کرنے کے بعد فیصلہ معزز قارئین کے سپرد کیا جارہا ہے۔ جس موقف کے حاملین علمائے کرام کے دلائل بہ اعتبار صحت واصابت قوی معلوم ہوں اسے قبول فرمالیا جائے، تاہم احترامِ علمائے کرام دامن سے چھوٹنے نہ پائے۔ شرح اللہ صدورکم

إنَّ الـمعلّمَ وَالطَّبِيبَ كِلَاهما
لَا يَنصَحانِ إِذَا هما لَمْ يُكرَمَا

اللہ تعالیٰ جملہ معاونین کی حسنات کی قدردانی فرمائے اور اس عمل کو شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے ہم سب کے لیے توشہ آخرت بنائے۔ آمین یا ارحم الراحمین

ابو ابان عثمان بن خالد مرجالوی
خویدم: اللجنۃ العلمیۃ: من علماء الدعوۃ السلفیۃ
۱۴/جمادی الثانی/۱۴۳۸ھ